TEXT FLY WITHIN THE BOOK ONLY

TIGHT BINDING BOOK

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222135

UNIVERSAL
LIBRARY

۷۸۶

کرشمۂ تقدیر

عرف

افتخار و فرخ

مصنفہ

جامع الکمالات مستغني عن الالقاب عالیجناب
سید ہمایون مرزا صاحب بیرسٹر ایٹ لا متخلص
بہ حقیر (دریختہ) ہمایون (دریاشا)
مصنف نیرنگ عالم ونمونہ عشق و جمنستان
فصاحت ومختصر تاریخ جاپان ومکالمہ مابین
راجہ رامچندر و گروبسشٹھجي ومولہ کلسن ترنم

مطبوعہ مطبع سیدی مقابل بارہ دری
عالیجناب نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہ
حیدرآباد دکن

نمبر صفحہ ۲۲ قیمت فی جلد دو روپے

حال ایک دوست کا میں لکھتا ہوں:

گویا اپنی ہی بیتی کہتا ہوں:

حمد خدائے تبارک تعالیٰ خالق جملہ موجودات و نعت حضرت محمد مصطفےٰ سرور کائنات کا لکھنا لاریب ہر مسلمان کا فرض ہے مگر عموماً قدرت بشری کے لیئے اس فرض عظیم کی ادائیگی جیسی چاہیئے محالات سے ہے البتہ ؎ محمد سے محبت ہو جو خدا کی ہو خدا سے ہو جو شان محمد۔ اسی طرح سے منقبت شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ کا لکھنا جن کی شان مبارک میں یہ رباعی ؎

روزے کہ بکعبہ تقی شد پیدا ماشاء اللہ ؛ در کون و مکان قبلہ تماشد پیدا سبحان اللہ
بر ئیل بہ تہنیت زود آمد و گفت ؛ آختم رسل فرزند بخانہ خدا شد پیدا ماشاء اللہ

اسی شاعر نے کیا خوب کہی ہے ہر مسلمان کو لازم ہے مگر آسان نہیں ہے

اس لئے ان امور میں خاکسار کونین سید عاشق حسین المعروف بسید
ہمایون میرزا تخلص بہ حقیر ابن مرحوم ومغفور حضرت سید شاہ الفت حسین
فریاد رئیس شہر ہینو سوا وعظیم آباد عرف پٹنہ خلف سید شاہ نور الحسین
علیہ الرحمتہ قلم فرسائی بے سود سمجھکر اور ضروری مطالب کا اظہار کرتا
ہے۔ تقریباً تیس سال سے خصوصاً فسانۂ آزاد مصنفہ پنڈت
تن ناتھ آزاد انجہانی کی اشاعت کے بعد سے ناول نویسی وناول
ن کا مذاق وچرچا ہندی اُردو دان پبلک میں بھی بہت کچھ ہو گیا
ہے اور ہوتا جارہا ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ ہر قوم کے مہذب و
شائستہ بننے اور ترقی کرنے کے لئے اوس کی قومی زبان کے لٹریچر
کی درستی بھی لازمی امر ہے اور ہر زبان کی لٹریچر کی ترقی وتوسیع کے
لئے لازم ہے کہ مختلف شعبوں اور اضاف میں تالیفیں اور تصنیفیں
بکثرت ہوں منجملہ جن کے ناول ایک بڑا شعبہ لٹریچر کا ہے اس لئے اُردو
دان ناظرین کی دلچسپی کے لئے ناول کی تعریف ومقاصد واقسام و
تاریخی حالات وغیرہ کا اظہار وانکشاف مختصر طور پر کرنے کے بعد
اس ناول کی حقیقت بیان کی جائیگی۔ ناول لاطینی زبان کے ایک
لفظ نوُوس سے ماخوذ کیا گیا ہے۔ لفظ نووس کی معنی جدید ہیں کیونکہ
لٹریچر کے اور شعبوں کے مقابلہ میں ناول نیا شعبہ ہے ہمعصر اشخاص
کے اوضاع واخلاق ورویہ وغیرہ کا اور نیز واقعات کا بغور مطالعہ و
مشاہدہ کرنیکے بعد عموماً فرضی ناموں کے ساتھ خیالی قصہ لکھنا ناول کہلاتا

بطریق طعن و تشنیع یا طنز آمیز پیرایہ میں تمدنی یا معاشرتی یا مذ
کی اصلاح ایک قصہ کے ذریعہ سے کرنا اصل مقصد ناول کا ہے۔ اس
معلومات کا پیدا کرنا بھی اسکے مقصد میں داخل ہے اور بظاہر مقصد یہ
کہ قطرتی تصویر واقعات کی مسلسل طور پر قصہ کے پیرایہ میں تمسخر آ
سے اس طرح کھینچی جائے کہ پڑھنے والے کو محظوظ و مسرور کرے۔
کی بلحاظ نوعیت دو قسمیں ہیں (۱) رئیلسٹک یعنے ایسا
اصلیت و واقعیت پر ہو (۲) فکٹیشس ایسا قصہ جو بالکل
ہو یہ ہر دو قسمیں بلحاظ اثر کے دو قسموں پر منقسم ہیں (۱) سیریس
قصہ جس کے پڑھنے سے جذبات انسانی زیادہ متاثر و متحرک
(۲) سنسیشنل یعنے ایسا قصہ جو سنسنی خیز ہو۔ پس رئیلسٹک ناول ہو
خواہ فکٹیشس ہو بلحاظ اثر کے یا تو سیریس ہوگا یا سنسیشنل ہوگا۔
بلحاظ نتیجہ کے بھی ناول کی دو قسمیں ہیں (۱) ٹریجیڈی یعنے خاتمہ جس
قصہ کا المناک غم آلودہ یا ستم رسیدہ و ظلم کشیدہ حالات کے ساتھ ہو
اور پڑھنے والے کو رنجیدہ و مکدر کرے (۲) کومڈی یعنے جس قصہ کا
خاتمہ ہنسی خوشی سے مسرت بخش حالات کے ساتھ ہو جو پڑھنے والے کو
مسرور و محظوظ کرے۔ پس رئیلسٹک ناول ہو خواہ فکٹیشس ہو بلحاظ
نتیجہ کے ٹریجیکل ہوگا یا کومڈیل ہوگا۔ یوں تو ناول نویسی کا چرچا
یورپ بہت قدیم زمانہ سے ہے۔ آغاز اس کا اسکندر اعظم کے
زمانہ یونان میں ہوا قدیم زمانہ کے ناول یونانی اور لاطینی

بانوں میں داخل ہوئی۔ اور گہرا اثر پیدا کیا۔ دسویں صدی عیسوی سے ناول نویسی کا اتنا رواج یورپ میں ہوا کہ ناول لٹریچر کا جزو لاینفک قرار دیا گیا۔ قدیم زمانہ کے جس قدر ناول ہیں ان میں ناول ڈیسیوں نے مضحکہ خیز و طعن آمیز طریقہ سے اپنے معاصر اشخاص کی خوب خبر لی ہے اور دلچسپ اور ظرافت آمیز اس زمانہ کے ناولوں میں عموماً حسن و عشق کے جھگڑے شقوں کے مصائب بیان کئے گئے ہیں۔ عیسوی چوتھی صدی میں ان میں ہیلیوڈورس نے ایتھیوپیکا کے نام سے جو ناول لکھا تھا وہ بہت مقبول و مشہور ہوا۔ عیسوی چھٹی صدی میں یونان میں لونگس نے ایک خیالی قصہ موسوم بہ ڈیفنس و کلوئی لکھا اس کو بھی بہت شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی یہ اسی طریقہ کا قصہ ہے جیسے لیلیٰ مجنوں۔ مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر ناول بھی لکھے گئے جن کا ذکر یہاں مناسب نہیں سمجھا گیا۔ اٹلی کے خیالی قصے ہوا کرتے تھے جو نثر و نظم دونوں میں ہوتے تھے۔ اٹلی میں ناولوں کی بنیاد بوکیشیو نے ڈیکامیرون کے نام سے شائع کیا تھا اس کے بعد سے اٹلی میں ناولوں کی بھرمار شروع ہو گئی۔ اس کے بعد سے یورپ میں ناولوں کی بنیاد قائم ہوئی۔ اس زمانہ کے ناولوں میں سکاٹ نے اپنے موضوع طنز آمیز پیرایہ میں رنگین شیریں و فائدہ مند عبارت پیدا کر کے ناول کو اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا۔ اس زمانہ کی سوسائٹی کی اخلاقی حالت کا رنگ جو ظاہر ہوتے ہیں انگلستان میں سب سے پہلا ناول ۱۷۴۸ء میں سمرلوس مولڈ رپ میں دی آنریبل لکھا تھا۔ اس زمانہ میں انگلستان کے اور زمانہ میں ہ طرح

عزیز۔ کہنے کی طرح ہندمیں ایک زمانہ میں طبقہ عمایدین
زبان کو مقبولیت حاصل تھی۔ سنہ ۱۷۴۰ء سمیوئیل رچرڈسن مشہور
مقبول ناول نویس نے اپنی تصنیفات شایع کیں۔ اٹھارویں
صدیوں نے انگلستان میں بڑے بڑے ناول نویس کالمین
پیدا کیے۔ سنہ ۱۸۱۲ء میں سر والٹر اسکوٹ کے دیورلی ناولس
مقبول خاص و عام ہوئے۔ سنہ ۱۸۴۲ء میں تھکری نے بہت سے
لکھے مگر فینٹی فیر نے تھکری کے نام کو اسی طرح زندہ جاوید کیا
جس طرح پکوک پیپرس کی وجہ سے چارلس ڈکنس کا نام تا بقائے
انگلستان زبان زد خاص و عام انگلستان میں رہے گا۔ انگلستان
کے ان دونوں صدیوں کے مشہور و معروف ناول نویسوں میں
چارلس کنگسلے۔ چارلس ریڈ۔ ڈزریلی۔ جیمس لڈ۔ ٹولس ہارڈی
لوٹ ولٹن۔ جیوارج ایلیٹ۔ کین۔ رڈیرڈ کپلنگ۔ رائڈر ہیگرڈ
ماری کریلی۔ بلیک اوڈاہزی اوڈ۔ اوڈا وغیرہ گزرے ہیں۔
علاوہ ان کے بے شمار تعداد غیر معروف مرد و عورت ناول
نویسوں کی ہے اب تو انگلستان میں آئے دن دو چار نئے ناولوں
کی روزانہ اشاعت ہوتی رہتی ہے۔ الف لیلا میں قدیم زمانہ میں ناول
کے انداز کے خیالی و فرضی قصے مختلف لفظوں اور زبانوں میں لکھے
گئے مگر بالکل ناول کی حیثیت کا جس پر ناول کا پورا اطلاق ہوتا ہے
ایک بہت مجیم قصہ دسویں صدی مسیحی میں ایک جاپانی عورت نے لکھا

اس عورت ناولسٹ کا نام مورا سکی تھا۔ بلحاظ بلند خیالی و
وطرز تحریر و ترتیب مضمون وغیرہ مورا سکی سموئیل رچرڈسن
انگلستان کے مشہور ناولسٹ کے مشابہ و ہم پلہ مانی گئی ہے
ڈراما ناول سے ماخوذ کیا گیا ہے۔ ناول نویس کے لئے جہاں
وسیع عام معلومات کی علم اقتضائے بشری اور نیچرل فلاسفی یعنے
فلسفہ فطرت کی ضرورت ہے وہاں اعلیٰ درجہ کے شاعرانہ مذاق
کی بھی حاجت ہے۔ اس لئے ناول کو بہترین شاعری کا ہم پلہ ہونا
چاہیئے۔ عام پسند بنانے کی غرض سے عشق بازی کی چسک دی
جاتی ہے۔ صحت کے اعتبار سے تاریخ کی وقعت بالعموم ناول کو
حاصل نہیں ہے اور کبھی ہوتی بھی ہے۔ تاریخ گزرے ہوئے اہم واقعات
و نامی گرامی اشخاص کے کارناموں اور تذکروں کا ایک ذخیرہ ہے
جو بلا مبالغہ و بلا تعصب امکانی صحت کے ساتھ ضبط قلم کیا جاتا ہے
اور ناول میں ان شرطوں کی قید نہیں ہے مگر ناول میں جس
واقعہ یا شخص یا منظر وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے بالکل نیچرل ہوتا ہے
اس لئے وہ فوٹو کا کام دیتا ہے جس زمانہ کا ہم ناول پڑھتے ہیں ہمکو
معلوم ہو جاتا ہے کہ اوس زمانہ کی معاشرتی اخلاقی سیاسی حالت
کیا تھی مذہبی خیالات کیا تھے۔ چونکہ ناول بھی ایک بڑا ذریعہ
سوسائٹی کے خیالات کی اصلاح کا ہوتا ہے اس لئے ناول نویس کو
انگلستان کے انیسویں صدی کے مشہور و قابل قدر ادیب و سوشل

یغامر جون رسکن کی سی ہمت اخلاقی و آزادی سے کام لیے
ور پبلک کو بھی اون کے نصایح سے سبق لینا چاہیے رناول پر
ہ فرض ہے کہ جس شخص یا منظر وغیرہ کا تذکرہ کرے سچی تصویر او
یا منظر وغیرہ کی اُتارے مثلاً جہاں کسی یورپین شخص کا اس طر
ذکرہ کرنا مقصود ہے کہ وہ ٹوٹی پھوٹی اردو کسی ہندی سے بو
رہا ہے تو لازم ہے کہ جن خصوصیات کے ساتھ ایک یورپین شخص
بولتا ہے وہ خصوصیات ملحوظ رکھے جائیں پوری نقل تلفظ وغیرہ کی کی
دلی اور لکھنؤ کی اُردو مستند ہے لیکن وہاں بھی مختلف طبقے کے اشخا
ہیں بولنے کو تو سبھی اردو بولتے ہیں مگر ہر طبقہ کا روزمرہ علیحدہ ہے۔
حضرات علما کے طبقہ کی اُردو میں عربیت کا عنصر زیادہ ہوتا ہے۔ عام
شرفا کے محاورے اور اصطلاحیں جداگانہ ہیں بیگمون اور گنوار
عورتوں کے روزمرہ میں بڑا فرق ہے۔ شہدوں کا روزمرہ الگ ہے
ایک شعر شہدوں کی زبان کا ضیافت طبع کے لئے ہدیہ ناظرین کیا جاتا
ہے ؎

جیسن کی مجھ سے لیا کرتا تھا نباب نکی ؛ وہ بھی گارت ہوا کہاں لاک کی عنایات جو
اس کا مطلب یہ ہے نواب نقی (علی نقی خاں وزیر اخیر شاہ اودھ سے مراد ہے)
مجھ سے شیخی کی لیا کرتے تھے یہ بھی خالق کی عنایت ہے کہ وہ بھی مر گئے
بہار عشق میں حکیم نواب مرزا مرحوم شوق نے جہاں لکھنؤ کی ایک بیگم کی زبان
کی نقل کی ہے یہ شعر لکھا ہے۔

سچ بتا تجھکو میری جان کسون ٭ مجھہ پہ مرتا ہے تو قران کسوں
(یعنے قسم) اسی بیگم کی زبان سے نکلے ہوئے یہ اشعار بھی ہیں
تجھکو صدقہ اتاروں جا کے واں ٭ دای بندی سے ہاتھہ دھوئے جہاں
تو نے جلادوں کو کیا ہے گرد ٭ دور پار ایسا نوج ہو درد
ان اشعار میں لکھنو کی خاص بیگماتی اور محل خانہ کی زبان کا چربا
کھینچا گیا ہے۔ ہر ملک کے مختلف طبقوں اور مختلف اسمات کی
زبانوں میں بھی آپس میں بڑا فرق ہوتا ہے خاص و عام کی زبان
میں بھی فرق ہوتا ہے۔ عوام علاوہ صرفی و نحوی غلطیوں کے تلفظ
بگاڑ دیتے ہیں۔ انگریزی زبان کی بھی یہی حالت ہے۔ انگلستان
کے گنوار بھی قواعد زبان دانی کو مطلق ملحوظ نہیں رکھتے ہیں واحد کی
جگہہ جمع جمع کی جگہہ واحد فعل کا استعمال کرتے ہیں تلفظ غلط کرتے ہیں
مثلاً واٹ کو وٹ ڈرنکنگ کو ڈرنکن آرگو کو آرگی آور کو ہور بولتے
ہیں اسی طرح ہزاروں الفاظ کے صحیح تلفظ کا خون کرتے ہیں پس
جس طبقہ کی زبان کی نقل ہو من و عن ہو۔ حیدرآباد کی حالت مستثنی
نہیں ہے۔ ہمایدین کی زبان اور گنواروں کی زبان یکسان نہیں
ہے۔ اس ناول میں محی الدین بی اماں کی زبان کی جو نقل کی گئی ہے
اس سے یہہ سمجھنا نہیں چاہئے کہ یہاں کے شرفا کی بھی ایسی ہی زبان
ہوگی۔ یہاں تک تو عام ناولوں سے بحث کی گئی اب اس ناول کے
متعلق بھی کچھہ عرض کرنا ہے۔ یہ کوئی خیالی و فرضی فسانہ نہیں ہے بلکہ

میرے ایک دوست کی سرگزشت اور میرا چشم دید واقعہ ہے۔ ال۔
نام فرضی ہیں اور کہیں کہیں واقعات کی شکل بدل دی گئی ہے
اس ناول میں اس کی ایک شاخ بھی ہے جس میں انگلستان کا ایک
فرضی قصہ بیان کیا گیا ہے جس پر بلحاظ نوعیت نکٹیشس اور باعتبار
اثر سنسیشنل اور بحیال نتیجہ ٹریجیکل ناول کا اطلاق ہوتا ہے اور اصل
ناول پر بلحاظ نوعیت رئیلسٹک اور بلحاظ انٹرسیپرس اور بلحاظ نتیجہ
کومڈیل ناول کی تعریف صادق آتی ہے الغرض دونوں قصے ملکر پوری
تمثیلیں ناول کے جملہ اقسام کی ہیں۔ قصہ کا نام کرشمہ تقدیر اس کے حالات
کے لحاظ سے اسم بامسمّی ہے یہ قصہ نہایت عبرت خیز و عبرت انگیز واقعہ
ہے۔ برسبیل تذکرہ جابجا بعض معاشرتی مسائل سے بھی بحث کی گئی ہے
مگر اصل قصہ تنبیہ الغافلین ہے جس سے ظاہر ہے کہ باستثنا چند امور
کے انسان کے قبضہ و اختیار میں کچھ نہیں ہے جو اصحاب تقدیر کے
قایل نہیں ہیں اور تدبیر پر بھروسا کرتے ہیں وہ اس قصہ کے واقعات
پر نظر غائر ڈالیں اور تقدیر کے کرشموں کا تماشا دیکھیں جن سے یہ صاف
مستخرج ہوتا ہے کہ ان کرشموں کا دیکھانے والا بھی کوئی ہے یعنے
واجب الوجود۔

معذرت

اخیر میں حضرات نکتہ رسان اور دولٹریچر کی خدمت میں التماس ہے کہ

قصہ کو تعلق نہ دلی سے اور نہ لکھنؤ سے بلکہ سرزمین صوبہ
رہا ہے جہاں کی اُردو اُردو دانی کے شہرہ و قطار ہیں
ہیں ہے اس لئے زبان دانی کی لغزشیں اپنی وریا دلی سے
نظر انداز فرمائیں۔

احقر العباد
سید ہمایون میرزا

ہمایون منزل
حیدرآباد دکن
۴ر جون ۱۹۱۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا باب

۱۸۹۴ء دسمبر کا مہینا ہے سردی زوروں پر ہے گو حیدرآباد میں تیز جاڑے نہیں پڑتے ہیں مگر اس سال کی سردی بلا کی ہے۔ لوگ گھبرا اوٹھے ہیں پرانے بڈھوں کا قول ہے کہ یا تو ۱۸۵۲ء میں ایسی سردی پڑی تھی یا اس سال جاڑوں نے اپنا رنگ جمایا ہے صبح کے چھ بجے ہیں کہرا اس قدر کا ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ سوجھائی نہیں دیتا ہے ہمارے سردی کے بعض جانوروں نے بھی اپنا نشیمن نہیں چھوڑا ہے سڑکوں پر لوگ یکا دکا چل رہے ہیں۔ گاڑی گھوڑوں کی بھی حسب معمول ابھی گشت نہیں ہوئی ہے۔ کچھ دکاندارون نے دکانیں کھولی ہیں اور کچھ کھولنے اور لگانے میں مصروف ہیں بعض نمازگذاروں نے صبح کی نماز سے فراغت حاصل کی ہے

بعض مشغول ہیں پانی کے فواروں میں ناقوس بج رہے ہیں محکمہ صفائی کے
عہدہ کش چابکدستی سے سڑکیں صاف کر رہے ہیں زرٹیدنسی کے علاقہ کے کلوک
ناکہ کے برابر چوک میں بیٹھی دیاں کے بازار کو گئی ہے اس سڑک پر ایک شخص ٹہلتا
نظر آیا۔ قامت لمبی ڈاڑھی منہ پر خاکی ڈرل کا یونیفورم پہنے ہوئے شالباف کا مندا سا
سر پر باندھے چمڑے کی پیٹی کمر میں لگائے ایک بادامی چمڑے کا بیگ بغل میں لٹکائے
سر سے ایک میلی چادر گندی کی اوڑھے ہوئے دہنے ہاتھ میں بہت سے خط اور
اخبار لئے ہوئے۔ مارے سردی کے ٹھٹھرتا اکڑتا پریشان خاطر منہ پر ہوائیاں چھوٹی
ہوئی لپکا چلا جا رہا ہے جاتے جاتے دہنے طرف کا راستہ جو چادر گھاٹ کے پل کو
گیا ہے چھوڑ کر اس پتلی سی سڑک پر مڑا جو کاچھی گوڑہ جاتی ہے چند ہی قدم آگے
گیا ہوگا کہ ایک نان بائی کی دکان سے جو سڑک کی بائیں جانب واقع ہے
آواز آئی۔

آواز۔ ارے بھائی ہدار صاحب سلام علیکم"۔ ایک شخص نے پلٹ کر دیکھا
اور دکان کے قریب پہونچکر کہا۔

شخص۔ آخاہ یار تم ہو خوب ملے بھائی وعلیک السلام ترب بازار کب چھوڑے
یہہ جائے بھی اچھی ہے یہاں بیوپار اچھا چلتا ہوگا۔ ادھر دکان بہت ہے
نان بائی۔ ذرا بیٹھ جاؤ نا بیڑی پی تو لو جانا" یہہ کہکر بیڑی اور دیا سلائی
کی ڈبیہ دی۔

نان بائی۔ یہہ تو کہو چھوٹے خانہ میں کب سے ہوئے ہو مزاج تو اچھی ہے"۔

۱؎ دیا سلائی چھپر گنڈی ۲؎ وردی ۳؎ مدرسہ ۴؎ ڈاک خانہ

مدار صاحب۔ (ڈاکیئے کا نام) ارے بھائی کیا بولنا ایسا وقت آگیا ہے کچھ پوچھو نکو نہیں روزگار ہے نہ نوکری ہے کوئی سہی (سمی) سفارش کرنے والا ہو تو بڑے بڑے کا ماں ملتے ہیں ہمری کو کون پوچھتا ہے اپنے کو کیسے بھی پیٹ پالنا ہے انگریزی ٹپہ خانہ میں نوکری کر لیا ہوں کل ہی تو نوکری ملی ہے مزاج کی حال کیا کہیں آج کو چار دن ہوئے کہ بچے والی لڑکر گود کی بچی کو لیکے سنجانے کہتے نکل گئی سچ پوچھو تو اُس کا بھی قصور نہیں میرے کو روزی روزگار نہیں تو نوکری طرف سے لڑی تھی تین دن سے ڈھونڈ ڈھونڈ کے جان بیزار آگیا کہیں پتہ نہیں ملا ہاں یہ تو بتاؤ شہزادہ سلطان مرزا کس جاگے رہتے ہیں وہ بدیہ سکندری دینے کا ہے۔"

نان بائی۔ "سلطان مرزا صاحب کا گھر وہ کیا سامنے ہے یہاں سے بہت ہوگا دو تین منٹ کا راستہ ہے آگے جا کے کسی سے بھی پوچھ لو وہ دوسری بات کیا بولے سکندر بی کو دیکھنے کا ہے یہ کون تمھاری گھر والی کا نام ہے کیا اب اس کا پتہ لگ گیا سلطان مرزا صاحب کے ہے۔"

مدار صاحب۔ (قہقہا لگا کر) "وُدبہ سکندری ہیں جو کہا تم سمجھے نہیں وہ کیا بات ہے ارے بھائی ایک اخبار کا نام ہے (اخبار دیکھا کر) ارے دیکھو اسی اخبار کا نام ہے اس پر شہزادہ سلطان مرزا صاحب کا بھی گورہ حیدرآباد دکن لکھا ہوا ہے انھیں کے گھر میں لیجا کر دینا ہے لے بھائی اب جاتے ہیں السلام علیکم"

ڈاکیہ نان بائی سے رخصت ہو کر اُٹھا اور پوچھتا پچھتا سلطان مرزا کے مکان

۵۔ جرو ۵۲ قصور

پہنچا اُن کا دروازہ کھل چکا تھا۔ دروازہ پر ایک ٹاٹ کا پردہ پڑا تھا پردہ کے باہر سے باآواز بلند پکارا "ماما جی اماں ٹپہ لیجاؤ" جب کوئی نہ آیا تو تھوڑی دیر کا وقفہ دیکر پھر اس طرح پکارا۔ اندر سے ایک کمسن عورت نے کہا محی الدین بی ذرا باہر جاؤ دیکھو کب سے کوئی چلا رہا ہے تم تو ایک کام میں صبح کر دیتی ہو"

محی الدین بی۔ "جا رہی ہوں نا پادشا آپ تو کام میں کام بولتے ہیں اور سب کہاں گئے ہر وخت میرے ہی پر آفت آتی ہے کیا نکو۔ آدمی ایک کام کرے دو کام کرے تمام دن کا چرخا کون کاتے (دبی زبان سے) بیگم صاحب تو کچھ کہتے ہی نہیں یہ اُن کی لڑکی ہی اندر آؤ باہر جاؤ ہر وخت کیا کرتے ہیں اولی ایسی نخہ چھٹ حراف ان بیاہی لڑکی تو میں نہیں دیکھی بارونہ کے بھول آتے بجرا لگائے جاتا ہے ہمارے حیدرآباد میں ایسے لڑکیاں نہیں ہوتے" یہ کہتی اور کچھ بڑبڑاتی باہر چلی قریب پردہ کے پہونچکر بولی "آتی ہوں با"

ماما۔ (ڈاکیے کو دیکھکر) "آماں! یہ تو اُنہوں ہیں۔ ٹپہ والے کا بھیس بدلکے آئے ہیں تم میری جان کے پیچھے ہو گئے ہو میں اُجڑی یہاں آکے گڑی تھی یہاں بھی چین لینے نہیں پائی میں اب تمھارے ساتھ نہیں رہنے کی تم برائے للہ میرا پنڈ چھوڑو"

ڈاکیا۔ (ماما کا ہاتھ پکڑکر اور اوس کو اپنی طرف کھینچکر) "میں ٹپہ خانہ کی نوکری کیا ہوں جی بھیس نہیں بدلا ہوں۔ خدا کی طرف سے تم مجھکو ملے۔ تم نوکر ہو گئے اچھا ہوا ابھی اسی وقت میرے ساتھ چلو ایک دن کی پروانگی لیلو۔ بچوں کا روتے روتے حال بُرا ہے جلدی سے واپس آؤ"

محی الدین بی اپنے شوہر کی نوکری کا حال سن کر دل میں تو خوش ہوئی مگر اُس نے خوشی کا اظہار چہرہ سے نہیں کیا بچوں کے رونے دھونے کا حال سُن کر اُس کا دل اندر سے بھر آیا۔ یہ کیفیت بھی اُس نے ظاہر نہیں ہونے دی اور یہ کہتی ہوئی اخبار لیکر چلی۔ "آج کو چار دن تو نوکری کو ہوئے رضا ملتی بھی ہے کہ نہیں مانگتی تو ہوں پھر کیا ہے کی۔" "ماما اخبار لیے ہوئے اندر آئی ادھر اودھر دیکھکر بولی۔ "سرکار نہیں ہیں۔ ادے بیگم صاحب یہ اخبار ہے اُنھوں آئے ہیں۔

(بات بناکر) منجھلی بچی کا اب تب ہو رہا ہے دستاں جاری ہیں ایکدن کی رضا دیجئے کل اُسی وخت آجاؤں گی۔"

شوکت النسار۔ (اخبار ہاتھ سے لیکر برافروختگی و تبسم کے ساتھ)

"تم لوگوں کی بھی بہلی کہی ان ماماؤں سے خدا بچائے انہیں کسی کو مردہ بنانے اور پھر زندہ کرتے دیر ہی نہیں لگتی (ماما کی طرف مخاطب ہوکر) کیوں نیکبخت تو نے تو کہا تھا کہ تیرا شوہر مر گیا تو رانڈ ہے پھر یہ اُنھوں کس قبر سے نکلے۔"

ماما۔ (کھسیانی ہوکر) بیگم صاحب پھر کیا بولنا جو مردوا اپنی جورو کو بات بات میں وہتاک دے روٹی کپڑا نہ دے تس پر مارے کوٹے مرے سری کا ہے کہ نہیں آپ ہی بولو۔ اب اس وخت بچی کا حال بُرا ہے کر کے مجھ سے بات کیے ابا نہیں تو کیا یہ میرے سے بات کرنے والے وہ بھی ٹپہ لیکوا آئے مجھکو دیکھ لئے تو بولے میں گھر سے کچھ کہکے نہیں نکلی۔"

شوکت النسار نے طوعاً و کرہاً ماما کو ایک دن کی رخصت دی اور وہ سلام کرکے باورچی خانہ کی طرف گئی کھونٹی پر سے اپنی لٹکتی ہوئی چادر لی انگنائی

ہیں سے اپنی بچی کو گود میں اوٹھایا باہر گئی۔

شوکت النساء شہزادہ سلطان مرزا کی بیوی ہیں اور جس کمسن عورت نے ماما کو باہر جانے کا حکم دیا تھا وہ اُن کی دختر نیک اختر افتخار النساء ہے۔

سلطان مرزا کے دادا طہماسپ مرزا شاہ عباس ثالث کے جو نادر سے پہلے فرمان روائے ایران تھا پوتوں میں سے تھے خاندان صفویہ کی تباہی کے بعد اکبر ثانی کے زمانہ میں ۱۸۲۴ء میں وارد دہلی ہوئے تھے وہاں اُن کی بہت آؤ بھگت ہوئی اور شہنشاہ نے بغیر خیال اختلاف مذہب اپنی ہمشیرزادی سے ان کا عقد کر کے بست ہزاری کے لقب و منصب سے اُنھیں ممتاز و سرفراز کیا تھا۔ ہندوستانی بیوی کے بطن سے طہماسپ مرزا کے ہاں دو لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئے دو صغیر سنی میں جاتے رہے اور دو زندہ رہے ان میں سے ایک سلطان مرزا کے والد حیدر مرزا اور اُنکی پھوپھی نواب روشن آرا بیگم۔ حیدر مرزا کی شادی دہلی کی ایک امیرزادی سے ہوئی تھی جن کے بطن سے سلطان مرزا اور اُن کی ایک ہمشیرہ ارجمند سلطان بانو بیگم پیدا ہوئے ارجمند سلطان ایک قدیم خاندان کے رئیس نواب سید حفیظ الدین خاں سے بیاہی گئی اور سلطان مرزا نے خاندان تیموریہ کی ایک مقدس خاتون سے شادی کی۔ بعد ستاہل ہونیکے اللہ نے اُنھیں تین اولادیں عطا کیں۔ ایک یہ لڑکی افتخار النساء اور دو فرزند کامران مرزا اور سلیمان مرزا۔ دہلی میں اُن کا خاندان بلی ماروں کے محلہ میں ایک عرصہ تک بہت عزت و ثروت کے ساتھ مقیم رہا بہادر شاہ اخیر

شہنشاہ دہلی کی گرفتاری اور غدر کے بعد بہت ہی برگشتہ و پریشان ہوگیا تھا۔ انگریزوں کے تسلط کے بعد جب امن قایم ہوا تو بلحاظ عظمت و تعلقات خاندانی سلطان مرزا کو بھی سرکار انگلشیہ نے پچاس روپے ماہانہ کا وثیقہ مقرر کیا۔ کچھ عرصہ تک تو پچاس روپیہ ماہانہ میں بہت تکلیف کیساتھ بسر کرتے رہے لڑکے جیوں جیوں بڑھتے گئے اخراجات تعلیم وغیرہ بھی بڑھنے لگے سلطان مرزا کی پریشانی بھی بڑھنے لگی حیدرآباد کو خدا سلامت رکھے جہاں دور دور سے مصیبت زدہ پریشان حال آس لگا کر آتے ہیں اور اُن کی پریشانیاں دور ہوتی ہیں۔ چنانچہ ۱۸۷۵ء میں سلطان مرزا بھی حیدرآباد آئے اور مقتدر عہدہ داروں کی سفارش پر ڈیڑھ سو روپیہ ماہانہ منصب سے سرفراز کیے گئے۔ شہزادہ سلطان مرزا فطرتاً ایک خلیق باوضع منکسر صاحب علم متین آزاد خیال کنبہ پرور بامروت سلیم الطبع شخص ہیں انھوں نے ازراہ فوقیت چند دنوں کی اقامت کے بعد اپنے بہنوئی نواب حفیظ الدین خاں کو جو اُس زمانہ میں گوالیار میں تھے مع اپنی ہمشیر کے حیدرآباد بلوایا اور اون کو مقتدر عہدہ داران سرکار سے ۱۱ یا حفیظ الدین خاں کے لیے بھی اسی قدر لینے ڈیڑھ سو روپیہ ماہانہ کا منصب مقرر کیا گیا۔ جب سے یہ دونوں سالے بہنوئی مع اپنے اپنے متعلقین کے حیدرآباد میں رہ پڑے سلطان مرزا حیدرآباد کے مختلف محلوں میں رہے بالفعل محلہ کاچی گوڑہ میں حیات شریف خانسامان کے مکان میں ماہانہ بیس روپیہ کرایہ پر رہتے ہیں باہر کا دیوانخانہ تو مختصر سا ہے

مگر زنانہ مکان وسیع ہے اور ایک پائین باغ بھی ہے جو افتخار النسار کی خاص توجہ سے طرح طرح کے پھولوں سے گلزار بنا ہوا ہے افتخار النسار کی پیدائش حیدرآباد آنے سے پیشتر دہلی میں ہوئی تھی۔ یہہ چھہ مہینے سے کچھہ کم ہی کی ہوگی جبکہ یہہ اپنے والدین کے ساتھہ پہلی دفعہ حیدرآباد آئی۔ جب اسی پانچواں سال لگا تو تعلیم و تربیت کے خیال سے اس کی خالہ نے جس کی کوئی اولاد نہ تھی اپنے پاس دہلی بلالیا فارسی و عربی کی درسی کتابیں اس نے اپنے خالو سے تمام کیں۔ انٹرنس کا امتحان دہلی کے مشن اسکول سے پندرھویں سال درجہ اعلیٰ میں پاس کیا اسی سال اس کی خالہ نے انتقال کیا اور یہ اپنے والدین کے پاس حیدرآباد چلی آئی۔ اب اسے سترھواں سال ہے انگریزی کا درس برابر جاری ہے عربی کی منتہی کتابوں کے سبق اپنے باپ سے کبھی کبھی لے لیتی ہے۔ یہ فطرتاً بے انتہا ذہین و طباع ہے طبیعت میں کد و ضد کا بھی مادہ ہے۔ چلبلاپن اور شوخی بھی مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ صفائی ستھرائی اور نفاست کا بڑا خیال ہے شوخی کے ساتھ متانت بھی ہے شعور اور بہت سی باتوں میں فہم بھی ہے تحصیل علم و کمال کی بہت شایق و شاعر بھی ہے دنیا میں نام برآور و مشہور ہونے کی بڑی ہوس رکھتی ہے لیکن صورت دلفریب نہیں ہے۔ اس کی ماں نے کل انتظام خانہ داری افتخار کے ہاتھ میں دے رکھا ہے جسے وہ نہایت حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیتی ہے۔ اپنے والدین کی عاشق زار ہے مخصوص باپ کی۔ بھائیوں میں سلے بڑے کو بہت عزیز رکھتی ہے۔ عاقل باپ کی

ہمیشہ یہ کوشش ہے کہ اس کی پیاری افتخار کی تعلیم و تربیت کے ایسے بیج بوئے جائیں جن سے ہنر و کمال کے گلہائے رنگا رنگ پیدا ہوں جو چمن شباب پر خزاں آنے کے بعد بھی مہکتے اور اپنی خوشبو دیتے رہیں یہی سبب ہے کہ اسے اقسام کے کھانے پکانے بھی آتے ہیں چٹنی اچار مربے طرح طرح کے مٹھائیاں اور خربت بنانے میں ید طولی رکھتی ہے سوئی کے کاموں میں بھی طاق ہے دسوں انگلیاں دس چراغ ہیں جس وقت کہ افتخار نے محی الدین بی کو باہر جانے کا حکم دیا اپنی ماں کے پاس بیٹھی ہوئی گھر کا کچھ حساب دیکھ رہی تھی۔

ماما جب گھر جانے کی رخصت لیکر باہر جا چکی تو شوکت النسا نے وہ اخبار اٹھا کر افتخار کی طرف پھینکدیا۔ افتخار نے اخبار تو لیکر اپنے قریب رکھ لیا اور حساب لکھنے میں پھر مشغول ہو گئی۔ جب حساب ختم کر چکی تو اُس اخبار کو لیے ہوئے اپنے کمرہ میں چلی گئی۔ اور ایزی چیر کو روشنی کی طرف کھینچکر بیٹھ گئی۔ اخبار کا طبلق پھاڑ کر پھینکا۔ الٹ پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔ تیسرے صفحہ پر ایک فوٹو دیکھا جس کے نیچے یہ لکھا تھا شبیہ ڈاکٹر فرخ مرزا ام ڈی بی۔ ایس۔ سی۔ (لندن) تصویر کے سامنے یہ عبارت درج تھی۔ ڈاکٹر فرخ مرزا ولایت سے ڈاکٹری کی سند حاصل کر کے انتیسویں[۲۹] نومبر کو لکھنؤ میں داخل ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھنؤ کے رئیس زادوں میں ہیں۔ جملہ مسلمانان ہند کے لئے قابل فخر یہ امر ہے کہ اس وقت تک جو نوجوان مسلمانان ہند ڈاکٹری کی سند لیکر ولایت سے آئے ہیں وہ ڈنبرا دارالسلطنت اسکاٹلینڈ کے سند یافتہ ہیں لندن یونیورسٹی[۲] سے ام ڈی کی

۱؎ آرام کرسی ۲؎ دارالعلوم

ڈگری اس وقت تک کسی ہندوستانی مسلمان نے حاصل نہیں کی۔ خدا ڈاکٹر صاحب اور اُن کے عزیزوں کو یہ ڈگری مبارک کرے اور ڈاکٹر صاحب کو نظر بد سے بچائے اللہ نے جیسی صورت دی ہے ویسی ہی سیرت بھی عطا فرمائی ہے کیوں نہ ہو اللہ جمیل و یحب الجمال افتخار النساء تصویر کو دیکھکر پھڑک اُٹھی اور اُس نے عبارت مندرجۂ بالا کو بغور پڑھنا شروع کیا عبارت ختم کرنے کے بعد دنگ ہوگئی چونکہ خود صاحب علم تھی اس لیے علم دوست اور قدردان علم بھی تھی۔ لندن کے ام ڈی کی وقعت سے بھی واقف تھی دل میں بیساختہ ڈاکٹر صاحب کو دعائیں دیں۔ بار بار تصویر کو دیکھتی اور اُس عبارت کو پڑھتی۔ کبھی ہندکے مسلمانوں کی قومی حالت کا خیال کرتی اس پر سے اس گوہر نایاب ڈاکٹر کے کمال کا خیال کرکے دل میں عشق کرتی اس کے بعد فوری یہ خیال اس کے دل میں پیدا ہوا کہ اگر ان کی شادی نہیں ہوئی ہو تو اچھا ہے پھر دل ہی دل میں یہ کہنے لگی۔ آہا کیا پیاری صورت ہے عمر بھی ابھی کچھ ایسی نہیں ہے بس مجھ سے چار پانچ برس زیادہ ہوں گے۔ مرد عورت میں اتنا فرق تو ضرور چاہیئے (پھر تصویر کو دیکھکر) نام خدا ابھی اچھی طرح ڈاڑھی مونچھ بھی نہیں نکلی ہے۔ مونچھیں تو تھوڑی تھوڑی نکلی ہیں ڈاڑھی کچھ بھی نہیں نکلی یا منڈا دی ہو۔ نام تو بالکل ہمارے خاندان کا سا ہے۔ میں نے ابا جان سے ایک دفعہ سنا تھا کہ خاندان صفویہ کے ایک شہزادہ سادات خاں کے زمانہ میں لکھنؤ میں جا بسے تھے یہ انھیں کی اولاد میں ہوں۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو پھر تو ہم اور وہ ہمجد ہوں گے ابا جان کو بھی کچھ عذر نہ ہوگا اور اگر کہیں اُن کے والدین نہ مانے

اس سوچ اور تحیر میں ایک ہاتھ میں اخبار اور ایک ہاتھ کن پٹی سے لگائے بیٹھی تھی کہ عمدہ خانم اچانک آپہونچی۔

عمدہ خانم۔ "اُیلو تم یہاں ہو آب در کوزہ و من تشنہ دہان می گردم۔ میں تمہیں تمام دھونڈھ رہی ہوں جم جم سے آپ یہاں براج رہی ہیں یہ تو بتاؤ آج چاند کی کونسی ہے دھوبن کا حساب دینے کے لیے بیگم صاحب نے مجھ سے تاریخ پوچھی مجھ نگوڑی کو کچھ خاک یاد رہتا ہے میں نے کہا کہ بیگم سے پوچھکر آتی ہوں اس لیے تمھیں ڈھونڈھتی پھرتی ہوں کہو آج کیا تاریخ ہے کچھ منھ سے بولو مرے کھیلو یا میرے الٰہی تم تو بت بن گئی ہو یا چپ شاہ کا روزہ رکھا ہے۔

افتخار النساء۔ (ذرا چونک کر) "کیا تمنے کہا ہان تاریخ پوچھی کس مہینے کی انگریزی کی یا ماہ الٰہی کی۔

عمدہ خانم۔ "خدانخواستہ دشمنوں کو جنون تو نہیں ہوگیا ہے خیر تو ہے یہ تو وہی مثل ہوئی ساری رامائن پڑھ گئے پر یہ نہ معلوم ہوا کہ سیتا عورت تھی یا مرد۔ میں نے تو یہ رنگ تمھارا کبھی نہیں دیکھا تم ہو کہاں۔ کیوں چپکی لگی ہے منھ سے بولو۔ آنکھیں تو ملاؤ دل کہاں ہے۔"

افتخار۔ "تم یہ بک کیا گئیں میں تو تمھیں اچھا بھلا دیکھ رہی ہوں مگر حالت ایسی جیسے بحران ہو۔"

عمدہ خانم۔ "معقول! میں تو ابھی خاصی ہوں میری بکواس کو فدوبلوں کی بڑ سمجھو۔"

(افتخار کے زانو پر سے اخبار اوٹھاکر) یہ تصویر کس گبرو کی ہے جوان تو پہریا ہے۔ (نیچے کی عبارت باآواز بلند پڑھکر) ڈاکٹر فرخ مرزا ایم ڈی بی۔ ایس۔ سی لندن یہ ام۔ ڈی۔ بی۔ ایس۔ سی کیا بلا ہے اچھا اس کا مطلب پھر آن کر پوچھوں گی۔ تاریخ تو چاند کی بتاؤ بیگم صاحب انتظار میں ہوں گی۔"

افتخار۔ "آج چاند کی سترھویں ہے۔"

عمدہ خانم اخبار وہیں چھوڑ کر گئی اور چشم زدن میں واپس آگئی پھر اس اخبار کو اوٹھاکر اس کے سامنے کی عبارت پڑھکر۔ "اللہ رکھے یہ تو ہمارے لکھنؤ کے امیرزادوں میں ہیں جب ہی تو یہ نوک و پلک بھی ہے۔

علم بھی ایسا حاصل کیا ہے کہ سارے ہندوستان میں جواب نہیں

(افتخار کی طرف مخاطب ہوکر) کیوں بیگم یہ تو اخبار والے نے اپنے دل سے لگائی ہوگی ہم اب ہمارے لکھنؤ میں ایک سے ایک بڑھکر مائی کے پوت لائق و فایق پڑے ہوئے ہیں خاندان اجتہاد میں جناب قبلہ و کعبہ سید اچھن صاحب سلطان العلماء سید نقی صاحب تاج العلما سید بن صاحب فرنگی محل والوں میں مولوی عبدالحی صاحب کیسے کیسے نامی گرامی علما ہیں بھائی ان ڈاکٹر صاحب کی کن میں گنتی ہے۔ اخبار والے بھی غضب ڈھاتے جس کو چاہا جھنڈے پر چڑھا دیا نہیں تو اوٹھاکر قعر جہنم میں پھینک دیا۔"

افتخار۔ (ہنسکر) اللہ اللہ کر و بعض وقت تم بھی کیا بے تکی ہانکتی ہو۔ کہاں قدیم مشرقی رنگ کے علماء کہاں ایک حکیم و محقق علوم جدیدہ تمہیں ان

ڈاکٹر صاحب کی کیا قدر ہو سکتی ہے۔ چہ داند بوزنہ لذات ادرک سلنڈ
یونیورسٹی سے ام ڈی اور بی ایس سی کے امتحانات پاس کرنا منہ کا نوالہ
نہیں ہے۔"

عمدہ خانم۔ "واللہ میں تمھیں پاگل ضرور کچھ دال میں کالا ہے جب ہی تو
کیا جی کو بُری لگی ہے سچ کہنا مجذوب کی بڑ کبھی سچ نکلی یہ سب تو ہوا میں
تم سے ایک بات پوچھتی ہوں دیکھو مجھے چکمے نہ دینا بالے تجھے نہ بتانا ٹھیک
ٹھیک کہدو مجھے یقین ہے کہ تم مجھ سے کوئی بات چھپاتی تو نہیں ہو اسوقت
جو تم سونچ میں تمھیں اسی تصویر کا اثر تھا یا اور کوئی سبب تھا۔"

افتخار۔ "واہ وا۔ اب میں سمجھی تمھاری بھی عجیب چھیڑ خوانی کی باتیں ہیں
ہزاروں مضمون اخباروں میں ہوتے ہیں میں تو روز پڑھتی ہوں یہ تو لکھنے
کے رہنے والے ہیں اخباروں میں تو جرمنی فرانس امریکہ کے علما اور مشہور
لوگوں کے حالات ہوتے ہیں تو کوئی کسی کے دل میں گھر تھوڑا ہی کرتے ہیں۔"

عمدہ خانم۔ "پھر تم اس میں محو کیوں ہو گئی تھیں۔"

افتخار۔ "کوئی بھی نہیں۔ مالن کا انتظار کر رہی ہوں مردار اب تک نہیں
آئی۔ دھوپ آجائیگی تو ہمارے پھول کملا جائیں گے۔ اچھی عمدہ خانم تم
ذرا توڑ لاؤ۔"

عمدہ خانم۔ "تم تو مجھ کو ٹالتی ہو اچھا میں پھول لا دونگی مگر تم کو میری جان کی
قسم سچ سچ بتا دو (چھوکری کو آواز دے کر) سدا بہار ذرا پھول توڑ لا آج
مالن اب تک نہیں آئی (افتخار سے) لو اچھا اب بتاؤ میں نے کوئی دھوپ میں

سر سفید نہیں کیا ہے میں تو اوڑتی پڑھا بھی جانتی ہوں"

افتخار۔ "تم تو میرے سر ہو گئیں خیر تو ہے"!

عمدہ خانم۔ "ابھی تک تمھارا بچپنا نہیں گیا۔ بات سمجھنے کی بھی عقل نہیں آئی شاید میں تم کو مدد دوں"

افتخار۔ "توبہ کیسی باتیں کرتی ہو خود تم کو پسند ہوں گے تو جاؤ اماجان سے کہو مجھ سے کیا پوچھتی ہو"

عمدہ خانم۔ "تمھارا اشارہ پاؤں تو جاؤں"

افتخار۔ (کچھ سوچ کر شرماتی ہوئی) "عمدہ خانم میں تمھاری شاگرد ہوں چاہے ایک حرف ہی کیوں نہ پڑھا ہو میں دل سے تمھاری وقعت کرتی ہوں اور تمھیں اپنا ہمدرد سمجھتی ہوں یہ تم نے سچ کہا کہ میں تم سے کوئی بات چھپاتی نہیں بہت سی باتیں اماجان تک سے نہیں کہتی ہوں مگر تم سے کہہ دیتی ہوں آئندہ بھی تم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھنے کی اصل یہ ہے تو مجھے کسی کا ڈر بھی نہیں ہے فرمودۂ خدا و رسول کا بجا لانا فرض ہے کوئی عیب کی تو بات ہی نہیں اگر یہ شخص قبول کرے تو میں فخر یہ اپنا شوہر بنانا پسند کروں گی مجھے اباجان نے اس امر کی اجازت بھی دی ہے کہ میں خود جسے پسند کروں اُس کا نام اُن کے سامنے پیش کروں اگر وہ بھی منظور کریں تو میری شادی ایسے شخص کے ساتھ کر دی جائے گی اس سے تم سمجھ سکتی ہو کہ انتخاب کی اجازت مجھے حاصل ہے اب رہا یہ امر کہ کس شخص کا انتخاب کروں میری عقل اس بارے میں بالکل عاری و عاجز تھی یہ کمبخت پردہ کی رسم

وہ دم کے پیچھے لگی ہے کہ بیچاری پردہ میں بیٹھنے والی لڑکیوں کو موقعہ ہی نہیں ملتا ہے کہ اپنا جوڑا اپنے خیال و مذاق کے موافق منتخب کر سکیں غضب تو یہ ہے کہ انتخاب تو کجا اُن سے پوچھتے تک نہیں ہیں ابا جان کی روشن خیالی اور مہربانی کی قابل و شکور ہوں کہ انہوں نے انتخاب تو میری پسند پر چھوڑا یہاں کے مسلمانوں میں تو ایسا کوئی قابل نہیں شکل و شباہل ظاہری تمہارے سامنے موجود ہے تمہیں بتاؤ کہ تمہاری نظر سے کوئی صورت ایسی گزری ہے ہیں تو ایمان سے کہتی ہوں کہ میری آنکھوں نے تو کوئی مرد ایسا نہیں دیکھا حسب نسب کی کیفیت نام سے کچھ معلوم ہوتی ہے اور اس کا دریافت کرنا کوئی بڑی بات بھی نہیں ہے دیکھو صورت سے کیسی متانت و شان سرداری ٹپکتی ہے۔ عالی خاندان معلوم ہوتے ہیں۔ دولت مند بھی ہونگے ورنہ انگلستان میں تعلیم پانیکے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ دولت کی مجھے پروا بھی نہیں ہے جب انسان میں کمال موجود ہے تو روپیہ جوتیوں سے لگا ہے۔"

عمدہ خانم۔ "ماشاء اللہ تمہارا علم مجھ سے کہیں بڑھا ہوا تم جوان تمہاری عقل جوان تمہارے آگے مجھ بوڑھیا کی رائے بھی بڈھی مگر اتنا سن تو کہ جو کام انسان کرے سوچ سمجھ کر کرے یہ نہیں کہ کاتا اور لے دوڑی حضور میں ایسا کام جس سے زندگی کا نبھاؤ ہے، شادی گویا جیتے جی کا قول ہارنا ہے سمجھ بوجھ کر کرنا چاہئے۔ میں نے مانا کہ دولتمند صاحب علم بھی ہیں عالی خاندان بھی ہیں اللہ رکھے تم کس بات میں اُن سے کم ہو تم تو پڑھنے لکھنے میں

اس قدر جُتی رہیں کہ شادی بیاہ کا خیال دل میں بھی نہ آیا ہوگا۔ مجھے تمہاری طبیعت کا حال اب کھلا ایک نہیں ہزار نسبتیں آئیں گی اگر انھیں پر ریجھی ہو تو ایسی تدبیر نکالنی چاہئے کہ اُنہی کی طرف سے اس معاملہ میں تحریک ہو اچھا یہ تو بتاؤ رشید الدین خاں تمہارے پھوپھیرے بھائی کیا بُرے ہیں اُن کی نظر تو تمھیں پر ہے۔"

افتخار۔ "ایسے معاملہ میں اودھر سے تحریک ہونی بیشک بہتر ہے مگر اسکی تدبیر کیا نکل سکتی ہے اگر اس انتظار میں رہی تو وہی کہاوت پیش آئیگی تا تو من میرسی من بخدا میرسم۔ رشید بھائی کا نام میرے سامنے نہ لو تم کو تو معلوم ہے کہ مجھے اُن کی صورت سے نفرت ہے۔"

عمدہ خانم۔ (ذرا جھجھلاکر) "یا وحشت! اچھا رشید میاں کا ذکر میں اب سے نہیں کرنے کی مگر ڈاکٹر والے معاملہ میں ابھی سے اس قدر کھل بلی تمہیں کیوں پڑ گئی رفتہ رفتہ سوچنے سمجھنے سے کوئی نہ کوئی بات نکل ہی آئیگی یہ تو میرے دل کو لگی ہے کہ میں تمھارا بیاہ دیکھوں خدا وہ سہ گھڑی لائے کہ تمھارے سر سہرا چڑھے تمہاری مانگ موتیوں سے بھرے دووں نہاؤ پوتوں پھلو۔ مگر میں تمھاری طرح بوکھلا نہیں گئی ہوں۔"

اتنی گفتگو کے بعد عمدہ خانم کسی کام کو چلی گئی افتخار نے پھر اپنا شغل شروع کیا بار بار تصویر کو دیکھنا اُس صفحہ کی عبارت پڑھنا اور دل ہی دل میں کچھ سوچنا۔

عمدہ خانم ایک شریف الخاندان عورت ہے اس کا وطن لکھنؤ ہے

۱۸۵۷ء کے غدر میں اس کی عمر کوئی چودہ پندرہ برس کی تھی۔ اُسی بھگدڑ میں اس کے ماں باپ کہیں مرکھپ گئے اور یہ ایک شریف شخص کے ہاتھ لگ گئی تھی جس نے اس سے نکاح کر لیا تھا عقد کے ایک ہی سال بعد اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا۔ بچپنے میں ماں باپ نے کچھ اردو فارسی پڑھا دی تھی سینے پرونے میں بھی دخل تھا اُس نے کچھ دنوں مغلانی گری کی نوکری کر کے پیسے جوڑے آتو سیتے پر لکھنو کے چند شرفا کے ہاں رہی اتفاق افتخار کی خالہ لکھنؤ بغرض معالجہ گئی تھی افتخار بھی اپنی خالہ کے ہمراہ تھی اُس وقت افتخار کی عمر کوئی سات آٹھ سال کی تھی اُس کا سبق ناغہ ہو رہا تھا کسی نے عمدہ خانم کی سفارش کی افتخار کے پڑھانے پر یہ رکھ لی گئی جب یہ لوگ دہلی واپس جانے لگے تو عمدہ خانم کو جس سے افتخار بہت ہل گئی تھی جس کی کہانیوں نے افتخار کو لبھا لیا تھا افتخار کے رونے دھونے اور ضد پر دہلی اپنے ساتھ لیتے گئے دلی پہونچنے پر افتخار تو مدرسہ میں داخل کر دی گئی عمدہ خانم مثل اتالیق کے افتخار کے ساتھ رہی جب سے جہاں افتخار رہتی ہے عمدہ خانم بھی وہیں اُس کے ساتھ رہتی ہے پہلے حالات ایسے مصیبت زدہ تھے کہ یہ ہمیشہ محزون و کبیدہ خاطر رہتی یہی وجہ تھی کہ بے انتہا جھلی اور چڑچڑی ہو گئی تھی۔ مگر فطرتاً ہنسوڑ اور ظریف تھی۔ ایک عرصہ تک لکھنو والوں کی صحبت میں رہ چکی تھی اس لیے اُسکی زبان پر لکھنو کے محاورے بہت چڑھے ہوئے تھے بلکہ افتخار نے بھی رات دن کی صحبت میں اُس سے سیکھ لیے تھے اور عمدہ خانم کو دلی والوں کی صحبت

میں دلی والوں کے بہت سے محاورے از خود یاد ہو گئے تھے عمدہ خانم کو ایک زمانہ میں شاعری کا شوق بھی چرآیا تھا اس لیے سینکڑوں اشعار اُستادوں کے برمحل و برجستہ پڑھ دیا کرتی تھی اور خود بھی کچھ موزون کر لیتی تھی۔ آپس میں شاگردی اور استادی کا تعلق بہت ہی کم رہا اور وہ بھی افتخار کی بہت ہی کم سنی کے زمانہ میں تھا اس لیے افتخار کا برتاؤ اس کے ساتھ ایسا تھا جیسے رفیق اور مصاحب کے ساتھ ہو دونوں میں کمال درجہ بے تکلفی تھی آپس میں نوکا جھونکی کے فقرے بھی استعمال ہوتے تھے ایک کو دوسری سے اُنس بھی بہت تھا۔ ہنوز افتخار تصویر دیکھنے کے شغل میں مشغول ہی تھی کہ عمدہ خانم ادھر اودھر سے ہو کر پھر آدھمکی افتخار کی نظر تصویر میں گڑی دیکھکر بولی "جناب عباس کی قسم اب مجھے یقین کامل ہو گیا کہ تمہارا دل تمہارے قابو میں نہیں ہے"

ع ہائے ہم ڈرتے تھے جس دن کو وہ دن آپہنچا۔ یہ طبیعت داریاں اوپرا اوپر تھوڑی جاتیں پھر میں کہونگی بے سوچے سمجھے دل کو ہاتھ سے دیدینا بڑی نادانی ہے ایسی باتوں کا نتیجہ اچھا نہیں نکلتا دیکھو میں تمہیں ایک قصہ سناتی ہوں یوں تو ہزاروں فسانے حسن و عشق کے جھگڑوں کے ہیں لیکن میں جو اس وقت کہتی ہوں نہایت عبرت خیز اسی حیدرآباد کا ایک واقعہ ہے جس کو ابھی بہت عرصہ بھی نہیں گزرا ہے جس کی آنکھوں کا دیکھا ہے اُس نے خود مجھ سے کہا تھا۔ یہ کہکر عمدہ خانم نے ایک قصہ کہنا شروع کیا کہ اس مقام میں مسز مہری افتخار کی انگریز استانی آگئی۔ یہ انگریز

افتخار کے ساتھ اس قدر بے تکلف ہے کہ بعض اوقات بغیر اطلاع دیئے افتخار کے کمرہ میں داخل ہو جایا کرتی تھی اس کو دیکھکر عمدہ خانم پہلے تو ذرا بھانک سی ہوئی پھر طبیعت کو سنبھالا۔ مسز ہنری نے آتے ہی انگریزی زبان میں افتخار سے صاحب سلامت کی اور مزاج پرسی کی اس کے بعد عمدہ خانم کی طرف مخاطب ہو کر اردو میں یہ کہا "کہئے صاحب آپ جیب کس واسطے ہو گیا آپ تو بیگم سے کچھ بول سا ٹھا ہمارا آنے سے چپکا ہو گیا ہمارا آنے سے آپ لوگ گصہ تو نہیں ہوا"۔

عمدہ خانم۔ "اے نہیں میم صاحب آپ کی بھی کیا باتیں ہیں بھلا وہ کونسی ایسی پوشیدہ اور راز کی بات تھی جو آپ کے سامنے نہیں کہہ سکتی اور ایک کنواری لڑکی سے کہتی"۔

مسز ہنری۔ "نہیں نہیں۔ او بات کو ہم نہیں بولا میرا مطلب یہ ہے کہ بہت سا پرائیوٹ نیچ کا بات ایسا ہے اس میں کوئی شرم کا بات نہیں۔ بٹ (لیکن) دوسرے کو معلوم نہیں ہونا۔

عمدہ خانم۔ (بات بنا کر) تھوڑی دیر ہوئی صاحبزادی مثنوی زہر عشق پڑھ رہی تھیں تو میں نے کہا کہ ایسی کتاب سے کم سن لڑکیوں کو بچنا چاہیئے حسن و عشق کے جھگڑے بہت بُرے ہوتے ہیں اس پر سے میں نے حیدرآباد ہی کا گذرا ہوا ایک واقعہ جو ایک معتبر شخص کا چشم دیدہ ہے جس کو میں نے اُسی شخص کی زبانی سنا تھا صاحبزادی کے آگے دوہرا رہی تھی کہ اتنے میں آپ آگئیں"۔

مسٹر ہنری۔ "وہ کیا بات ہے"

عمدہ خانم۔ "شعروں کی کتاب ہے عاشقی معشوقی کا ذکر اس میں ہے"

مسٹر ہنری۔ (افتخار کی طرف مخاطب ہوکر) "ہم نہیں سمجھا" افتخار نے انگریزی میں سمجھا دیا

مسٹر ہنری۔ (اردو میں عمدہ خانم سے مخاطب ہوکر) محبت بڑا کھراب کام ہے انگریزی میں بھی ایسا بہت کتاب اور کصہ ہے (افتخار سے مخاطب ہوکر) جب آپ ایسا کتاب پڑھو اُس کا بُرائی پر نظر رکھو جس گانوں میں ہم پیدا ہوا ہو اُن کا ایک کصہ ہمارا کسنی کا بات ہے ہم آپ کو بولے گا مگر کھوب لمبا چوڑا والا ہے آج وکھٹ نہیں ہے ابھی آپ کو سبک پر معنا ہے کل بولے گا"

عمدہ خانم۔ "اُسے ہے میں بھی ذرا سنتی آپ انگریزی میں بیان کرنا گی صاحبزادی تو ماشاءاللہ سمجھ لینگی بھلا میں کیونکر سمجھوں گی"

مسٹر ہنری۔ "اچھا تو ہم ہندوستانی باٹ میں بولیگا"

افتخار۔ (عمدہ خانم سے مخاطب ہوکر) "اب بقیہ قصہ پھر سنونگی سبق پڑھ لیجئے" یہ کہکر افتخار لکھنے کے میز کے قریب ایک کرسی پر آبیٹھی مسٹر ہنری نے بھی اپنی کرسی قریب لے لی اور دونوں درس و تدریس میں مشغول ہوگئیں عمدہ خانم باہر چلی گئی کوئی آدھا گھنٹہ پڑھانے کے بعد مسٹر ہنری رخصت ہوکر چلی گئی اور عمدہ خانم آموجود ہوئی دو چار باتیں ادھر اودھر کی بگھار کر افتخار سے پوچھا اگر کہو تو بقیہ قصہ کہہ ڈالوں ورنہ فرہ جاتا رہے گا"

افتخار۔ "ہاں کہہ ڈالو کھانے میں ابھی عرصہ ہے دل بھی گھبرا رہا ہے۔"
عمدہ خانم۔ "فوج کسی کا دم اس طرح خفگی کرے سچ کسی نے کہا ہے کہ زیادہ علم بھی آدمی کو پاگل بنا دیتا ہے اور زیادہ عقل جان کا کال ہو جاتی ہے یہ تو میں کہوں گی ہمیشہ سے تم اپنے دھن کی پکی ہو جس بات کا خیال آیا کر کے چھوڑا مگر یہ بھی کوئی دھن ہے خاصہ خبط ہے۔"
افتخار۔ "میں تمہارا لکچر سننے کو نہیں بیٹھی ہوں قصہ کہتا ہے تو کہو ورنہ مجھے آج کا سبق یاد کرنے دو تم نے تو لگاتار ایک رٹ لگا دی ہے میں کیا اپنا نیک و بد نہیں سمجھ سکتی جو خیر سے آپ مجھے سبق دینے بیٹھی ہیں۔"
عمدہ خانم۔ "کیوں بگڑتی ہو کہتی ہوں نہ دشمنوں کا مزاج ہی قابو میں نہیں ہے اچھا لو بقیہ قصہ کہہ سناتی ہوں۔" یہ کہکر اُس نے بقیہ قصہ کہہ سنایا۔ قصہ سنانے کے بعد عمدہ خانم نے کہا۔
"بیوی یہ نتیجہ ہے عشق بازی کا ایک نظر کسی کو دیکھکر یوں بے خود و فریفتہ ہو جانا عاقلوں کا کام نہیں ہے۔ چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی۔ ہر کام کا آگا پیچھا دیکھ بھال کر کرنا چاہیئے۔"
افتخار۔ "اجی خانم صاحب اس قصہ سے درحقیقت کیا نتیجہ نکلتا ہے وہ آپکی سمجھ میں مطلق نہیں آیا لو مجھ سے سنو! اگر اُس لڑکی کی جس کا تم نے قصہ کہا اعلیٰ درجہ کی تربیت و تعلیم مغربی اصول کے موافق کی جاتی تو اس غریب کی جان پر نہ بن جاتی اور نہ ہزاروں روپیوں پر پانی پھرتا۔ ایک فرضی شاہزادے کے عمل و حاضرات و موکل کے خلاف فطرت اقتدارات کے حالات اگر کسی مغربی

تعلیم یافتہ شخص کے سامنے اس طرح کہے جاتے تو باور کرنا تو درکنار کہنے والے کو بلا مبالغہ پاگل سمجھتا محمد سرور کی شیخ چاند سے ملاقات تصویر کامل جانا ساری باتیں اتفاق سے ہوئیں مگر اُس جاہل لڑکی کی عقل وہاں تک پہنچ نہ سکی اس لیے اُس نے ان باتوں کو فرضی عامل صاحب کی کرامت پر محمول کیا۔ چار سو برس قبل عہد وسطیٰ میں یورپ کی بھی یہی حالت تھی جہالت اور اوہام پرستی کی انتہا نہیں تھی۔ جادو اور سحر کا چرچا گھر گھر تھا۔ بنے ہوئے ساحروں اور جادوگروں کا ہر طرف بول بالا تھا۔ بڑے بڑے مقتدر حکام اُن کے دباؤ میں آجاتے تھے اور جو چاہتے اُن سے کرا لیتے تھے۔ یہ بنے ہوئے ساحر فن نجوم وشعبدہ بازی وعلم طب سے بھی واقف ہوتے تھے مگر ان باتوں کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ اُن کے خاص خاص چیلے چپاٹے اور مرید اُن کے رازدار ہوتے تھے بعض بنے ہوئے ساحر یہ بھی مشہور کر دیتے تھے کہ وہ مطلق کوئی غذا نہیں کھاتے صرف درختوں کی پتیوں پر جیتے ہیں حالانکہ اُن کے مرید پوشیدہ طور سے دنیا کی نعمتیں لا لاکر انھیں کھلاتے تھے۔ مثل آج کل کے عام ہندوستانیوں کے اس زمانہ کے اہل یورپ کے قوائے عقلی بہت کمزور تھے اور قوانین فطرت و فلسفہ کائنات سے واقف نہ تھے اس لئے مصنوعی ساحروں کی چالاکیوں اور ہتھکنڈوں کو سمجھ نہیں سکتے تھے مثلاً اگر کوئی بیمار کسی ساحر کے پاس جاتا تو ساحر سے بظاہر ۔۔۔ صرف پانی دم کرکے دیتا مگر علم طب کے جاننے سے خواص الاشیاء سے بھی ایک حد تک واقف ہوتا تھا کوئی بڑی بوٹی مرض کی

مناسبت سے اس پانی میں ملا دینا فن شعبدہ بازی میں کامل ہونے کی وجہ سے اس پھرتی سے ملاتا کہ کسی کی نظر بھی نہیں پڑ سکتی اگر وہ پانی موثر ہو جاتا تو مریض یہی سمجھتا کہ جادو کی بدولت اسے شفا ہوئی یا کسی نے یہ سوال کیا کہ میرے گھر میں اولاد ہوگی۔ ساحر نے علم نجوم کے ذریعہ سے کہدیا کہ ہاں۔ اگر اتفاق سے یا صحت نجوم دانی کی وجہ سے جواب کے موافق اولاد ہوگئی تو معتقد اسے سحر کے اثرات پر محمول کرتا اسی طرح سے ہزاروں باتیں ہوا کرتی تھیں مگر اب یورپ میں ایسے جادوگروں کا کہیں نام و نشان نہیں ہے اس کا سبب یہ ہے کہ علم کے ساتھ لوگوں میں عقل کا مادہ بڑھتا گیا اور ایسے پیشہ وروں کا بازار ٹھنڈا ہوتا گیا۔ اب یورپ میں سائنس نے وہ ترقی کی ہے کہ ہزار جادو سے بڑھکر ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے قومی قدم تہذیب موجودہ کی رفتار سے چار سو برس پیچھے ہٹے ہوئے ہیں خدا اپنا فضل کرے۔"

عمدہ خانم۔ "چشم بد دور کس فصاحت و بلاغت سے ایک نازک مسئلہ پر تقریر کی ہے واقعی ہم مسلمانوں میں اب اوہام پرستی بہت بڑھ گئی ہے جدھر دیکھو جادو فتیلہ ٹونے ٹوٹکے ہو رہے ہیں ملنا سیانے پیر فقیر کی بن آئی ہے جو باتیں خلاف شعار اسلام تھیں وہ داخل اسلام ہوگئی ہیں جاؤ اب خاصہ کھاؤ دسترخوان چنواؤ بیگم صاحب انتظار میں ہونگی۔"

افتخار نے انگڑائی لیکر ایک جمائی لی اور چپکی اوٹھ ماں کے پاس چلی گئی بے جیکا کھانا کھایا کس سے جائے ماں باپ کے خیال سے دو چار لقمے

تھوڑی دیر تک کھائے اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنے کمرہ میں آن کر لیٹ گئی موسم کے لحاظ سے نیند کا غلبہ تو تھا ہی نہیں اور نہ اپنے تئیں نیند میں ڈالا چاہتی تھی اسے صرف تنہائی سے غرض تھی لیٹنا تھا کہ مختلف اقسام کے خیالات و جذبات کا اژدہام اُس کے دل و دماغ میں شروع ہوا اور وہ دل سے اس طرح باتیں کرنے لگی۔

یا اللہ میرے دل کو کیا ہو گیا ہے۔ عمدہ خانم نے جو قصہ بیان کیا کچھ عجیب و غریب واقعہ ہے۔ میرا نتیجہ بھی کیا ویسا ہی ہونے والا ہے۔ خدا نکرے! وہ قصہ تو مجھے جھوٹا اور بنایا ہوا معلوم ہوتا ہے خیر کچھ ہی ہو عشق کا انجام تو اچھا نہیں ہوتا۔ میں نے اتنی کہانیاں سنیں اتنے ناول اور قصے پڑھے جہاں تک خیال پڑتا ہے کسی ایک قصہ کو بھی مصیبت و پریشانی سے خالی نہیں پایا۔ بعض انگریزی ناولوں میں تو معاذ اللہ کیا کیا کڑیاں عاشقوں کو جھیلنی پڑی ہیں نہیں معلوم مجھ کمبخت کے نصیب میں کیا ہے مگر عشق تو ایک خیالی چیز ہے یہی وجہ ہے کہ شیخ بوعلی سینا نے اسے ایک دماغی عارضہ قرار دیا ہے عمدہ خانم کی رائے صحیح ہے اور ہر طبیعت ہی لیجانا نہیں چاہئے یہ سب تو سچ ہے مگر فرخ کا مثل ملنا بھی مشکل ہے اس سن و سال پر یہ قابلیت اور ایسی صورت نام سے عالی خاندانی بھی ٹپکتی ہے اگر کہیں ہمارے ہمجد نکلے تو غالباً ہم مذہب ہوں گے ایسا شوہر کسی کو قسمتوں سے ملتا ہے اگر فرخ نے مجھ غریب زادی سے رشتہ و پیوند نہیں پسند کیا پھر کیا کروں گی درحقیقت میں اُن کے قابل بھی نہیں ہوں نہ دولت ہے نہ ثروت ہے نہ علمی قابلیت ہے

نہ حسن ظاہری مجھ میں ہے پھر کس بات پہ وہ یہ بھیجینگے اگر وہ میرے ہمجد
ہوئے تو میرے خون اور ہڈی کو تو قبول کریں گے میری تھوڑی بہت
لیاقت علمی کو تو پسند کریں گے اعلےٰ درجہ کے تعلیم یافتہ لوگ تو دنیاوی
دولت کا چنداں خیال بھی نہیں کرتے مخصوص شادی کے ذریعہ سے مال
حاصل کرنے کو نہایت حقیر اور بُرا سمجھتے ہیں مانا میں نے کہ وہ مان گئے اور
اُن کے والدین نہ راضی ہوئے مگر نہیں شادی بیاہ کے معاملہ میں یورپ
سے تعلیم یافتہ اپنے بڑوں کو دخل دینے نہیں دیتے اور اگر کہیں اُن کی
شادی ہو چکی ہو تو بھی دریافت کرنے میں کیا مضائقہ ہے فوٹی نام ڈالکر
ایک خط لکھنا چاہیئے یا اللہ میرے دل کو کیا ہو گیا ہے پس یہی جی چاہتا ہے
کہ اخبار کے اُس صفحہ کو جہاں ان کا ذکر ہے دیکھے جاؤں (یہہ کہکر سرہانہ
کے تکیوں کے نیچے سے وہ اخبار نکالا اور تیسرے صفحہ کو بغور دیکھنا شروع
کیا ٹھنڈی سانسیں لیکر تصویر کی طرف مخاطب ہو کر پھر دل سے باتیں
کرنے لگی)

واقعی صورت کس قدر پیاری ہے چہرہ میں بانکپن ہے اور اُس کے
ساتھ متانت اور ایک قسم کی تمکنت بھی عیاں ہے اس پر سادگی اور
بھولاپن اور غضب ڈھا رہا ہے نقشہ میں تناسب کس قدر ہے صانع
حقیقی کی اعلیٰ درجہ کی صنعت کا نمونہ ہے ایلو تصویر اتروانے کے وقت
ذرا آپ متبسم بھی ہو گئے ہیں یا یہ تبسم خلقی ہو پھر تو سونے پر سہاگہ ہے۔
نہیں معلوم اس وقت یہ حضرت کس رنگ اور کس ڈھب میں ہوں گے میں

ہوں کہ اُن کے خیال میں محو ہوں۔ انھیں کیا میرا خیال ہوگا۔ نہیں نہیں یہ ناممکن ہے دل کی خبر دل کو ضرور ہوتی ہے۔ لیکن مجھ سے تو وہ واقف ہی نہیں ہیں۔ میرا وجود اُن کے لیے نہ دیدہ نہ شنیدہ پھر وہ میرا خیال کیونکر کر سکتے ہیں۔ میری وہی کیفیت ہے۔ فلک بے مہر و عالم دشمن و معشوق بے پروا + مرا برآرزو و ناز بری خندہ می آید (اخبار بند کر کے سرہانے رکھ لیا اور تکیہ پر سر رکھکر لیٹ کر) اُن کی پوری حقیقت سے واقف ہونا چاہئے مگر کیونکر نہ پتہ گھر کا ہے معلوم نہ مسکن کا نشان مگر وہ تو ایک مشہور و معروف شخص اپنے وطن میں ہوں گے۔ میرا خط بآسانی پہونچ سکتا ہے۔ مگر میرے خط کی نسبت اُن کا خیال کیا ہوگا نہیں معلوم مجھے کیا سمجھیں۔"

اس اثنا میں افتخار کی بڑی بھاوج آئی جسے وہ دیکھکر اُٹھ بیٹھی بھاوج کے اصرار پر شطرنج کھیلنے پر آمادہ ہوگئی۔ دو چار بازیاں ہونے پائی تھیں کہ تیسرے پہر کے ناشتہ کو بلائی گئی۔ ناشتہ سے فراغت کر کے خانہ باغ میں ایک ناول ہاتھ میں لیکر پڑھنے کا بہانہ کر کے ٹہلتی رہی۔ بھاوج لے گئی بار آنکر چھیڑا اور مذاق بھی کیا۔ جو کچھ جواب دیا کھسیانی سی ہنس کر دیا۔ وہ تمام کسی طرح کٹی شب کا کھانا کھانے کے بعد خواب گاہ میں داخل ہوئی پلنگ کے برابر والی میز پر جو کتابیں بکھی تھیں انھیں الٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کیا تھوڑی دیر کے بعد میز پر سے لیمپ اوٹھا کر ایک چھوٹے سے اوٹ کے پیچھے رکھکر بتی کم کر دی اور پلنگ پر آن کر لیٹ گئی اپنے بھولے

بھالے دل سے پھر باتیں شروع کیں۔ میری جو یہ حالت ہے کیا اسی کا نام عشق ہے۔ معلوم ہوتا ہے میرا دماغ کمزور ہو گیا ہے۔ یہ سارا اسی کا فتور ہے نہیں نہیں اے دل یہ تیرا قصور ہے کسی کا مصرعہ ہے۔ یارب کسی پری کا کسی پر نہ آئے دل۔ تو دل کے آنے ہی کا نام عشق ہے۔ بیشک مجھے فرخ سے عشق ہو گیا ہے۔ عشق کے مکتب میں میری آج بسم اللہ ہے + منہ سے کہتی ہوں الف دل سے نکلتی آہ ہے۔ آخر میری مشکل آسان کیونکر ہو گی۔ نہ قاصدے نہ صبائے نہ مرغ نامہ بر ہے۔ کسے زمیکشی مانی بر دخبرے۔ (آنکھوں میں کچھ آنسو بھر لاکر) کوئی نہیں جو یار کی لا دے خبر مجھے + اے سیل اشک تو ہی بہا دے ادھر مجھے۔ دنیا میں کوئی کسی کی مدد نہیں کرتا جو اپنی مدد آپ کرتا ہے وہی کامیاب ہوتا ہے۔ سب سے بہتر ہے کہ پیارے فرخ کو میں خود اپنا حال لکھوں (شرما کر) اے ہے غیر مرد کو لکھوں کیونکر مخاطب کروں تو یہ کسقدر بے غیرتی کی بات ہے اس سے تو مر جانا اچھا ہے کچھ کھا کر سو رہوں تو جھگڑا پاک ہو جائے۔ عمدہ خانم نے جس لڑکی کا قصہ کہا اوس کو اوس کے نمک حرام ملازم نے سنکھیا کھلوا دی تھی اُس کا خاتمہ بخیر ہوا۔ مجھے تو کوئی سنکھیا کھلانے والا بھی نہیں کھلانے والا تو ایک طرف لا دینے والا تک نہیں۔ (خوب رو کر اور چونک کر) میرے دلکی حرکت کچھ عجیب طرح کی معلوم ہوتی ہے۔ یا مجھ سے وہ ملے یا میرے دلکو تاب ہو۔ قسمت کا جو لکھا ہے اٹھی شتاب ہو۔ یہ معمہ حل کیونکر ہو سکتا ہے جب تک میں خود نہ لکھوں۔ فرخ کو الہام ہونے سے رہا اگر یہی صحبت

کروں تو بیری وفعت اون کی نظروں میں کیا ہوگی" اس کے بعد اس پر غنودگی طاری ہوگئی۔ یہ کہتے کہتے آنکھ لگ گئی "کچھ ہی سرخ ال ک۔ یں۔ ایں۔ میں تو لکھ کہوں۔

دوسرا باب

افتخار دوسرے دن صبح کو حسب معمول صبح کی نماز و تلاوت قرآن و فاتحہ سے فراغت کرکے اپنے باپ سے عربی کا سبق لیکر اوٹھا ہی چاہتی تھی کہ مسز مہری آئی اس کے ساتھ افتخار اپنے کمرہ میں چلی گئی۔ مسز مہری کو افتخار کے کمرہ میں جاتے دیکھکر عمدہ خانم جو ایک مقام پر بیٹھی ہوئی چھالیہ کتر رہی تھی اپنی جگہ سے اُٹھی اور اون دونوں کے پیچھے پیچھے ہوئی کمرہ کے اندر داخل ہوتے ہی عمدہ خانم بڑے شوق سے بولی "کیوں بیم صاحب آپ کل کا وعدہ پورا کریں گی"؟

مسز مہری جو خالی الذہن تھی ذرا چونک کر "ہم کیا بات کا وعدہ کیا تھا" عمدہ خانم "اُسے ہے لو ایک ہی دن میں بھول گئیں ولایت کا قصہ کہنے کو کل آپنے نہیں کہا تھا۔

مسز مہری۔ (مسکرا کر) "ہم سمجھا ہم سمجھا اچھا بولیگا بیگم کو سبک ڈے لے"

عمدہ خانم "بیم صاحب آج ایک دن سبق نہیں پڑہائیگا تو کیا ہوگا"

افتخار۔ (مسز مہری سے مخاطب ہوکر) عمدہ خانم کی خاطر سے آج میں سبق نہیں

پڑتی کہیں اُن کا شوق تو پورا ہو میری طبیعت پر بھی ذرا بار ہے۔
عمدہ خانم۔ "اس مفت کرم داشتن کی بھی ایک ہوئی قصہ سننے کو جی تو اپنا چاہئے اور احسان میرے بڈھے جونڈے پہ رکھا جاتا ہے (مسز ہنری سے مخاطب ہوکر) میم صاحب آپ اپنا قصہ شروع کیجئے"
مسز ہنری۔ "ہمارا کوئی قصہ نہیں ہے ہم ڈوسرے آدمی کا بولیگا (افتخار سے مخاطب ہوکر) بیگم ہم بولے"

مسز ہنری نے قصہ شروع کیا

ڈیون شایر میں جو ہمارا ڈیس ہے ایک گاؤں بلیکوٹن کے نام سے چلتا ہے ہوان کا اسکوبر میرجوں فیر ایک بہت روپیہ والا صاحب تھا میرجوں شکار بہت پسند کرتا وہ شادی کا ایک سال بعد آفریکہ گریٹ مارنے شوک میں چلا گیا۔ لیڈی میر کو گھر میں رہنے کے لیے بولا۔ لیڈی فیر اچھا بی بی تھا اُس کا سنگھاٹ جانے کو ٹکرار نہیں کرا گھر میں رہنے کو راضی ہوا"
مسز ہنری اتنا کہنے پائی تھی کہ عمدہ خانم افتخار سے مخاطب ہوکر بولی "خدا کی سنوار اس اردو پر اور ہزار پھٹکار اس قصہ گوئی پر میں ایک لفظ جو سمجھی ہوں تو جیسی جی چاہے قسم لے لو"
مسز ہنری جو اس جملہ کو کچھ سمجھی اور کچھ نہیں سمجھی۔ ذرا تیور بدل کر بولی۔ آپ کیا بات بولا کہا نم صاحب ہمارا ہندوستانی آپ کو سمجھ نہیں پڑتا

بیگم سمجھتا ہے"

عمدہ خانم۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ یوں تو میں آپ کی اُردو سمجھ لیتی ہوں مگر کبھی میں نے آپ سے کوئی طویل تقریر نہیں سنی اس لیے خلاف عادت اس قصہ کے سمجھنے میں دقت ہوئی ہے"

مسز ہنری۔ "اچھا تو ہم نہیں بولیگا آپکے بولنے پر ہم شروع کیا تھا"

افتخار۔ "نہیں۔ نہیں آپ ضرور کہیئے میری طبیعت اودھر ہی لگی ہے"

مسز ہنری نے افتخار سے انگریزی میں کہا کہ آپ کی خاطر سے میں انگریزی میں کہوں گی میری ہندوستانی تو (عمدہ خانم کی طرف اشارہ کرکے) یہ سمجھتی نہیں ہیں پھر اردو میں کہنے کی کیا ضرورت ہے۔

عمدہ خانم۔ (افتخار سے مخاطب ہوکر) "اس گٹ پٹ گٹ پٹ کی نہیں سہی اچھی باتیں سب میرے لئے بری باتیں سب تمہارے لیئے"

مسز ہنری۔ "ہملوگ آپ کو بُرا بات نہیں بولتا۔ ہم نے بیگم بولا ہم کو صاف ضرور کہیے ہم بولا ہمارا ہنڈوستانی بات کہا نم صاحب نہیں سمجھتا تو فایدہ کا بات نہیں ہنڈوستانی میں بولنا انگریزی میں بولیگا۔ آپ بُرا مٹ مانو"

عمدہ خانم۔ "اچھا تو آپ انگریزی میں کہیئے میں بیگم سے اس کا ترجمہ کسی وقت سن لوں گی"

افتخار۔ "جی بجا ارشاد ہوا۔ بیگم کو مترجمی کی خدمت آپ کی سرکار فیض آثار نے کب سے مرحمت فرمائی"

عمدہ خانم۔ "یہ میں کب کہتی ہوں کہ مجھ دکھیاری نے مترجمی کی خدمت پر

آپ کو مقرر کیا ہے اسی لایق ہوتی تو بھلے دن تھے نہ۔ مجھکو نہ سنانا خود ہی سن لو"

افتخار۔ (مسکراکر) غصہ تو سلامتی سے آپ کی ناک پہ ہر وقت سوار رہتا ہے۔ ذری جنبش ہوئی کہ نتھنون کی راہ دماغ میں پہنچا۔ (مسز نہری سے مخاطب ہوکر) یہ تو یونہی بکتی رہین گی آپ قصہ کہئے"

مسز نہری نے انگریزی میں کوئی ڈیڑھ دو گھنٹہ میں قصہ ختم کیا اور بغیر سلیق دیے رخصت ہوئی۔ جب وہ جاچکی تو عمدہ خانم جو چپکی بیٹھی دونون کا منھ تک رہی اور چھالیا کتر رہی تھی افتخار سے بولی "کیون بیگم وہ قصہ مجھے سنا دے گی۔ مجھے تو کچھہ دلچسپ و مزیدار معلوم ہوتا ہے کیونکہ تم بہت غور سے سن رہی تھیں اخیر میں کچھہ خطرناک واقعات بھی ہیں تمھارے چہرے کو میں دیکھہ رہی تھی۔ ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا"

افتخار۔ تمھارے قصہ سے بھلا جی ڈرتا ہے اچھا لو سناتی ہوں تم بھی کہو گی یاد کروگی (پھر آپ ہی آپ) واقعی مسز نہری کی قوت گویائی کس قدر زبردست ہے ذری ذری چیز کی تفصیلی حالت کس خوبی و فصاحت سے بیان کی جیسے کوئی عمدہ مصنف کی تصنیف پڑھتا ہو (عمدہ خانم کی طرف مخاطب ہو) کہنے کو تو کہتی ہوں مگر تر جمہ میں وہ لطف نہ آئیگا لو سنو"

افتخار نے قصہ شروع کیا

انگلستان کا ملک چالیس کونٹیون یعنے اضلاع پر منقسم ہے منجملہ جن کے

ڈیون شائر ایک کونٹی کا نام ہے وہاں ایک گانوں بلیگوئن کے نام سے مشہور ہے۔ اُس گانوں کے اسکوئر یعنے زمیندار کلاں کا نام سرجون فیرتھا عمدہ خانم (جلدی سے) اچھی! یہ سرکیا؟ دنیا میں لوگ بے سر کے ہوتے ہیں یا اُس موے فرنگی کا دنیا سے انوکھا سر تھا جو نام کے ساتھ دم چھلا لگا یا گیا یا اُس کے نام کا کوئی جز ہے؟

افتخار۔ (ذرا چڑ کر) اگر تم اسی طرح دخل در معقولات دو گی تو میں قصہ کہہ چکی اور تم سن چکیں میں ایسا قصہ سنانے سے باز آئی۔ اگر تمھیں اپنی معلومات و تحقیقات بڑھانی ہے تو خدا کے لئے کسی دوسرے وقت کے لیئے رکھ چھوڑو۔ سر انگریزی زبان کا بھی ایک لفظ ہے جس کے لغوی معنی صاحب کے ہیں اور اصطلاحی ایک خاص درجہ کا خطاب ہوتا ہے جیسے خاں بہادر اس دفعہ تمھاری خاطر سے میں نے بتلا دیا اب نہیں بتاؤں گی۔ اس قصہ میں بہت سے الفاظ فیرانوس تم سنو گی مگر للہ کوئی نہیں بتسلسل میں فرق آنے سے ایک تو قصہ کا لطف چلا جاتا ہے دوسرے وقت کا مفت خون ہوتا ہے اگر تم حتمی وعدہ کرو کہ قصہ ختم ہونے تک تمھارے منھ سے ایک لفظ نہیں نکلیگا تب تو کہتی ہوں ورنہ میرا سلام۔

عمدہ خانم۔ "تو جا ہندی کیوں ہوتی ہو ایلو توبہ کرتی ہوں جواب سے ایک حرف بھی نکالوں"

افتخار نے پھر قصہ شروع کیا۔

شادی کے ایک سال کے بعد سرجون فیر کو ایک خاص قسم کے جانوروں کے

شکار کا شوق پیدا ہوا اور اس غرض سے وہ افلیم افریقہ گیا۔ افریقہ وہ مقام ہے جہاں سے حبشی آتے ہیں افریقہ جانے کے بعد بیوی سے چندے خط و کتابت جاری رکھی پھر ایک قلم مراسلت بند کر دی۔

فیر صاحب کی بیوی جو بالطبع ایک نیک نفس عورت تھی اپنے پیارے شوہر کی یاد میں ایک عرصہ تک جوگن بنی رہی نہ کہیں جانا نہ کہیں آنا حتیٰ کہ دوستوں کے اصرار پر بھی کہیں دعوت میں اس خوف سے نہیں جاتی تھی کہ مبادا کوئی جھوٹی تہمت نہ لگا دے کیونکہ ایک نوجوان دوسری حسین اس پر شوہر سے جدا انگریزی سوسائیٹیوں (صحبتوں) میں مختلف خصایل و امزجہ کے مرد و عورت کا اجتماع ہوتا ہے بہتان بازی جن کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے اس خیال سے اور بھی بالکل خانہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ ہوا خوری کی غرض سے وہ موضع کوٹمبری جو اس کے مکان سے پاؤ میل کے فاصلہ پر تھا ٹہلتے ٹہلتے جا نکلی۔ اس موضع کے جنوبی حصہ میں جہاں کہ بہت ہی کہنہ ایک بہت بلند مینار بھی تھا اس کی حقیقت یہ تھی کہ فیر صاحب کے دادا علاوہ اسکوئر ہونے کے انگریزی فوج کے ایک بہت نامی جنرل بھی تھے جو واٹرلو کی لڑائی میں مارے گئے تھے یہ مینار انکی رعایا نے اُن کی ولادت کے مقام پر تعمیر کیا تھا۔ گو فیر صاحب کی میم کا اس مقام پر پہلے بھی بارہا گذر ہوا تھا مگر کبھی اس مینار کے اندر سے ہو کر سر پر نہیں گئی تھی اس دفعہ اتفاق سے اُس کا دروازہ

کھلا پایا۔ مینار کے سرے پر جانے کا اسے خیال آیا اور فوراً چکر دار سیڑھیوں پر سے ہوتی ہوئی اوپر پہونچی وہاں بیس اکیس برس کے ایک حسین مرد پر اُس کی یکایک نظر پڑی جسے دیکھتے ہی وہ ششدر و دنگ ہوگئی کچھ تو اس خیال سے کہ اس مقام پر اُس نے ایک انسان کو خلاف توقع دیکھا اور کچھ بلحاظ اس کے حُسن لاثانی کے۔ ادھر اُس جوان کی حالت بھی قریب قریب اسی کے تھی۔ چند منٹ کے لئے انتہا سکوت کے بعد اُس نوجوان نے فیر صاحب کی مہیم کو سلام کیا۔ سلام کا جواب دے کر فیر صاحب کی مہیم نے کہا۔ "کیا میں یہ معلوم کر سکتی ہوں کہ مجھے اس وقت کس کے سلام لینے کا شرف حاصل ہوا اور نیز یہ کہ میرے سامنے جو صاحب کھڑے ہیں اُن کے یہاں آنے کا سبب اور وہ بھی بغیر میری اجازت کے کیا ہے؟ مجھے یہ معلوم کرا دینا چاہیے کہ جہاں اس وقت ہم لوگ کھڑے ہیں وہ میری ملک ہے"۔

نوجوان۔ مودبانہ آداب بجا لاکر بولا۔ "معاف فرمائیے مجھے معلوم نہ تھا۔ کہ لیڈی فیر کو آداب بجا لانے و مخاطب کرنے کا اعزاز مجھے حاصل ہوا۔ میرے روشناس نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بچپنے سے اپنے وطن سے علیحدہ تھا۔ ابھی دو مہینے بھی نہیں ہوئے کہ مدرسہ سے فراغت پاکر یہاں آیا ہوں میرا نام سڈنی کلینٹس ہے میرے والد ریورنڈ جیمس کلینٹس یہاں کے سابق کیوریٹ[1] تھے گستاخی معاف مجھے یہاں آنے کے

[1] پادری کا عہدہ۔

آپ کی اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے جس کا سبب یہ ہے کہ گو آپ کے شوہر کے والد سر ڈیوڈ فیر نے اس مینار کی نگرانی کی خدمت میرے نانا کے تفویض نسلاً بعد نسلاً کی تھی میرے نانا کوئی اولاد از قسم ذکور نہیں چھوڑ کر مرے اس لیے میں اُن کا قایم مقام قانونی ہوں یہ دوربین جو آپ کے سامنے ہے میری نصب کی ہوئی ہے میں علم ہیئت کا طالب العلم ہوں میں خیال کرتا ہوں کہ آپ کی خاطر اقدس کا اطمینان میرے [illegible] جوابات سے کر دیا۔"

لیڈی فیر (خفیف سے تبسم کے ساتھ) "اگر ایسا ہے تو جو فراحت میں نے کی اس کی معافی چاہتی ہوں۔ کیا آپ اکثر یہاں آیا کرتے ہیں مسٹر کلیمنٹس؟"

سڈنی کلیمنٹس۔ "سوا اُن اوقات کے جو میرے ضروریات میں صرف ہوتے ہیں ہمہ وقت یہیں رہتا ہوں۔"

لیڈی فیر۔ "نظام شمسی کی حقیقت اس دوربین سے بخوبی معلوم ہوتی ہوگی میں اگر دیکھوں تو مجھے کچھ معلوم ہوگا؟"

کلیمنٹس۔ "باعتبار دن کے شب کا وقت زیادہ موزوں ہے اگر کسی شب کو زحمت گوارا فرما کر تشریف لائیں تو میں بہت ہی دلچسپ باتیں کواکب اور سیاروں کے متعلق عرض کروں گا۔"

لیڈی فیر۔ (جس کے چہرہ سے خوشی کے آثار نمایاں تھے) "میں ضرور کسی شب کو آؤں گی بشرطیکہ آپ کو تکلیف نہ ہو مجھے افسوس ہے کہ میں اس وقت مخل اوقات ہوئی۔"

اس قدر گفتگو کے بعد فیر صاحب کی ہیم رخصت ہو کر اپنے گھر کو چلی آئی۔
مگر دونوں ایک دوسرے کے تیر عشق کے گھایل ہو گئے۔ ادھر لیڈی فیر
کلینٹس کو یوسف ثانی سمجھکر اُس پر فریفتہ ہو گئی اور ادھر کلینٹس اس رشک
قمر لیڈی فیر کے تیاست زا حسن و محشر خیز اداؤں کا دلدادہ و فدائی ہو گیا
مگر لیڈی فیر نے اپنے جذبات کو دو سببوں سے بہت روکنا چاہا ایک تو
یہ کہ وہ ایک شخص کی بی بی تھی دوسرے یہ کہ سڈنی کلینٹس بلحاظ دنیاوی
مدارج و مراتب کے لیڈی فیر کا ہمسر و ہمرتبہ نہ تھا کیونکہ یہ ایک غریب پادری
کا بیٹا اور ایک معمولی کاشتکار کا نواسہ تھا اس لیے لیڈی فیر نے اپنے دل
اُس دن بہت لعنت و ملامت کی مگر اُس کا بیقرار اور مچلنے والا دل اور
نہ رکنے والے جذبات لیڈی فیر کے معقولی ادراک کو کب ماننے لگے تھے
پورے تین دن بھی نہیں گزرے تھے کہ تیسری شب کو دوربیں کے وعدہ
کے خیال نے جن کے ایفار کے لیے اس کا جوشیلا و مجبور دل ہر لمحہ متقاضی تھا
لیڈی فیر کو سڈنی کلینٹس سے ملنے کے لیے آمادہ کر کے چھوڑا گو اُس نے اپنے
خیال کو بھی روکنے کی بہتیری کوشش کی اور اپنے اُبھارنے والے دل کو معقول
دلیلوں سے بہت کچھ سمجھایا مگر ہٹیلے دل نے ایک نہ سنی۔ آخر لیڈی فیر
مضطربانہ اوٹھی اور مینار کی طرف روانہ ہو گئی۔ عاشقوں کی دوبارہ ملاقات
کا عجیب و غریب ڈھنگ اور نرالا رنگ تھا۔ کلینٹس جس کے بھولے اور کمسن
دل پر یہ پہلا وار حضرت عشق کی عنایت کا تھا اور جو ابھی دنیا کے کوچہ سے
بالکل نابلد تھا کچھ سہما ہوا کچھ یاہوا لجایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ کچھ تو بچپن کی کم سنی

وکم عمر ہونے کے اور کچھ لیڈی فیر کے فتنہ گر حسن سے مرعوب ہو کر لیڈی فیر
کی باتوں کا جو جواب بھی دیتا تو دھورا دھورا وہ بھی آنکھیں نیچی کر کے
اور دھیمی آواز سے۔ نکات علم ہیئت کا سمجھانا تو رہا بالائے طاق معمولی باتیں
کرنے میں بھی اُسے تکلف ہو رہا تھا لیڈی فیر جو مرحوم فیر کے کورٹ شپ
کے زمانہ میں رموز عشق سے تھوڑا بہت واقف ہو چکی تھی اس لیے ایک
حد تک ایک تجربہ کار عاشق تھی کچھ خوش کچھ بیقرار کچھ حیران کچھ متفکر
نظر آتی تھی اس کی یہ کیفیتیں اس کے حالات مخصوصہ کے لحاظ سے تھیں
دوربین کا دیکھنا دیکھانا تو اس شب کو کچھ نہ ہو سکا۔ لیڈی فیر نے بھی
جوسٹن کلینٹس کی کیفیت کو بھانپ لیا تھا۔ کوئی اصرار نہیں کیا اور یہ کہکر
کہ پھر کسی شب کو باطمینان آن کر سیاروں کی حالت کا مشاہدہ کروں گی۔
رخصت ہو کر چلی آئی اس ملاقات و دیدہ بازی کے بعد سے اس مینار
پر لیڈی فیر جس کا اصل مقصود کلینٹس کو دیکھنے سے تھا سیاروں کی کیفیت
مشاہدہ کرنے کے بہانہ سے برابر جایا کی تخمیناً ایک مہینا اسی طرح گزرا
ان ملاقاتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ وصال یار سے دونا ہوا عشق و مرض
بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ اسی اثنا میں سٹن کلینٹس شدت
سے علیل ہو گیا حالت اُس کی قریب بہ مرگ پہونچی۔ لیڈی فیر کو جب یہ
خبر و کیفیت معلوم ہوئی تو بالالتزام اپنے اعلیٰ رتبہ کے کلینٹس کے دیکھنے کے
لیے اُس کے گھر چلی گئی۔ ہمسایہ والے تو اپنی جگہ پر الگ متحیر ہوئے خود
کلینٹس کی بوڑھی نانی کا استعجاب بے پایاں تھا۔ مریض کی روی حالت

یکھکر لیڈی فیر کے آنسوؤں کے تار بندھ گئے گو سڈنی کلینٹس پر ایک
گونہ بدحواسی طاری تھی مگر لیڈی فیر کی بے قراری و زاری اُس سے
بوشیدہ نہ رہ سکی اُس کو روتا دیکھکر اُس کا دل بھی اندر سے ایسا ہلگیا
کہ اُس نے آنسوؤں کا جواب آنسوؤں میں دیا۔ کلینٹس کے زمانہ علالت
میں کئی بار لیڈی فیر اس کے دیکھنے کو گئی غالباً جمال معشوق کے دیدار سے
سڈنی کلینٹس میں ایسی حلاوت تجنسی کہ اُس کا تن نیمجاں بہت جلد چاق
و تنومند ہو گیا چند دنوں میں جب ناتوانی زائیل ہو گئی سڈنی
کلینٹس اس بہار پر کسب کمال کی غرض سے پھر آموجود ہوا لیڈی فیر نے
بھی اپنی آمد و رفت اس بہار پر شروع کر دی تیسرے چوتھے برابر جاتی رہی
اس کیفیت میں چھ سات مہینے کا عرصہ گزر گیا۔ باوجودیکہ ایک دوسرے
کا عاشق زار تھا۔ مگر حرف مطلب اس عرصہ مدت میں کوئی زبان تک
نہ لایا اسی اثنار میں ایک دن سرجون فیر کا اٹرنی لندن سے آیا اور اس نے
سرجون کے مرنے کی خبر سنا کر وصیت نامہ متوفی کے موجب ساری جایداد
و متروکہ کا انتظام کیا۔ لیڈی فیر پر اس کے شوہر کے مرگ کی خبر نے کچھ زیادہ
اثر نہیں کیا۔ گو دنیا کے دکھانے کے لیے اپنے قومی رواج کے موافق
اُس نے رنڈ سالا اور سیاہ ماتمی لباس پہن لیا تھا۔ کلینٹس کو اس خبر
نے فطرتاً بہت مسرور کیا مگر اس مسرت کا اظہار لیڈی فیر کے سامنے مصلحتاً
یا اخلاقاً اُس نے نامناسب سمجھا۔ جب اس واقعہ کو چند دن گذر چکے
تو ایک دن ہمت کر کے کلینٹس نے لیڈی فیر پر اپنا دلی مدعا ظاہر کیا اور

صاف لفظوں میں کہدیا کہ اگر تم مجھ سے شادی نہ کروگی تو میں اپنی جان دیدوں گا۔ لیڈی فیر نے جواب شافی دینے کے لیے دو دن کی مہلت بدقت حاصل کی۔ گو شوہر کے مرنے کی خبر پاکر اپنے تئیں آزاد و خود مختار سمجھتی تھی اور باوجودیکہ اپنے پیارے کلینٹس کو اپنے دل و جان کا مالک اور اپنے دین و مذہب کا پیشوا و ہادی تصور کرتی تھی بلکہ اپنی مرضی کا اسکو مختار جانتی تھی مگر اس سے عقد نکاح کرکے رشتہ و پیوند قایم کرنے کو قانون سوسائٹی کے خلاف سمجھکر اُس کا دل کوسوں پیچھے ہٹتا تھا۔ گو وہ ایک خانہ نشین عورت تھی مگر اپنے شوہر کے ہاتھوں ایسی بن گئی تھی اس کے سننے بہ نہ تھے کہ عمر بھر شریک سوسائٹی ہونے کی اُس نے قسم کھالی تھی۔ لیڈی فیر کو یہہ معلوم تھا کہ ؎ مقام عشق میں شاہ و گدا کا ایک رتبہ ہے زلیخا ہر گلی کوچہ میں یے توقیر پھرتی ہے۔ مگر اس کی تعلیم و تربیت نے اس کے قوائے عقلی اس درجہ مضبوط و مستحکم کر رکھے تھے کہ پہروں اسکے نفس و دل سے مناظرے ہوتے اور تقاضائے جذبات نفسانی کو وہ روکتی۔ وہ ایک عالی خاندان پوتڑوں کی امیرزادی اور ایک امیرابن امیر کی بیوی تھی ایک گمنام معمولی درجہ کے پادری کے عسرت زدہ بیٹے کو جس نے دنیا میں اُس وقت تک کوئی نام و نشان بھی پیدا نہیں کیا تھا اپنا شوہر بنا کر کلنگ کا ٹیکہ لگانا اور سوسائٹی کی نظروں میں عمر بھر کے لیے اپنے آپ کو ایک خار بنانا کس طرح پسند کرتی"۔

عمدہ خاتم جو اس وقت تک مثل تصویر خاموش تھی ندامت آمیز لہجہ میں

بول اٹھی۔

"بیگم تمہارے صدقہ گئی ذرا مجھے ایک لفظ پوچھ لینے دو "یہ قانون سائٹی (سوسائٹی) نگوڑا کیسا قانون ہے جو خلاف احکام خدا و رسول فرنگنوں کو دوبارہ نکاح کرنے نہیں دیتا"

افتخار۔ (بیساختگی کی ہنسی کو روک کر) "تم نے تو ابھی توبہ کی تھی اور وعدہ واثق کیا تھا کہ قصہ ختم ہونے تک ایک بھی حرف تمہاری زبان سے نہیں نکلنے کا پھر یہ عہد شکنی کیسی"؟

عمدہ خانم۔ "میں نے یہ کب کہا کہ میں فرشتہ ہوں مادہ سہو و خطا ہر انسان کے خمیر میں ہے۔ میں نے اپنا وعدہ یاد نہ رکھا تو کون سی ایسی بڑی خطا کی جو قابل درگذر نہیں جس پر سے عہد شکنی کا الزام مجھ پر لگایا جاتا ہے۔ ایک اجنبی لنجب خیر قانون کو دریافت کرنے کے لئے بے ساختہ میرا دل تڑپ گیا تو اتنا منہ سے چھوٹی"

افتخار۔ "چونکہ تم نے اپنی خطا کا اعتراف کر کے انفعال ظاہر کیا اور اپنی جبلی ہٹ دھرمی کو کام میں نہیں لائیں اس لیے مجھے بھی تمہاری خاطر شکنی نہیں کرنی چاہیئے"

عمدہ خانم۔ (افتخار کی بلائیں لیکر) "اے میری خاطر رکھنے والی تم جگ جگ جیو! ہاں تو اس قانون کا کیا مطلب ہے"

افتخار۔ "قانون سوسائٹی سے غرض سوسائٹی کے قاعدے سوسائٹی کے حقیقی و لفظی معنے صحبت کے ہیں اور اصطلاحی معنی صحبت کے لوگ

ہمجلیس اپنے ہم جم۔ برابر والے جن سے ہمیشہ ملنا جلنا پڑتا ہے انگلستان میں سوسائٹی کے لفظ سے مطلب طبقہ امرا بھی ہے۔ ان لوگوں نے ضوابط و آداب مجلس قایم کر رکھے ہیں جو روزمرہ کی معاشرت میں بڑی پابندی کے ساتھ برتے جاتے ہیں مثلاً ایک بڑے درجہ کا امیر کسی غریب کو اپنے ہاں کھانے کی دعوت میں مدعو کرے یا ایسے شخص کے ساتھ کسی شخص ثالث کے مکان میں ایک میز پر کھانا کھانا پسند نہیں کرے گا۔

ایک نجیب الطرفین امیرزادہ کسی مجہول النسب لڑکی سے شادی ہرگز نہیں کرے گا۔ یا ایک امیرزادی کسی غریب زادہ کو اپنا شوہر نہیں بنائے گی۔ کوئی امیر بیاہا ہو یا کنوارا ابر ملا کسبنوں کے کمروں پر مارا مارا نہیں پھرے گا ایک بیوی رہتے ہوئے دوسرا نکاح نہیں کرے گا یا بیوی کو بنا کر داشتہ نہیں رکھیگا وہاں کے امیروں کے پاس خواصیں اور حرمیں جیسا ہمارے مشرقی ملک کے اکثر امیروں کے پاس رہتی ہیں ہرگز نہیں رہ سکتیں اسی طرح اور سینکڑوں باتیں ہیں آداب مجلس کی مثالیں یہی بے گنتی ہیں مگر اس مقام پر بے محل وغیر متعلق ہیں۔ ان ضوابط کی پابندی بڑی سختی کے ساتھ کرنی پڑتی ہے جس طرح ہندوستان کے ہندو ذات میں رہنے کے لیے ہزاروں قاعدوں کے پابند ہیں اس میں شک نہیں بہت سے قاعدے اور آداب سوسائٹی کے حماقت بھرے بھی ہیں مگر مجموعی حیثیت سے اُن کا اثر خیر زائد سوسائٹی کے حق میں بہت مفید ہے کیونکہ اس اخلاقی دباؤ سے دولت مند بہت سی برائیوں سے بچتے ہیں ورنہ اُن کی حالت بھی

مثل یہاں کے اکثر مسلمان امرا کی حالت کے قابل تاسف و لایق حقارت
ہو جائے جن کو نہ اچھے خون سے غرض ہے نہ غیرت حقیقی سے مطلب ہے
نہ لوگوں کی نکتہ چینی کی پروا۔ لڑکی اگر شریف الخاندان و نجیب الطرفین
ہوئی بھی تو بخیال دنیاوی دولت و ثروت کے ایک ایسے نالایق لڑکے
کے حوالہ کر دی جاتی ہے جو بالکل مجہول النسب جاہل محض اور بیوی گھر
میں موجود ہوتے ہوئے خالہ جان پھوپی جان کی دی ہوئیں دو چار
خواصیں بھی بی بی کی جان کو رو رہی ہیں اس پر مستزاد دو تین کنیزیں
بھی میاں نے ڈال رکھی ہیں اور یہ سب بحیثیت جانوروں کے ایک
ہی پنجرے یا کٹگھرے میں بند پڑی رہتی ہیں طرہ تو یہ ہے کہ دوسرے
خوش وضع شرفا و معززین الیسوں کو ذلیل بھی نہیں سمجھتے۔ ایسے
مجہول النسب اور بدچلن گروہ کے اراکین لالوں کے لال بنے ہوئے
مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے ہر صحبت و جلسہ میں بڑے ٹھسوں سے
دندناتے اور اکڑتے پھرتے ہیں کوئی اس کا خیال و انسداد کرنیوالا
نہیں نہیں معلوم ہماری قوم میں سے غیرت کیا ہو گئی خالی لمبی چوڑی
جھوٹی شیخیاں رہ گئی ہیں یہ سارا فساد قومی جہالت کا ہے اگر علم ہوتا تو
سوسائٹی کے ضوابط بھی مقرر کیے جاتے اور اُن کی پابندی بھی ہوتی
پھر تو سینکڑوں برائیاں از خود دور ہوتی جاتیں۔ تو بہ میں بھی کیا آدمی
ہوں کہاں سے کہاں پہنچی کیا کہوں ہماری قوم کے کرتوتوں نے
میرے دل کو بیکار کر چھوڑا کر دیا ہے کہ چھیڑنے کی دیر تھی یا یوں سمجھو کہ بھری

بیٹی تھی اُبل پڑی۔ ہاں یہ تو میں کہنا ہی بھول گئی کہ انگلستان کے باشندے فرنگی نہیں انگریز کہلاتے ہیں فرنگستان یعنے فرانس کے ویسی لوگ فرنگی ہیں۔ یہ دونوں قومیں عیسائی ہیں ہمارے پیغمبر کو نہیں مانتے جو اُن پر احکام رسول کی پابندی فرض ہو قطع نظر اس کے اُن کے مذہبی احکام کی رو سے بھی ایک شوہر کے مرجانے کے بعد دوبارہ شادی منع نہیں ہے۔ اسی طرح ہمارے مذہب اسلام میں بھی ممنوع نہیں ہے مگر ہند کے رواج نے مٹی پلید کر رکھی ہے ایک رات کی بیاہی دلہن کو شوہر کے مرجانے پر عمر بھر بغیر دوسرے عقد کے بٹھا رکھتے ہیں اور اُس پر فخر کرتے ہیں یہہ نہیں جانتے کہ کتنا بڑا ظلم ہے اور کس قدر خلاف فطرت فعل ہے جس کے نتائج بعض اوقات کس قدر شرمناک نکلتے ہیں۔ مگر ہم لوگوں کو اس کی بھی شرم نہیں۔ یہ تو ہوتا ہی رہے گا قصہ سنو لیڈی فیر نے جو دو دن کی مہلت کلینٹس سے جواب دینے کے لیے مانگی تھی تو اسی اُدھیڑ بُن میں تھی کہ کیا کرے کیا نہ کرے ایک طرف سوسائٹی کے خیال کا دباؤ دوسری طرف حضرت دل کا تقاضا کبھی یہہ بھی خیال آتا تھا کہ شادی کے بعد کلینٹس افکار خانہ داری و فکر معاش میں مبتلا ہو کر تحصیل و تکمیل کمال سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ اگر ایسا ہوا تو ایک ہونہار اور تحیر معمولی قابلیتوں کے طالب العلم کے حق میں بس بونا اور ملک و قوم کا گنہگار بننا ہے غرض دو دن کامل لیڈی فیر انھیں مخمصوں اور کشمکش میں مری بالآخر بلحاظ کلینٹس کی شرافت و کمال لیاقت

مزاج کے اور خیال اُس کی بے غایت محبت کے اس عقدہ لاینحل کا تصفیہ
یوں کیا کہ عقد کلینٹس سے بوشیدہ طور پر کرلے مگر ان شرطوں کے ساتھ
کہ چار سال تک زن وشوہر میں کسی قسم کا دنیاوی تعلق نہ ہونے پاوے
اور چار سال کے عرصہ میں کلینٹس دل توڑ کر اس کی کوشش کرے کہ
وہ دنیا میں علم ہیت کا ایک جید اور مشہور عالم ہو۔ دو دن جب گذر چکے
تو کلینٹس جو انتظار میں گھڑیاں گن رہا تھا جس کو دو دن دو برس سے
زیادہ گراں اور کٹھن معلوم ہوئے لیڈی فیر سے جواب طلب کرنے کے لئے
آیا۔ لیڈی فیر نے اپنے فیصلہ سے اُس کو مطلع کیا۔ جواب گو مشروط تھا
مگر اثبات میں تھا اس لیئے کلینٹس کی حالت بعینہ ایسی ہوئی جیسے
سوکھے دھانوں میں پانی پڑا مگر اُس نے شرطوں میں ترمیم چاہی لیڈی
فیر نے ایک نہ سنی آخر بادل نخواستہ اپنے محبوب کے فیصلہ کو تسلیم کرنیکے سوا
اور کچھ نہ بن پڑی دونوں کی آپس میں یہ صلاح ٹھہری کہ مقام ڈارٹ متھ
کے گرجے میں بذریعہ لائسنس کے عقد پڑھوائیں۔ ڈارٹ متھ ایک چھوٹی
سی بستی لب دریائے ڈارٹ بلیکوٹن سے دس بارہ مائیل کے فاصلہ
پر واقع ہے از روئے قاعدہ کم از کم پندرہ روز کی سکونت فریقین میں سے
کسی ایک کو وہاں اختیار کرنی لازمی تھی اس لیے مشورہ باہمی میں یہ بھی
قرار پایا کہ لیڈی فیر پندرہ روز کے لئے ڈارٹ متھ جاکر کسی ہوٹل میں
اُتر پڑے اور کلینٹس بروز نکاح علی الصباح وہاں پہونچے چنانچہ لیڈی فیر
اس مشورے کے دوسرے ہی دن ڈارٹ متھ چلی گئی۔ اور وہاں پہونچکر

۱؎ قسم سلسلہ۔

اُس نے اُس ہوٹل کا پتہ جس میں وہ اتری تھی کلینمنٹس کے پاس بھیجدیا۔
کلینمنٹس نے یہ پندرہ دن کسی طرح خدا خدا کر کے گزارے۔ جس دن بغرض عقد
نکاح وہ ڈارٹ تھ روانہ ہونے کو تھا کہ ایک خط اُس کے پاس لندن سے
آیا یہ خط لندن کے ایک سولسٹر[1] کا بھیجا ہوا تھا جس میں ایک اور خط ملفوف
تھا سولیسٹر والے خط کے ساتھ جو خط اس کے پاس آیا وہ اُس کے چچا نے
قبل اپنے مرنے کے لکھکر اپنے سولسٹر کے پاس بھیجدیا تھا اور یہ وصیت کی
تھی کہ اس کے مرنے کے بعد وہ خط اُس کے بھتیجے کے پاس بھجوایا جائے
چنانچہ ایسا ہی کیا گیا خط لکھنے والے چچا کا اُس نے صرف نام ہی سنا تھا کلینمنٹس
کے چچا کے خط کا مضمون و مفہوم یہ تھا۔

میرے پیارے سٹفنی۔ تم نے اپنے باپ سے میرا نام سنا ہوگا۔ میں
تمھارا حقیقی چچا ہوں میں کم سنی میں وطن چھوڑ کر امریکہ چلا آیا تھا اور ڈاکٹری
کے ذریعہ سے میں نے تھوڑی بہت دولت حاصل کی بوجہ شادی نہ
کرنے کے میں لاولد مروں گا۔ میں نے اپنی دولت کا بڑا حصہ اپنے پیارے
وطن لندن کے صیغہ تعلیمات میں صرف کرنے کے لئے وصیت کی ہے
تم میرے پیارے ماں جائے کی نشانی ہو۔ تمھارے حالات وقتاً فوقتاً
میں اپنے سولسٹر مقیم لندن کی معرفت دریافت کرتا رہا مجھے یہ معلوم کر کے
کہ تم ایک ہونہار لڑکے ہو بے غایت مسرت ہوئی یہ بھی مجھے معلوم ہوا ہے
کہ علم طبیعت میں تم نے ابھی سے بڑی دستگاہ حاصل کی ہے اگر چند سال اور محنت

[1] از قسم وکیل۔

گوارا کر کے اس غیر محدود علم کے پیچھے پڑے رہو گے تو ضرور ایک دن مہر جہانتاب کی طرح افق کمال پر چمکو گے۔ یہ بھی مجھکو معلوم ہوا ہے کہ تمھارے باپ نے بہت قلیل سرمایہ تمھارے لئے چھوڑا ہے اس خیال سے کہ تمھارے کوششوں میں سہولت ہو اور آیندہ زندگی کسی قدر آسائش سے گذرے میں نے اپنے وصیت نامہ کے ذریعہ سے ایک حصہ اپنی دولت کا تمھارے لیے بھی چھوڑا ہے۔ چھ سو پاؤنڈ سالانہ تم کو میرے سولسٹر کی معرفت تاحیات ملا کرینگے مگر شرط اول یہ ہے کہ چھ بیس برس کی عمر تک شادی نکرو شرط دوم یہ ہے کہ بہ تقریب تحقیقات رموز علم ہیئت جنوبی آفریقہ و امریکہ میں چار برس بسر کرو میرا یہ خط میرے مرنے کے بعد تم کو ملے گا"

اس خط کا پہلا حصہ پڑھکر کلینٹس شاد شاد ہو گیا مگر جبکہ شرطون پر اُسکی نظر پڑی تو ایسا سوکھا کہ کاٹو تو خون نہیں اُس نے اپنے دل میں کہا کہ ایسے خط کا آنا نہ آنا یکساں ہے میں تو آج ہی شادی کرنے والا ہوں چار برس تک شادی کے انتظار میں رہنے سے موت کے انتظار میں رہنا بدرجہا میرے لیے اچھا ہے میں ایسی دولت سے درگذرا۔ بھوٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹے کان۔ ادھر تو میں شادی کے انتظار میں رہوں اُدھر میری پیاری ایلس (لیڈی فیر کے بیٹے کا نام) میرے ہاتھ سے نکل جائیگی۔ نہ معلوم اس عرصہ دراز میں کیا کیا انقلابات پیش آئیں ایلس کا دلفریب حسن اور اعلیٰ مرتبہ ایسا نہیں ہے کہ اُسے کوئی نہ پوچھے

لہ انگلستان کا سونے کا سکہ پندرہ روپیہ کے برابر ہے

اور وہ میرے نام پر اتنے دنوں بیٹھی رہے۔ اُسے لندن کی سوسائٹیوں میں جانے کی دیر ہے ایک چھوڑ ہزار امیرزادے اُس پر لٹو ہو جائیں گے اُس وقت میری دال کیا گلیگی سوا ہاتھ ملنے کے مجھے کچھ ہاتھ نہ آئے گا قطع نظر اس کے دولت، وہی جو انسان اپنی قوت بازو سے حاصل کرے اس سے بڑھکر اور خود غرضی کیا ہو سکتی ہے کہ دولت کے لئے انسان ایک ایسے دوست کو چھوڑے ایسی دولت کو میرا دور سے سلام ہے اگر سلیمان کی سلطنت بھی مجھکو ملے تو ایس کو نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ سوچ سا نچکر سیدھا ڈارٹ منتھ کو وہ روانہ ہو گیا وہاں پہونچکر دونوں کا عقد ہوا اور خوشی خوشی بلیکوٹن کو دونوں واپس آئے اس واقعہ کو وہی چار روز گزرے تھے کہ سر جیمس لوئی لیڈی فیر کا (لیڈی فیر اب مسز کلینس ہو گئی تھی چونکہ نئی حیثیت کا اُس نے اظہار نہیں کیا تھا اس لئے لیڈی فیر ہی کے نام سے اس کا تذکرہ کیا جائے گا) عمزاد بھائی اپنی چچیری بہن سے ملنے کے لئے آیا۔ سر جیمس لوئی دولت انگلشیہ کی جانب سے واشنگٹن وارالسلطنت امریکہ میں بعہدہ جلیلہ سفارت ایک زمانہ تک ممتاز رہا چند ہی دن ہوئے تھے کہ پنشن[1] لیکر اپنے وطن لندن آگیا تھا۔ اس کی بیوی مر چکی تھی۔ بلیکوٹن آن کر اپنے بہنوی کے مرنے کی خبر سنی اس حیلہ سے کہ اُس کی بہن کا غم بہلے اُس نے چندے اُس کے ساتھ اقامت کا قصد ظاہر کیا جس کو اُس کی چچیری بہن نے بدل منظور و قبول کیا اس

---

[1] وظیفہ۔

تقریب سے لیڈی فیر کے ساتھ رہنے لگا مگر دل میں اُس نے شادی کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اتفاقاً اُسی اثنار میں لورڈ ٹنبپ کمپورسی کے دفاتر کی تنقیح و معائنہ کی غرض سے بلیکوٹن ایا۔ اس لورڈ ٹنبپ سے اور سرجیمس سے دوستانہ تھا۔ اس لیے اس کی دعوت سرجیمس نے اپنی چچیری بہن کے مکان میں کی۔ لورڈ ٹنبپ ایک گرگ باران دیدہ پچپن چھپن برس کا آدمی تھا اس نے اب تک اپنی شادی نہیں کی تھی۔ بہ ہر حوان فیر سے بھی واقف تھا مگر لیڈی فیر کو اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا دعوت کے دن پہلے پہل اُس نے لیڈی فیر کو دیکھا دیکھتے ہی اسکے حسن خداداد پر لٹو ہو گیا اس لورڈ ٹنبپ کا قیام اُس گانون میں کل دو دن رہا اُس قلیل عرصہ میں چار دفعہ لیڈی فیر سے ملنے کو ایا اور خوب ڈورے ڈالے مگر لیڈی فیر نے ذرا بھی توجہ نہیں کی۔ سرجیمس لوئی اس بڈھے پادری کی چٹوتوں سے اُس کا مافی الضمیر پہچان گیا اور چکا ہوا اس پادری نے مقام اسمتھ[۳] پہونچکر ایک طول طویل خط اظہار تعشق کا لیڈی فیر کے پاس بھیجا اور اسی خط میں پیغام شادی بھی دیا یہ خط لیڈی فیر نے اپنے چچیرے بھائی سرجیمس کو مضحکہ کی غرض سے دیکھایا اور پادری کے خط کے جواب میں نہ اقرار کیا نہ انکار بلکہ لطایف الحیل سے اُسے ٹالدیا بعد عقد نکاح کے کلینٹس جب پہلی دفعہ لیڈی فیر کے مکان میں آیا تو اُسکا تعارف بحیثیت اپنے ایک دوست کے لیڈی فیر نے اپنے عموزاد بھائی

---

۱ پادریوں کا افسر ۲ پادری کا محکمہ ۳ شہر کا نام

کرایا اور نکاح کے واقعہ کو اُس سے پوشیدہ رکھا۔ گو لیڈی فیر نے کلینٹس کے ساتھ عقد کرنے کا واقعہ مخفی رکھا مگر ان دونوں کے انداز اور تیور ایسے تھے کہ سر جیمس پر پوری طرح روشن ہو گیا کہ ایک دوسرے کا عاشق ہے بقول شاعر ؎ لاکھ پردے میں ہوں پر چھپتے ہیں کب ؎ چھپتی نہیں الفت کی تیور پیار کے۔ اسی خیال رقابت نے سر جیمس کے دل میں کلینٹس کی طرف سے سخت تنفر پیدا کر دیا۔ بعض وقت کھلے لفظوں میں اپنی بہن کی نصیحت و فضیحت کرتا ساتھ ہی اس کے کنایۃً اپنی محبت کا اظہار کرتا لیڈی فیر کی بے اعتنائی سے اپنی جگہ پر آپ آتش رشک میں جلتا۔ خدائے کارساز کے کچھ عجیب و غریب کارخانے ہیں۔ ایک دن لیڈی فیر کے شوہر سابق کا سولسٹر لندن سے پھر آیا اور اُس نے یہ کہا کہ سر جون کے انتقال کی جو خبر اخباروں میں اُڑی تھی جس کی بنیاد پر میں نے جدید انتظامات کیے تھے غلط نکلی۔ سر جون کے انتقال کی صحیح تاریخ کی خبر اب ملی ہے جو تاریخ اخباروں میں چھپی تھی اُس کے سوا دو مہینے کے بعد انھوں نے انتقال کیا۔ اس لیے مجھے اپنے کیے ہوئے انتظام میں کچھ ترمیم کرنی لازمی ہوئی یہ کہہ کر اُس نے سوا دو سو پاؤنڈ کے نوٹ دیے لیڈی فیر کی ماہوار میں کمی جو قبل از وقت کر دی گئی تھی اس کی تلافی از روئے حساب کر دی گئی سولیسٹر تو اودھر روانہ ہوا۔ ادھر لیڈی فیر کو وحشت نے گھیرا کیونکہ سولیسٹر نے جو خبر سنائی اسکے اعتبار سے سر جون فیر اُس دن زندہ تھا جبکہ کلینٹس سے اُس کا نکاح ہوا

اس لیے یہ نکاح باطل و کالعدم ہو گیا۔ اس غلطی کے دفعیہ کا چارہ کار اُس نے یہ سوچا کہ عقد نکاح کی تجدید کروائی جائے۔ کلینٹس سے یہ کہنے کے لیے وہ مینار کو گئی اُس نے اتفاق سے کلینٹس کو وہاں نہیں پایا اس کی ایک چھوٹی سی تپائی پر ایک نیم باز خط پڑا دیکھا۔ جسے شغل بے شغلی سمجھکر اُس نے اُٹھا لیا اور پڑھنا شروع کیا۔ یہ خط کلینٹس کے متوفی چچا کے سولیسٹر کا بھیجا ہوا تھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ سابق کے خط کا جواب تک نہیں دیا گیا۔ پہلی سہ ماہی ختم ہوئے زمانہ ہوا۔ دوسری سہ ماہی بھی عنقریب ختم ہونے کو ہے مگر ہنوز کوئی ہدایت اس امر کے متعلق نہیں دی گئی۔ کہ ڈیڑھ سو پاؤنڈ پہلی سہ ماہی کی بابتہ کے کہاں پہونچائے جائیں اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ آیا وصیت نامہ کے بموجب معطی لہ اُس عطیہ کے پانے کا مستحق بھی ہے یا نہیں۔ اس خط کو پڑھکر لیڈی فیر کچھ خوش کچھ آزردہ ہوی خوش تو اس لیے کہ وہ کلینٹس کو جس قدر عسرت زدہ سمجھی ہوئی تھی اس خط کے دیکھنے سے وہ خیال غلط ثابت ہوا آزردہ اسواسطے ہوئی کہ کلینٹس نے اس سے اصلی حقیقت پوشیدہ رکھی وہ انھیں خیالوں میں مستغرق تھی کہ کلینٹس جو کسی ضرورت سے باہر گیا ہوا تھا آپہونچا۔ کلینٹس نے جو وہ خط لیڈی فیر کے ہاتھ میں دیکھا تو اُس کا چہرہ فق ہو گیا اور ہکا بکا ہوکر لیڈی فیر کا منھ تکنے لگا دل میں ہزاروں لعنت ملامت ایسی غفلت و بے پروائی سے خط چھوڑ کر چلے جانے پر کرنے لگا کیونکہ اُسکو یقین ہو گیا کہ پہلے خط اور وصیت نامہ کی شرطیں اُس کو معلوم ہونگی تو

بوجہ ایک دانشمند عورت ہونے کے اس کا اسے سخت ملال ہوگا کہ چھ سو پاونڈ سالانہ کا مفت نقصان کیا گیا۔ لیڈی فیر کا چہرہ متغیر دیکھکر اور بھی سہم گیا۔ لیڈی فیر نے اپنے تکدر کی حالت کو چھپانے کی کوشش کر کے اور اس خط کو دیکھا کر پہلے خط اور وصیت نامہ کی حقیقت دریافت کی۔ کلینٹس نے پہلے تو ٹالنا چاہا مگر وہ کب ماننے والی تھی تریاہٹ بھی کہیں جو کتی ہے آخر لیڈی فیر نے سولیسٹر کا پہلا خط اور کلینٹس کے چچا کا خط جس میں عطیہ کی شرطیں تھیں لے ہی کر چھوڑا۔ ان خطوں نے لیڈی فیر کو بے انتہا متاثر کیا۔ اس کو کلینٹس کی بے غایت محبت کا یقین کامل ہوگیا اور اس کے دل پر کلینٹس کی وفاداری نقش کالحجر ہوگئی۔ اس کے ساتھ ہی اس کی بیوقوفی پر اس نے سخت افسوس کیا اور زبان سے یہ کہا۔

"شکر خدا کا کہ میں ایک گناہ عظیم سے بچی میرا تمہارا جو نکاح ہوا تھا وہ باطل ہوگیا اور خدا کے کرم سے تم کو گویا دوبارہ موقع اس کا دیا ہے کہ اپنے چچا کی بیش بہا وصیت سے پورا پورا فایدہ اٹھاؤ۔ چھ سو پونڈ سالانہ کچھ کم نہیں ہیں اس آمدنی سے ممالک غیر کی سیر کر و سیاحت ایک بڑی نعمت ہے ہر انسان کو میسر نہیں ہوتی رباعی

بابدگان خانہ در گردی ✤ بروا ندر جہان تفرج کن
ہر گزا ے خام آدمی نشوی ✤ تا نیائی دم کز یں جہاں بروی

علم کی تکمیل بھی سیاحت سے ہوتی ہے دنیا کے عجائبات دیکھنے

نظر وسیع ہوتی ہے مخصوص اُن ممالک میں بغرض ترقی واکتساب
علم ہیئت ضرور جاؤ جہاں جانے کی تمھارے چچا نے وصیت کی ہے تاکہ
علم ہیئت کے ایک نامور آوردہ عالم وصاحب کمال دنیا میں کہلاؤ یہی میرا
اصلی مقصود بھی ہے میری دلی تمنا ہے کہ خدا مجھے وہ دن دیکھائے کہ میرے
مشتاق کان تمھاری تعریفوں کے سننے سے گونجنے لگیں اب تمھاری عمر
اکیس سال کی ہے پچیسویں سال تم شادی بھی کر سکتے ہو اور اس آمدنی
سے بھی مستفید ہو سکتے ہو۔ تیس برس باتوں میں گزر جائیں گے۔ دن
جاتے کچھ دیر نہیں لگتی رشتہ حیات قوی رہنا چاہیے۔ تین برس کے
بعد اگر میں جیتی ہوں تو تمھاری خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ خدا سے
امید ہے کہ جب تک جیوگی تمھارا ہی کلمہ پڑھوں گی تم مطلق ہراساں
نہ ہو۔ عقد باطل ہونے کا سبب سنو جس دن ہم لوگوں کا نکاح ہوا تھا
اُس دن میرے شوہر سرجون زندہ تھے اب بتحقیق یہ معلوم ہوا ہے کہ اُس
تاریخ کے سوا دو مہینے کے بعد اُنھوں نے رحلت کی ہیں اس وقت اس
خبر کے کہنے کے لیے اور دوبارہ عقد پڑھوانے کی ضرورت جتانے کیلئے
آئی تھی مگر اب تمھارے چچا کی وصیتوں کے پڑھنے کے بعد میں برس تک
تجدید عقد کا نام زباں پر لانا تو کجا اپنے دماغ میں ایسے لاطائل خیال
کو جگہہ نہیں دے سکتی گو یہ میں جانتی ہوں کہ جس طرح تین سال کا عرصہ
تمھیں گراں گزرے گا غالباً اس سے کہیں زیادہ مجھے سخت گزرے مگر انسان
وہی ہے جو موقع ومصلحت وقت ملحوظ رکھکر کام کرے اور اپنی عقل صائب کو

جذبات نفسانی پر غالب و مقدم رکھے۔ یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ میری اس وقت کی باتیں تمہیں ناگوار معلوم ہوتی ہوں گی لیکن میں حق سے درگزر نہیں کر سکتی میں خود غرض دوست نہیں ہوں۔ میں تمھاری خیر اندیش و با وفا عاشق ہوں۔"

کلینٹس جوتا اختتام تقریر ایک سکتے کے عالم میں ٹکٹکی لگائے لیڈی فیر کا منھ وحشت و یاس بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا عورتوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور ہچکیاں لے لے کر یہ بولا۔

"تمہیں حضرت عیسیٰ کی مقدس روح کا واسطہ میری جان سے زیادہ پیاری ایلس مجھ پر رحم کرو اس فلسفیانہ و ظالمانہ خیال سے درگزر و میں اپنی بھلائی کی باتیں اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں میری زندگی کا دار و مدار اسی پر ہے کہ فوراً عقد نکاح کی تجدید کی جائے۔ نکاح ہو جانے کے بعد میں اس پر بھی راضی ہو سکتا ہوں کہ جب تک کہ میں ایک نام آور شخص نہ ہو جاؤں اس تعلق کی اشاعت نہ کی جائے اور اوس وقت تک ہم تم علیحدہ رہیں۔"

لیڈی فیر کلینٹس کی ترحم خیز حالت زار جو اس کے چہرہ سے عیاں تھی دیکھنے کی تاب نہ لا سکی کچھ تسلی آمیز کلمے کہے اور یہ کھڑا ہو کھڑی ہوئی کہ اس بارے میں پھر گفتگو کروں گی لیڈی فیر نہایت پریشان و متاثر وہاں سے اوٹھی۔ گھر پہونچکر خوابگاہ کے کمرہ میں چلی گئی اور اندر دروازہ بند کر کے زار و قطار رونا شروع کیا شدت گریہ سے جب فرصت

ہوئی تو طرح طرح کے خیالات و جذبات نے آگھیرا۔ نفس امارہ و عقل سلیم میں خوب خوب مباحثے ہوئے اس جنگ و جدال کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی عقل سلیم غالب ہوئی۔ اس کمرہ میں بیٹھے بیٹھے ایک طولانی خط اس نے کلینٹس کو لکھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ جو کچھ اس نے زبانی کلینٹر سے صبح کو کہا وہ اس کا قطعی و آخری فیصلہ تھا۔ فریقین کی بھلائی اسی میں ہے اور اس میں رد و بدل ناممکن اسی خط میں یہ بھی تحریر کیا کہ بہترین علاج حالت موجودہ سے افاقہ پانے کا یہ ہے کہ تم سفر کے لیے فوراً تیار و آمادہ ہو جاؤ اور بغیر مجھ سے ملے چلے جاؤ۔ یہ تحریر اس نے کلینٹس کے پاس فوراً بھیجدی تحریر پاکر کلینٹس کی روحانی تکلیف دوبالا ہوگئی اور بے ساختہ دوڑا ہوا لیڈی فیر کے گھر آیا۔ آدمیوں نے حسب معمول کلینٹس کو "ڈرائینگ روم" میں بٹھا کر لیڈی فیر کو خبر کی۔ لیڈی فیر نے اپنے سینہ پر ضبط کی سل رکھکر علالت کا عذر کیا اور ملنے سے انکار کیا۔ کلینٹس نے وہیں بیٹھے بیٹھے رقعوں کا تار باندھ دیا۔ اکھڑ پن کہ دو باتیں بالمشافہ کرنے کی اجازت دی جائے مگر وہاں ایک نہیں ہزار نہیں۔ آخر مجبوراً روتا پیٹتا کلینٹس واپس آیا اور بخیال معشوق پرستی لیڈی فیر کے ارشاد کی تعمیل کو اپنا فرض عین سمجھکر سفر کی تیاری میں مشغول ہوگیا اور اس کے تیسرے ہی دن امریکہ جانے کے قصد سے پٹسبرگ[1] کے بندرگاہ روانہ ہوا اور اپنی روانگی کی اطلاع لیڈی فیر کے پاس بھیجدی۔ اس رقعہ میں

---

[1] نشست گاہ۔

جہاز کا نام بھی اُس نے لکھدیا تھا جس پر وہ سوار ہونے والا تھا مگر
جہاز کی تاریخ روانگی گھبراہٹ میں لکھنا بھول گیا۔ جو شخص یہ رقعہ لیکر
آیا اُس نے اپنی نادانی سے اس رقعہ کو مسز جیمس لوئی کے ہاتھ میں دیدیا
مسز جیمس نے یہ رقعہ ایک دن دبا رکھا اور دوسرے دن لٹریک[1] پر لیجا کر
ڈالدیا۔ رقعہ پہونچنے کے تیسرے دن کسی ملازم نے اس رقعہ کو لیڈی فیر
کے پاس لیجا کر دیا۔ رقعہ پڑھکر لیڈی فیر کی حالت بمصداق اس شعر کے
ہوگئی ؎ پاس رہنے سے شہیدی کے نہ تھا کچھ بھی خیال ؛ اب جدائی
میں محبت کا اثر ہونے لگا۔ لیڈی فیر کا کرب و اضطراب احاطہ تحریر و
تقریر سے باہر تھا۔ اس کے حزن و ملال و توحش نے آن کی آن میں
اتنی ترقی کی کہ اُس کی حالت قریب بہ جنون پہونچ گئی اسی حالت
بیقراری میں کلیمنٹس کو پلٹا کر لانے کی غرض سے پلے متھ روانہ ہوگئی۔
وہاں پہونچ کر ریل سے اُترتے ہی ڈوور[2] کی طرف گئی مگر قسمت تو دیکھئے
کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند + دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہگیا۔ یعنے لیڈی فیر
کے پہونچنے کے ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے وہ جہاز جس پر کلیمنٹس سوار ہوا تھا روانہ
ہو چکا تھا اس خبر کے سنتے ہی لیڈی فیر دریائے حسرت و یاس میں غرق
ہوگئی قریب تھا کہ غش کھا جائے مگر اپنے تئیں اُس نے بہت سنبھالا۔
کف افسوس ملتی اور آنسو پیتے ہوئے پچھتاتی ہوئی ریلوے اسٹیشن پر واپس
آئی اسی بدحواسی میں ٹیلیگراف[3] آفس میں جا جھٹ ایک فارم لیکر

---

[1] وہ طرف جہیں باہر سے آئے ہوئے خط رکھے جاتے ہیں [2] جہاں جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں [3] تار گھر

کلینٹس کو واپس آنے کے لیے تار دینے کے قصد سے فارم لکھنے کا ارادہ کیا
جب فارم کے اُس مقام پر اُس کی نظر پڑی جہاں پتہ لکھا جاتا ہے تو
گھبرا کر چونکی اور اسے یہ خیال آیا کہ تار بھیجے تو کس پتہ سے بھیجے کلینٹس نے
اپنے اخیر رقعہ میں صرف یہ لکھا تھا کہ یونائیٹڈ اسٹیٹس آف امریکا یعنے
ممالک متحدہ امریکہ کو روانہ ہوتا ہے امریکہ کے ممالک متحدہ اس قدر وسیع
ہیں نہیں معلوم وہ کس شہر میں جاکر ٹھہرے گا یہ سوچ کر اپنے اوپر نفرین
کرتی ہوئی کنگ[1] اوفس آئی اتفاق سے کنگلیر جانے والی گاڑی چھوٹنا
ہی چاہتی تھی کہ اُس نے ٹکٹ خریدا اور ایک گاڑی میں سوار ہوگئی
کنگلیر سے ڈارٹ متھ بذریعہ اسٹیمر کے آئی وہاں سے اپنی گاڑی پر
جو اس کے انتظار میں کھڑی تھی بلیکوٹن آئی گھر پر پہونچتے ہی اس تشنت
بخار چڑھا کہ غریب کی جان کے لالے پڑ گئے۔ اُس کے ملازمون اور
چچیرے بھائی نے بڑی دوڑ دھوپ کی ڈارٹ متھ سے دو لایق
ڈاکٹروں کو بلوایا تیسرے روز اُسے ہوش آیا ہوش آتے ہی لیڈی فیرفیکس
کلینٹس کی نانی سے کلینٹس کا پتہ دریافت کرایا اُس بیچاری نے جواب
دیا کہ مجھے خود نہیں معلوم اس خبر نے اُسے اور بھی مایوس کر دیا۔
رفتہ رفتہ بخار سے تو پیچھا چھوٹا مگر سلسلہ علالت کوئی ڈیڑھ دو مہینے
تک غیر منقطع رہا۔ دو مہینے کے بعد گو بظاہر صحت کامل حاصل ہوگئی تھی
تاہم قلب و دماغ متاثر تھے وحشت و اضطرار کے آثار بعض وقت نمایاں

[1] ریلوے اسٹیشن کا وہ محکمہ جہاں ٹکٹ بکتے ہیں۔

طور پر ظاہر ہوتے تھے اس کی طبیعت بالکل تنہائی پسند اور چڑچڑی ہو گئی تھی۔ لیڈی فیر کا چچیرا بھائی سر جیمس لوئی جو اپنے حسابوں لیڈی فیر کا اپنے آپ کو عاشق سمجھتا تھا ہفتہ میں تین دن لندن میں رہتا تو چار روز بلیکوٹن میں بسر کرتا۔ لیڈی فیر کی مصیبت زدہ حالت جو کلینٹس کی کی مفارقت میں ہو گئی تھی دیکھ دیکھ کر بارے رفتک کے دل ہی دل میں گھٹتا اور پیچ و تاب کھاتا کبھی لیڈی فیر کو جلی کٹی سناتا جب چار پانچ مہینے اسی حالت میں گزر چکے تو ایک دن اس نے صاف لفظوں میں شادی کا پیغام دیا لیڈی فیر نے انکار کیا اس انکار سے اس کے حسد و رشک کا شعلہ اور بھڑک اٹھا۔ اس کو جب یقین ہو گیا کہ لیڈی فیر کسی طرح اس کے ہاتھ نہیں آسکتی جس کا سبب کلینٹس کو سمجھتا تھا تو کلینٹس کا اور بھی دشمن بنگیا اور اس بغض عند اللہ کے نکالنے کا طریقہ یہ سوچا کہ لیڈی فیر کلینٹس کو بھی نہ ملے اس لیے اپنا مقصد حاصل کرنے کی غرض سے یہہ چال چلا کہ اس لورڈ لیشب کے ہاں پہونچا جس نے لیڈی فیر پر فریفتہ ہو کر شادی کی خواہش ظاہر کی تھی اور اس پادری کو جو بظاہر اس مقدس وزیر ہی خیال کا آدمی تھا مگر فطرتاً نہایت نفس پرست و حریص شخص تھا گھلا ملا کر اپنے ڈھرے پر لگایا اور اس سے اس امر کا وعدہ واثق کیا کہ اگر تھوڑی سی مدد وہ پادری اس کی کرے تو سر جیمس بھی بپاس ارتباط قدیمانہ اور نیز اس خیال سے کہ وہ کلینٹس کے تعلقات کو بلحاظ اپنی بہن کی عالی خاندانی کے معیوب و بدنما سمجھتا تھا ایسی کوشش

کرے گا کہ لیڈی فیر لبشپ سے شادی کرنے پر آمادہ ہو جاوے گی
سر جیمس کی یہ تحریک کرنی تھی کہ اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ملگیا اور یقیناً
نے سر جیمس کی کارستانیوں میں ہر طرح کی امداد دینے کا بیڑہ اوٹھایا
ان دونوں کے آپس میں یہ صلاح ٹھہری کہ امریکہ کے کسی اخبار والے کو
کچھ دے لیکر راضی کیا جائے اور اُس کے اخبار میں اس مضمون کی خبر
شایع کی جائے کہ مسٹر سڈنی کلنٹن انگلستان کے ایک عالم ہیئت نے
نیویارک کے ایک لکھپتی سوداگر کی اکلوتی بیٹی سے شادی کی اور ابھی
نئی دولہن کو لیکر آفریقہ روانہ ہو گئے اور وہ اخبار جیب میں اس طرح ہو
کہ اس کا ایک حصہ باہر نکلا رہے تاکہ سر جیمس اُسے دیکھکر وہ اخبار تفریحاً
نکال کر پڑھنا شروع کرے اور جب خبر مقصود تک پہنچے تو باستعجاب پڑھکر
لیڈی فیر کو سنائے یہ بھی آپس میں طے پایا کہ قبل اس کے کہ اخبار لیکر
لبشپ لیڈی فیر کے یہاں جائے دو چار بار بتقریب دورہ و بغرض تنقیح
دفتر کیورسی موضع بلیکوٹن میں جائے اور سر جیمس سے ملنے کے بہانہ
لیڈی فیر سے بھی ملا کرے حسب قرارداد لبشپ نے ڈیڑھ دو مہینے کے
عرصہ میں بلیکوٹن کے تین پھیرے کیے تیسری بار جو تشریف لائے تو
مصنوعی خبر والا اخبار لیتے ہوئے آئے وہ جھوٹی خبر اُسی ترکیب سے
لیڈی فیر کو اُس کے چچیرے بھائی نے پڑھکر سنائی لیڈی فیر نے اخبار
اپنے ہاتھ میں لیکر کئی بار اُس خبر پر نظر دوڑائی پھر تو اُس کا عجیب عالم
ہوا اُس نے آو دیکھا نہ تا و بنظر تحقیق و تصدیق بے تحاشا دوڑی ہوئی

کلینٹس کی نانی کے یہاں چلی گئی اُس بیچاری نے وہی بیخبری کا جواب دیا کہ اُسے کچھ نہیں معلوم چھ سات مہینے کے عرصہ میں ایک سطر بھی اسکے نواسے نے اُسے نہیں لکھی تھی۔ لیڈی فیر کو خیال آیا کہ خود کلینٹس کو لکھکر اصلیت دریافت کرے مگر لکھے تو کہاں لکھے اخبار میں تو لکھا تھا کہ آفریقہ روانہ ہوگیا۔ آفریقہ ایک بہت بڑی اقلیم ہے نہیں معلوم کس حصہ آفریقہ کو وہ گیا تاہم آفریقہ کے دو چار جنوبی شہروں کے پتہ سے اُس نے اکثل پچو دو چار خط لکھکر ڈال دئیے۔ حالانکہ درحقیقت وہ اُس زمانہ میں امریکہ میں موجود تھا۔ بعض وقت یہ بھی خیال اُس کے دماغ میں پیدا ہوا کہ چوبیس سال کی عمر ہونے کے قبل اپنے چچا کی وصیت کے خلاف کلینٹس شادی کیونکر کرسکتا ہے اگر کی تو چھ سو پونڈ سالانہ سے اُسے ہاتھ دھو بیٹھنا پڑے گا مگر یہ بھی خیال اُسے آیا کہ اُس کی دولہن ایک لکھپتی کی اکلوتی بیٹی ہے ایسی حالت میں چھ سو پونڈ سالانہ کی اُسکے آگے کیا بساط ہے۔ کبھی کلینٹس کی محبت کا خیال کرکے اپنے دل میں کہتی کہ ایسا دیوانہ وار عاشق کیونکر بیوفائی کا مرتکب ہوسکتا ہے مگر دفعتاً اپنی اُن بے اعتنائیوں کو یاد کرکے جو کلینٹس کے ساتھ اُس نے کیں گریبان میں سر ڈالتی۔ رفتہ رفتہ اُس کو یقین کامل ہوگیا کہ جو خبر امریکہ کے اخبار میں شایع ہوئی ہے ضرور صحیح ہوگی کیونکہ اخبار والے کو ایک جھوٹی خبر شایع کرنے سے فایدہ ہی کیا ہے۔ اکثر اپنی بے اعتنائیوں کا خیال کرکے اپنے اوپر لعنت و نفرین کرتی ساری دنیا سے اور اپنی صورت سے

آپ متنفر ہوگئی تھی سر جیمس تو ایک بہت بڑا جال باز اور شاطر تھا مختلف
طریقوں اور ذریعوں سے جب اُس نے یہ دریافت کر لیا کہ لیڈی فیر کو
اس جھوٹی خبر کے سچ ہونے کا یقین ہوگیا تو سمجھا کہ اس کا کانٹا کام کر گیا
رقیب کے اثر سے میدان صاف ہوگیا اور اپنے دل میں یہ سمجھ کر کہ بلّی
کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا پاوری کی غرض تو بھاڑ میں بھونکی اور اپنا مطلب
نکالنے کی پھر کوشش شروع کی۔ کبھی لیڈی فیر کی چاپلوسی اور خوشامدیں
کرتا کبھی اپنی کثیر دولت کی طمع دیتا کبھی اطاعت گذاری کے وعدے
کرتا۔ انواع اقسام کے قیمتی اور بیش بہا تحفوں سے لیڈی فیر کا سارا
گھر بھر دیا غرض سینکڑوں جتن کئے کہ لیڈی فیر اُس سے شادی کرنے پر
راضی ہوجائے مگر لیڈی فیر نے جو سر جیمس کی بری خصلتوں اور خراب
عادتوں سے بخوبی واقف تھی نہیں سے ہاں نہ کی۔ اسی اثنار میں
بشپ نے بھی اپنے ارتباط کے پینگ بڑھا رکھے تھے اُس نے بھی پھر
پیغام دیا دو چار روز غور کرنے کے بعد بشپ کا پیغام لیڈی فیر نے قبول
کر لیا اور فوراً ہی دونوں کا نکاح ہوگیا۔ میاں لوئی منھ دیکھا رہ گئے
اور چاہ کن را چاہ در پیش کے مصداق بن گئے۔ چونکہ لیڈی فیر
ایک زمانہ میں ایک مشہور اسکوئر کی بیوی تھی اور بورڈ بشپ تو مشہور
و معروف تھا ہی اس شادی کی خبر انگلستان کے متعدد اخباروں نے
لکھی اور اُس کی نقل امریکہ کے اخباروں نے بھی کی جیوں ہی دوراندیش
و دلدادہ کلینٹس کے نظروں سے یہ خبر گذری اُس کے لیے یہ خبر وحشت اثر

پیغام اجل سے کم نہ تھی۔ خبر کے پڑھتے ہی زندہ درگور ہو گیا۔ اُسی حالت میں اُس نے اپنی نانی کو ایک خط لکھکر حقیقت دریافت کی۔ اُسکی نانی نے جواب میں شکوے شکایت کے بعد خبر کی اصلیت کی تصدیق کی۔ اس خط کے بعد سے اپنے حالات اکثر اپنی نانی کو لکھنے لگا۔ اُس نے اپنے دل میں عہد کر لیا کہ کبھی کسی عورت سے دل نہ لگائیگا اور نہ عمر بھر شادی کا نام لیگا۔ ساری دنیا کی عورتوں سے اُس کا دل ہٹ گیا پانچ چھہ مہینے اور امریکہ میں رہکر جنوبی افریقہ کے سیاروں کی تحقیقات کے لیئے اُس نے آفریقہ کا سفر اختیار کیا ڈیڑھ دو برس وہاں کے مختلف شہروں میں پھرتا رہا مگر نانی سے رسل و رسایل جاری رکھے شادی کے پانچ چھہ مہینے کے بعد لیڈی ہشپ یعنے سابق لیڈی فیر جایداد دوں کی دیکھ بھال کے لیے جو اسے اس کے پہلے شوہر کے ترکہ میں ملی تھیں تنہا پلیکوٹن آئی ایک اتوار کو گرجے میں گئی بعد فراغت عبادت کلینٹس کی نانی سے ملاقات ہو گئی۔ عند التذکرہ اُس نے کلینٹس کے حالات دریافت کیے اور یہ بھی پوچھا کہ کلینٹس کے کوئی اولاد ہوئی۔ کلینٹس کی نانی نے کہا کہ اُس نے ابھی شادی کہاں کی ہے جو اولاد ہو گی۔ یہ سننا ہی تھا کہ لیڈی فیر کے ہاتھوں کے طوطے اوڑ گئے اُسے ایسا معلوم ہوا کہ اس کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی شششدر ہو کر رہ گئی طرح طرح کے خیالات و جذبات ہجوم اس کے دل و دماغ میں ہونے لگا۔ بدقت دو چار باتیں کلینٹس کی

متعلق کر کے اُس کی نانی سے رخصت ہو کر گھر آئی۔ اس کو یقین ہو گیا
کہ یہہ ساری کارستانی اور جعلسازی اس کے موجودہ شوہر کی تھی
جھوٹی خبر امریکہ کے اخبار میں شایع کروا کر اپنا مطلب نکالا گھر پہونچکر
اس کی طبیعت بہت بگڑ گئی ایک تو دو مہینے کا حمل تھا جس کی وجہ سے
چکر پر چکر آتے تھے متلی اور قے ہوا کرتی تھی اس پر اس صدمہ نے
اس کا حال اور بھی تیلا کر دیا۔ چند دنوں بلیکوٹن ہی میں مقیم رہی
افاقہ ہونے پر اپنے شوہر شب کے پاس واپس گئی۔ وہاں پہونچتے ہی
لڑنے لڑتے اُس بڈھے کا ناطقہ بند کر دیا اُس نے معافی مانگی مگر
ایلس پر ایسا ظلم ہوا تھا کہ اُس کے دل میں ناسور پڑ گیا ہر گز اُس کے
دل سے وہ بات نکل نہیں سکتی تھی دونوں کی زندگی نہایت کوفت
اور مصیبت سے کٹنے لگی قصہ مختصر دو ڈھائی سال اسی طرح ضیق میں
گذرے اور شادی کے چوتھے سال شب پر فالج گرا اُس نے عدم آباد
کی راہ لی۔ ایلس اپنے بچہ کو جو اس وقت ڈھائی تین سال کا تھا
اپنے ہمراہ لیکر بلیکوٹن چلی آئی اور اپنے شوہر سابق کے مکان میں جو اسے
ترکہ میں ملا تھا رہنے لگی۔ کلینٹس کی نانی نے اپنے کسی خط میں شب کے
مرنے کا اور ایلس کے بلیکوٹن میں آکر رہنے کا حال کلینٹس کو تذکرۃً لکھا
جس کو پڑھتے ہی کلینٹس کی قدیم محبت تازہ ہو گئی اور بعجلت تمام وطن
واپس آیا مکان پر پہنچتے ہی نانی سے گلے ملنے کے بعد جو پہلا لفظ اسکی
زبان سے نکلا وہ ایلس کی خیریت کے متعلق تھا منہ ہاتھ دھو کپڑے بدلکر

خلاف معمول تھوڑی خوشبو لگا کر ایلس سے ملنے کے لئے گیا ایلس مکان میں نہ تھی اس کے ملازموں نے کہا کہ بچہ کو ساتھ لیکر ٹہلتی ہوا خوری کے لئے ابھی باہر گئی ہیں۔ کلیمنٹس مایوس ہوکر پھرا۔ اپنے گھر واپس آتے وقت مینار کے رستہ کی طرف سے آرہا تھا کہ مینار نظر آیا اور اُس کا دروازہ خلاف امید کھلا دیکھا۔ اُسے گمان ہوا کہ شاید ایلس مینار پر ہو یہ خیال کرکے مینار پر چلا گیا وہاں دیکھتا کیا ہے کہ ایلس اپنے بچہ سے کھیل رہی ہے دونوں کی نگاہیں جب آپس میں لڑیں تو دونوں پر کچھ عجیب حالت طاری ہوئی۔ اُس وقت کا نقشہ جبکہ پہلے پہل اسی مقام پر تقریباً پانچ سال پیشتر ایک نے دوسرے کو دیکھا تھا۔ کلیمنٹس کی آنکھوں میں پھر گیا اس عرصہ مدت میں جو جو انقلابات پیش آئے اُن کی تصویریں بھی اُس کی آنکھوں کے سامنے کھنچ گئیں ایلس کی ابتدائی محبت کا اسے خیال آیا پھر اس کی اُس وقت کی بے اعتنائی کا جبکہ کلیمنٹس امریکہ روانہ ہونے کے قبل ایلس کے گھر جاکر وداع کے لئے اُس سے ملنا چاہتا تھا اور ایلس نے انکار کیا۔ پھر بعد کی اُس کی فرضی بیوفائی کا جو لیشپ سے اُس نے نکاح کرکے دکھائی مگر ان سب باتوں پر جو جذب غالب تھا وہ جذب الفت ایلس کے دل و دماغ میں بھی قریب قریب اسی قسم کے خیالات گزرے مگر بے وفائی کے عیوض کلیمنٹس کی وفا اُس کی محبت کی پائیداری راہ الفت میں اُس کی ثابت قدمی ان باتوں نے ایلس کو نہایت خجل و منفعل کیا۔

چند منٹ تک دونوں میں سے کسی کی زبان سے بھی ایک حرف نہ نکلا

آخر مہر خاموشی کو کلینٹس نے صاحب سلامت کر کے توڑا۔ ایلس نے گردن نہوڑا کر جواب دیا اور وطن واپس آنے کی مبارک باد دی اس کے بعد ساری سرگذشت سنائی پھر معافی کی خواستگار ہوئی۔ کلینٹس کو جب اُس کا یقین ہو گیا کہ ایلس نے فقط سے شادی دھوکہ میں اور فریب کھا کر کی تو وہ خود معافی چاہنے لگا اس لئے کہ اُس نے اپنے دماغ میں ایک عرصہ تک اس خیال فاسد کو جگہہ دے رکھی تھی کہ ایلس بے وفا ہے اُس کے بعد ہی اُس نے یہہ کہا کہ اب تو تم مجھے اپنا شوہر بننے کی عزت دوگی۔ یہہ سنا تھا کہ ایلس نے ایک آہ سرد بھری اور یہہ کہکر کہ تم مجھ گناہگار غمزدہ کے شوہر ہونا قبول کرتے مو بیٹھے بیٹھے زمین پر گر پڑی اور فوراً آنکھوں کے راستہ اُس کا دم نکل گیا کلینٹس کا پیغام اُس کے لیے شادی مرگ ہو گیا۔ غریب ایلس کو کبھی یہہ توقع نہیں تھی کہ اُس کا پیارا اور وفادار کلینٹس اس قدر کریم النفس ہے کہ اُس کی خطائیں معاف کر دے گا اور ایک ایسی عورت کو جو اُس کے لیے سینکڑوں مصیبتوں اور اذیتوں کی باعث ہوئی اور جس کی جوانی بھی ڈھل چکی تھی جس کے چمن حسن میں خزاں کے قدم آ چکے تھے اور جس کے پاس ایک بچہ بھی دوسرے شوہر کا موجود تھا کبھی اپنی بی بی بنانے کا خیال دماغ میں لائے گا۔

تیسرا باب

افتخار۔ کہو خانم صاحب یہ قصہ کچھ پسند آیا۔

عمدہ خانم جس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے ہوئے تھے ایک ٹھنڈی سانس لیکر اور آنسو پونچھکر بولی۔ "ہے ہے بیچاری کا کس طرح خاتمہ ہوا۔ میری جیسی وہ بھی کوئی کمبخت ہوگی۔ ساری زندگی کانٹوں کی سیج پر گزاری۔ دیکھو اسی کو کہتے ہیں کہ عشق بازی کا انجام بُرا اور بُرا مجھے تو رہ رہ کے اُس کے سوتیلے بھائی کے جُل دینے پر اور نگوڑے بڈھے پادری کی سازش پر غصہ آتا ہے مگر یہ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ایک پادری جو مذہبی پیشوا سمجھا جاتا ہے۔ کیونکر شریک جرم و غبازی ہوا۔ ہمارے ہندوستان میں جو پادری آتے ہیں وہ تو بہت نیک نام مشہور ہیں مجھے یاد ہے۔ بھگدڑ کے پہلے گولہ گنج میں جب میں اپنے ماں باپ کے گھر تھی تو اُسی محلہ میں ایک پادری بھی رہتا تھا۔ میرے ابا سے اُس سے بڑی دوستی تھی مجھے اکثر عمدہ عمدہ کھلونے اور مٹھائیاں لاکر دیتا تھا ایک بھی کو کیا اور بھی محلہ کے اکثر بچوں کو مٹھائیاں اور کتابیں دیتا تھا اس لیے ہم لوگ اسے گھیرے رہا کرتے تھے اس کی وہ میٹھی میٹھی باتیں ہمیشہ دلکش و مفید نصایح و پند سے بھری رہتی تھیں انھیں باتوں کی بدولت اُس نے بہتوں کو کرستان بھی کر ڈالا تھا لوگ اُسے بہت باخدا و مقدس سمجھتے تھے خصوصاً میرے ابا اُس کے اخلاق و تقدس کی بڑی بڑی تعریفیں کرتے تھے مگر ہاں اتنا ضرور ہے۔ نہ ہر زن زن است۔ و نہ ہر مرد مرد خدا پنج

زنگشت یکساں نکرد۔ نیک اندر بد بد اندر نیک۔ ہر جگہہ اور ہر طبقہ میں ہوتے ہیں ممکن ہے اس لینڈی فرد (لیڈی فیر) کا شوہر ایک بری خصلت کا آدمی ہو"

افتخار۔ "پادریوں کے فرقہ کو تم نے سمجھا کیا ہے؟ ان میں بہت کم ایسے ہیں جن کا ظاہر و باطن یکساں ہو اکثر ان میں گندم نما اور جو فروش ہوتے ہیں۔ بقول شخصے ؎ مبحہ و رکف توبہ برلب دل پُر از ذوق گناہ معصیت راخندہ می آید بر استغفار ما۔ باتیں بڑی میٹھی میٹھی کرتے ہیں یہ ہماری زکیبیں پھانسنے کی ہیں یہی وجہ ہے کہ بھولا اور نادان بچے اُن کے گرویدہ و حلقہ بگوش رہتے ہیں۔ حواریین حضرت عیسیٰ نے جو درحقیقت بانیان مذہب عیسوی تھے کچھ ایسے خلاف فطرت و خلاف عقل اصول قایم کر رکھے ہیں کہ اُن پر عمل کرنا اور اُن کا سمجھنا قریب قریب محالات کے ہے ایک تعلیم رہبانیت ہی کو دیکھو کہ کس قدر انتظامات دنیاوی میں خلل انداز ہے دوسرے مسئلہ تثلیث کو خیال کرو کہ کس قدر لغو اور خلاف عقل ہے اسی طرح اور بہت سے فضول خیالات ہیں جن کو کوئی صاحب عقل پسند و باور نہیں کر سکتا۔ برخلاف اس کے ہمارے پاک مذہب اسلام کو دیکھو کہ باہمہ وبے ہمہ ہے کس قدر معقولیت سے مملو ہے اگر کوئی شخص اصول موضوعہ اسلام کی پوری پوری پابندی کے ساتھ زندگی بسر کرے تو بغیر رخنہ ڈالے دنیاوی امور میں عمدگی بھی حاصل کر سکتا ہے اسلام کی تعلیم توحید نے تفہیم خیال معبود کو کسقدر پاک اور

صاف کردیا کہ موٹی سے موٹی سمجھ کا آدمی بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے۔
قصہ مختصر بعض پادریوں کی اصلی حقیقت تو میں نے تم سے کہدی
اس لیے لیڈی فرو والے لشپ سے جو کچھ گناہ اور جرم سرزد ہوا وہ
کوئی بات قابل استعجاب و تحیر نہیں ہے جو تم اس قدر متعجب و متحیر
ہوئیں۔"

عمدہ خانم۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ان پادریوں کی ندمت
پر کیوں اس قدر اصرار کیے ہو۔ جب میں نے تم سے ان کا ذکر سنا
تو تو ہیں آمیز طریقہ سے سنا۔ حالانکہ تم نے خود مشن اسکول میں تعلیم پائی
ان کمبخت یا نیک بخت پادریوں کی ذات سے اس قدر مستفید بھی
ہوئیں پھر تم کیوں ان کے اس طرح لتے لیتی ہو جیسے کوئی کسی کے ہاتھ
دھوکر پیچھے پڑا ہو۔ میں حیرت میں ہوں کہ انھوں نے تمھارا کیا بگاڑا کہ
مارے تکتہ چینیوں کے دھجے اڑا دیے۔ میں پادریوں کی پشتی
نہیں لیتی ہوں مگر میری دانست میں تو وہ لوگ ہر طرح قابل سراہنے
کے ہیں ایک یہ کیا کم ان کی نیکی ہے کہ ہمارے ملک کے ہزاروں
لاوارث بچوں کی وہ پرورش کرتے ہیں تعلیم و تربیت کرتے ہیں روٹی
کمانے کے لایق کر دیتے ہیں۔"

افتخار۔ "میں سچ کہتی ہوں کہ تمھارے اخیر جملہ نے تو میرے پیے
نشتر کا کام کیا میں اپنی قومی حالت کا مرثیہ کس کو سناؤں بقول شاعر
کون سنتا ہے کہانی میری اور پھر وہ بھی زبانی میری۔ مجھے جو کچھ

رونا ہے تو یہی رونا ہے کہ ہماری قوم کا اللہ بیلی ہے ؎ کس کو دکھلائیں
آبلے دل کے نہ زخم تازہ ہوئے ہیں چھلکے ۔ مجھے تو اب ناامیدی
سی ہو گئی ہے ۔ ہماری قوم ہرگز نہیں سدھر سکتی ۔ اگر ہماری قوم میں کسی
قسم کی صلاحیت ہوتی تو آج اُس کی لاوارث اولادوں کی یہہ درگت
کیوں بنتی بقول تمھارے پادری اُن کی پرورش کر رہے ہیں ہماری
قوم کو نہ پاس مذہب ہے نہ غیرت چھو گئی ہے نہ قومی ہمدردی کی بو لگی
ہے ورنہ ہزاروں یتیم خانے اور ساکیں خانے اس وقت جاری ہوتے
پھر میں دیکھتی کہ کیونکر کوئی لاوارث بچہ کسی پادری کے ہاتھ آتا ہے ۔
ہماری قوم کی حالت جو اس قدر قابل نفرین ہے اس کا بڑا سبب یہی ہے
کہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم و تربیت مفقود ہے ۔ تم نے یہہ جو کہا کہ میں نے مشن
اسکول میں تعلیم پائی اور اُن سے استفادہ حاصل کرنے پر ان کی اہانت
پر کمر باندھی ہے اس کا جواب یہہ ہے کہ بوجہ اس کے کہ میں نے مشن
اسکول میں تعلیم پائی ہے اس لیے مجھے اس کا زیادہ موقع ملا کہ میں اُن کے
کچے چٹھے سے واقف ہوں اور اُن کی حقیقی حالت کی اچھی طرح جانچ
پرتال اور چھان بین کروں لہٰذا میری رائے اس معاملہ میں بہ نسبت
کسی دوسرے کے زیادہ تر معتبر و مستند و قابل قبولیت ہے استفادہ
حاصل کرنے کی کیفیت یہہ ہے کہ میں جس مدرسہ میں تعلیم پاتی کچھ نہ کچھہ
پڑھ ہی کے نکلتی ۔ جو کچھہ لنگڑا لولا مجھے آتا ہے وہ مشن اسکول کا
طفیل نہیں ہے بلکہ میری ذہانت و کوشش کا نتیجہ ہے ۔ کہیے اب بھی

آپ کی سمجھ میں کچھ آیا یا نہیں یا مرغ کی وہی ایک ٹانگ گاؤ گی"۔

عمدہ خانم "ہاں بہو تو سچ کہا ماشاء اللہ تم خطرتاً بڑی ذہین ہو واقعی جہاں بڑی ہستیں ضرور کچھ نہ کچھ حاصل کر ہی لیتیں۔ یا دریوں کی نسبت میں نے اپنے ایک خیال کا اظہار کیا تھا تمھاری تقریر سننے کے بعد وہ خیال دور ہو گیا میرا تو اصل مطلب ہی فوت ہوا جاتا ہے یہ تو کہو یہ قصہ جو تم نے ابھی کہا اس کا اثر تم پر بھی کچھ ہوا یا نہیں۔ عشق کا مال کا رکھا یاد رکھو اس کا نتیجہ کبھی حسب دلخواہ نہیں برآمد ہوتا اس لیے کہتی ہوں کہ اُس طرف خیال ہی نہ لیجاؤ"۔

عمدہ خانم اس گفتگو کے بعد چلی گئی اور افتخار نے اپنے کمرہ میں ٹہلنا اور اپنی حالت پر غور کرنا شروع کیا چند ہی منٹ اس طرح گزرے ہونگے کہ شوکت النساء آئی اور کسی کام کے لیے بیٹی کو بلا کر لے گئی وہ دن تو کسی طرح کٹا جب شب کے کھانے سے فرصت ہوئی اور افتخار خوابگاہ میں آن کر پلنگ پر لیٹی۔ اپنے سرہانے کے تکیوں کے نیچے سے پھر اوس اخبار کو نکالا لیمپ کی بتی ذرا تیز کی اور تیسرے صفحہ کی عبارت کو پھر پڑھکر فرخ مرزا کی تصویر پر ایک نظر ڈالی اس کے بعد فوراً ہی اخبار کو پلنگ کے برابر والی میز پر رکھکر لیٹ گئی اپنے دل میں دیر تک کچھ سوچتی رہی جب بیچینی اور بیقراری بڑھی تو دل ہی دل میں یہ کہنے لگی "اللہ تو میری مدد کر میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ میرے دل کو کیا ہو گیا ہے ع نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں عجب حالت ہماری ہے۔ نیند کمبخت بھی نہیں آتی۔ ؎

کسی کی شب ہجر روتے کٹے ہے کسی کی شب وصل سوتے کٹے ہے ہماری
یہ شب کیسی شب ہے الٰہی نہ سوتے کٹے ہے نہ روتے کٹے ہے۔ ٹھنڈی
سانس لیکر یہہ شعر پڑھا ؎ سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا ہائے بس ہجوم
یاس جی گھبرا گیا۔ اس کے بعد یہہ ٹھمری کو نیا دھن میں گنگنانے لگی
اپنی تنہائیں کاسے کہوں رے تمرے کارن جو دکھ پایا۔ پہرک پیا کچھو
تمری کھبر نہیں۔ مورا کیا مورے آگو آیا۔ دو چار بار اس ٹھمری کو گنگنا کر
یہہ کہنے لگی۔ واقعی عجیب دل آویز صورت ہے مرد کی ایسی صورت تو نہیں
ہوتی آنکھوں میں موتی کسی نے کوٹ کوٹ کر بھر دیے ہیں اس پر یہ شیلا
پن، صورت میں بھولا پن کس ستم کا ہے کسی کنواری لڑکی میں بھی یہہ بات
پیدا نہیں ہے یہہ سب اُس صانع حقیقی کی قدرت کا نمونہ ہے جس نے
ایسی صورتیں بنائیں وہ خود کیسا ہوگا ع آپ تو کیسا ہے اور ہے تیری
صورت کیسی؟ سبحان اللہ صانع پاک کی بھی کیا کیا صنعتیں ہیں لطف
تو یہہ ہے کہ قادر مطلق نے صرف صورت ہی نہیں دی ہے لیاقت بھی
قیامت کی دی ہے لنڈن کے ام ڈی کی ڈگری لی جو آج تک کسی مسلمان کو
یہہ عزت نہیں حاصل ہوئی تھی ایسا شخص اگر مجھ ناچیز کا شوہر ہو تو میرے
لیے کس قدر فخر و ناز کا سامان پیدا ہو جائے خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ مجھے
بھی خدا نے یہہ رتبہ دیا ہے کہ بندہ رھوپیں برس میٹرک کلاس امتحان پاس کیا
جو ہند کی کسی مسلمان خاندان کی لڑکی سے اس وقت تک نہیں ہوا
اگر میرا شوہر بھی اسی خصوصیت کا ہو تو پھر کیا کہنا ہے مجھ میں تو چار چاند

لگ جائیں اور دنیا میں ہم دونوں مل کر کس قدر چمکیں خدا کی کارسازی و قدرت کا مانا کچھ دور نہیں ہے لیکن قسمت بھی تو یاری دے صرف قسمت ہی کچھ نہیں کر سکتی جب تک تدبیر بھی مدد نہ دے۔ تدبیر میں کیا کروں میرے امکان ہی میں کیا ہے مجھ سے کوئی تدبیر کیا ہو سکتی ہے۔ وہ کہاں میں کہاں۔ وہ تو میری ہستی سے بے خبر ہیں اگر کوئی تدبیر کروں تو میں ہی کروں۔ میں کونسی تدبیر کروں کہ برار مطلب دل ہو۔ اس میں شک نہیں کہ عمدہ خانم کا خیال صحیح ہے کہ تحریک اودھر ہی سے ہو مگر اودھر سے کوئی تحریک ہو کیونکر سکتی ہے جبکہ وہ مجھ بدنصیب جگر کباب کے وجود تک کا بھی علم نہیں رکھتے مجھی کو پیشقدمی اس میں کرنی چاہیئے مگر میں اگر کوئی خط لکھکر سلسلہ جنبانی کروں تو میرے لیے کس قدر شرم کی بات ہے اس سے ڈوب مرنا بہتر ہا کچھ لکھا کر سو رہنا اچھا۔ مجھے اللہ نے پیدا ہی کیوں کیا۔ خدا نکرے کیا ہیں تنگ خاندان ہونے کو پیدا ہوئی تھی اب جو کچھ ہو دریں دریائے بے پایاں دریں طوفان شور افزا۔

دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسیہا ایک خط تو لکھنا ہوں چاہے کچھ ہی ہو" یہہ کہکر افتخار نے اپنے رائٹنگ ڈسک (لکھنے کی میز) میں سے نوٹ پیپر (خط لکھنے کا کاغذ) نکالا اور جو جو جی میں آیا لکھ مارا۔ اس خط کو ایک لفافہ میں رکھکر اپنے سرہانے رکھکر سو رہی صبح ہوتے ہی محی الدین بی اماں کو بلا کر کہا۔ مجھے خیال آتا ہے کہ جس دن تم ایکدن کی رخصت لیکر گھر گئی تھیں تم نے اماجاں سے کہا تھا کہ تمہارا شوہر ٹیہ

(ڈاک) لیکر آیا تھا۔ کیا وہ انگریزی ٹپہ خانہ میں نوکر ہے"؟۔
محی الدین بی (کچھ متحیر ہوکر اور گردن ہلاکر) "جی ہوبادشاہ"۔
افتخار۔ (دل میں خوش ہوکر) "اب تم اُس سے کب ملوگی"؟
محی الدین بی جس کا تحیر بڑھتا جاتا تھا۔ "کیا ہے کی تقصیر۔ کل ہی میں تو گھر سے آئی ہوں اب کل کے آٹھویں دن پان کھانے جاؤں گی تو ملونگی"
(کچھ دل میں سوچکر) "ویسے تو روز ملاقات ہوتی ہے جب محلہ کا اور سرکار کا ٹپہ لیکو آتے ہیں"۔
افتخار۔ "یہ تو تم نے ٹھیک کہا آج کا ٹپہ تو ابھی کاہے کو آیا ہوگا۔؟
محی الدین بی۔ "بھلا اتنا سویرے"؟
افتخار۔ "ایلو یہہ خط لو اپنے خاوند سے کہنا کہ ڈاک خانہ میں لیجاکر اسے ڈال دے دیکھو ایک بات اور کہتی ہوں اچھی طرح سمجھ لو۔ تمہارا خاوند کچھ پڑھا ہوا ہے"؟
محی الدین بی۔ (شیخی کے لہجہ میں) "ایسے ویسے بہت ہی بہت پڑھے ہیں دست وقلم صاف ہیں قصہ کی کتابیں پڑھکر دوستوں کو سناتے ہیں پن قسمت سے لاچار ہیں یہ بھی شکر کی جائے ہے کہ آٹھ روپے کی نوکری تو ملی نہیں تو گھر میں بیٹھے تھے"۔
افتخار۔ "تو ان کو سمجھا کے کہو کہ جب کوئی خط اس پتہ سے آئے محمد کاظمی گوڑہ بکان حیات شریف خانساماں بخدمت عمدہ خانم تو وہ خط سرکار کے خطوں میں نہ ملاویں بلکہ علیحدہ تم کو دیں۔ پھر تم مجھکو چپکے سے لاکر دو

دو روپیہ لو اپنی بچی کو میری طرف سے مٹھائی کھلانا اور ان باتوں کا ذکر کسی سے نہ کرنا جو میں نے تم سے ابھی کہا ہیں تمھیں اچھی طرح خوش کردوں گی۔"

محی الدین بی نے روپے لے کر بہت ہی جھک کر سلام کیا اور خط لیکر اپنی چولی کے اندر رکھکر یہ کہتی چلی گئی۔ بادشاہ آپ اس کا خیال نکو لائیں کیا دیوانی ہوں کہ بولنے بتانے پر کسی سے بولوں گی۔"

چوتھا باب

کلکتہ میں موسم سرما ہے ڈسمبر کا مہینا چلون کا جاڑا ہے صبح کے سات بجے ہیں زیادہ حصہ آسمان کا نیلگون ہے۔ کالے بادل کے ٹکڑے جا بجا دکھائی دیتے ہیں۔ مغرب کی طرف سے کالی گھٹا امنڈی ہوئی آرہی ہے بجلی ہے کہ رہ رہ کر کوند جاتی ہے جس سے مینھ برسنے کا احتمال ہوتا ہے ہوا سرد و تند چل رہی ہے قلعہ کے میدان میں اُن سرکاری عہدہ دار و امیروں اور معزز پیشہ وروں کا جو صبح خیزی و ہوا خوری و مشی جسمانی باعث افزایش صحت سمجھتے ہیں ایک مجمع ہے کوئی گھوڑے پر سوار جا رہا ہے کوئی گاڑی پر کوئی پیادہ پا ٹہلتا جا رہا ہے کوئی بائیسکل پر جا رہا ہے کسی کی گاڑی آہستہ آہستہ جا رہی ہے۔ بائیسکل کے سواروں میں ایک جوان رعنا کوئی چوبیس پچیس برس کا تناسب اعضا و نقشہ و رنگ

کے لحاظ سے نہایت حسین جس کے چہرہ سے آثار فراست و متانت نمایاں
میانہ قامت سر پر بیل اوڈس ہیٹ لگائے گورے بھورے رنگ کے اسکوچ
ٹویڈ کا نورفک جیکٹ اور اُسی کپڑے کا نکر بوکر لندن کے مشہور خیاط بول کی
کی دکان کا سلا ہوا اور پاپوش سازبوب کا رخا کردی چڑ یکا بادامی رنگ کا بوٹ جو کڑ و نکے رنگ
سے میل کھاتا ہوا ہے پہنے آسمانی رنگ کے سلک کی خوشنما و ضعدار
ٹائی برلنگٹن ارکیڈ کی لگائے جیب میں ریشمی رومال ٹائی کے رنگ سے
ملتا جلتا جس کا ایک ذرا سا کونہ باہر نکلا ہوا تھا نہایت تیزی سے نہ دھیمی
رفتار سے انگلستان کے مشہور کارخانہ پرایمر سائیکل کمپنی کی بنی ہوئی نیو سٹیک
بائیسکل چلاتا جا رہا ہے جاتے جاتے مڈلٹن روڈ کی طرف موڑا جو نہی اُس
سڑک کی موڑ پر پہنچا کہ سامنے سے ایک ربلی کارٹ آیا جس پر ادھیڑ
عمر کا ایک انگریز سوار تھا جو اوس نوجوان سے اس طرح مخاطب ہوا
گڈ مورننگ فرخ! کیا صبح کی ہوا خوری سے فارغ ہو کر مکان واپس
جا رہے ہو؟ آج کیا پیاری سردی ہے"!

فرخ — "گڈ مورننگ ڈوکٹر! ہاں میں مکان واپس جا رہا ہوں
ابر تو خوب گہرا ہے پانی برسا ہی چاہتا ہے آپ جہاں جانے کو ہوں
جلد پہونچنے کا قصد کیجئے۔ آپ کی گاڑی بے ٹوپ کی ہے" ربلی کارٹ
قلعہ کے میدان کی طرف چلا گیا اور فرخ نے اپنی بائیسکل کی رفتار تیز
کی کیونکہ آثار بھی اب شروع ہو گیا اور گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔
ناظرین فرخ کے نام سے غالباً سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ وہی فرخ ہے جسکا

مدا ختم ٹوٹی عدد نام سے کر

پورا نام فرخ مرزا ہے جس کی تصویر دیکھکر ہماری پیروین افتخار النساء بیگم
ہو گئی ہے اس کے تھوڑے سے اور ضروری حالات بھی اس مقام پر
درج کیے جاتے ہیں۔ فرخ کے والد نواب فریدوں مرزا بہادر متخلص بہ
گویا لکھنو کے رہنے والے خاندان نیشاپور کے ایک رکن رکین ہیں۔
غدر کے زمانہ میں جیسا کچھ لکھنؤ لٹا اور پرانے خاندانوں پر تباہیاں
آئیں اون سے ایک زمانہ واقف ہے فریدون مرزا کا خاندان بھی
ان تباہیوں سے مستثنیٰ نہیں رہا خاندانی دولت و ثروت کے
تلف ہو جانے کے بعد بھی فریدون مرزا کی مالی حالت کچھ ایسی فراخ
نہ تھی جس کا سبب یہ ہے کہ فریدوں مرزا کے والد نواب جمشید مرزا نے
غدر کے زمانہ میں کئی انگریز افسروں کو پناہ دیکر اون کی جانیں باوجود
کے پنجوں سے بچائی تھیں۔ اس لیے سرکار انگریزی کی فیاضانہ پولیسی نے
جمشید مرزا کو سو روپیہ ماہانہ کا وثیقہ دار بنا دیا تھا جمشید مرزا کی وفات
کے بعد سو روپیہ ماہانہ کا وثیقہ اُن کے بیٹے فریدون مرزا پر منتقل ہوا۔
علاوہ اس وثیقہ کی آمدنی کے فریدوں مرزا جو ابتدائے عمر سے ذہین
و ہوشیار و ہونہار و باہمت شخص تھے حکام وقت کی عنایات سے
تحصیلداری کی نوکری کر کے بتدریج ترقی پاتے پاتے اب درجہ اول کی
ڈپوٹی کلکٹر ہیں اور آٹھ سو روپیہ ماہانہ پاتے ہیں۔ فریدوں میرزا نے بسبب
ایک روشن خیال شخص ہونے کے اپنے اکلوتے بیٹے فرخ کو تعلیم و تربیت
بھی اعلےٰ درجہ کی دی فرخ بچپنے ہی سے نہایت ذہین اور ذکی ہے

سچ ہے کہ "سالے کہ نکوست از بہارش پیدا"۔ اس کی عمر کوئی دس ہی برس کی تھی اُردو میں بخوبی نوشت وخواند کرنے لگا تھا بچہ کو ہونہار دیکھکر فریدوں میرزا نے اوس کو لیجا کر کلکتہ کے ڈوٹن کالج کے بورڈنگ میں داخل کر دیا تھا تا کہ شبانہ روز انگریزوں کے بچوں کے ساتھ رہکر انگریزی زبان جلد آئے اور لکھنو کی بُری صحبتوں سے چھٹکارا پائے چنانچہ فریدوں میرزا کا خیال پورا ہوا فرخ نے پندرھویں سال میٹرک کا امتحان فرسٹ گریڈ میں پاس کیا اس کے بعد پریسڈنسی کولج میں داخل ہوا اٹھیسویں سال بی اے کی ڈگری اونرس کے ساتھ لی۔ ریلی کارٹ پر جو ادھیڑ عمر کا انگریز ابھی فرخ کو ملا تھا یہ ڈوکٹر ایلگزنڈر رسل پی۔ ایچ ڈی پرنسپل۔ پریسیڈنسی کولج کا تھا جو فرخ کو بوجہ اس کے ذہین وذکی ہونے کے ایام طالب العلمی میں بہت عزیز رکھتا تھا جس سال فرخ نے بی۔ اے کی ڈگری لی اسی سال اس کی ماں نے اس جہان فانی سے انتقال کیا تھا بیسویں برس فرخ انگلستان بھیجدیا گیا تھا جبکہ چھبیسواں سال لگا تو فرخ لندن یونیورسٹی کی ام ڈی۔ اور بی۔ ایس۔ سی کی ڈگریاں لیکر وطن واپس آیا۔ بقول شخصے ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ فرخ کے خیالات بچپنے ہی سے نہایت بلند وعالی تھے اُس نے آئی۔ ام۔ ایس (انڈین میڈیکل سروس) کا امتحان تقابل اس لیے پاس نہیں کیا کہ سرکاری نوکری کرنی پڑے گی۔ فرخ ملازمت کے نام سے اس قدر چڑتا ہے کہ جہاں نوکری کا نام آیا کہ آگ بھبوکا ہو جاتا ہے جو لوگ کہ ملازمت کے خواستگار ہیں

انگلیس نہایت پست ہمت اور ناکارہ محض سمجھتا ہے آزادی کو اپنی
جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے جب وہ یورپ سے واپس آیا تو اُس کو
پریکٹس کا خیال ہوا مگر سوال یہہ پیدا ہوا کہ کون سے مقام میں طبابت
شروع کرے فریدون مرزا نے جیسے ایک عرصہ تک اپنے چہیتے اور قابل
فخر فرزند سے جدا رہنا پڑا تھا اور جواب مفارقت کے نام سے ڈرتے
لگا تھا بیٹے کو یہہ مشورہ دیا کہ اپنے وطن لکھنؤ ہی میں مطب کھولے مگر فرخ کا
خیال اس کے خلاف تھا اُسکو بعیوض لکھنؤ کے کلکتہ زیادہ پسند آیا جس کے
وجوہ اوس نے یہ بیان کئے کہ لکھنؤ کی دیسی سوسائٹی بوجہہ اختلاف خیالات
وذاق ایک یورپ کے تعلیم یافتہ شخص کے لیے دلچسپ نہیں ہو سکتی۔
یورپینوں کا دیسیوں سے برتاؤ عموماً نہایت دل شکن ہے گو اس میں
دیسیوں کا بھی کچھ قصور ہے کیونکہ عموماً وہ بھی تہذیب زمانہ کے موافق
عمل نہیں کرتے تاہم فرخ سے جو ہمہ تن ہمدرد قوم ہے اپنے بھائیوں کی
توہین وتذلیل دیکھی نہیں جاسکتی لکھنؤ کی عام جہالت اس کی مقتضی
نہیں ہے کہ یورپین ڈاکٹروں کے مقابلہ میں دیسی لوگ اپنے مقدم
ڈاکٹر کی چاہے وہ کیسا ہی لایق کیوں نہ ہو قدر ومنزلت کریں۔ لکھنؤ
میں قومی تمول بھی ایسا نہیں ہے کہ بہت سے اعلیٰ درجہ کے ڈاکٹر ونکی
کھپت ہو برخلاف اس کے کلکتہ میں قومی تمول باعتبار لکھنؤ کے بہت
بڑھا ہوا ہے۔ چونکہ دیسی لوگ کثرت سے تعلیم یافتہ ہو گئے ہیں اور بہت
سے با اختیارات دیسیوں کے ہاتھ میں ہیں اس لیے انگلو انڈینوں کا

برتاؤ دیسیوں کے ساتھ کسی قدر بہتر ہے دیسی سوسائٹی میں مغربی تہذیب کے اجزا کا کافی مقدار میں پیدا ہو جانے سے یورپ کے تعلیم یافتہ اشخاص کی دلچسپی بھی ایک حد تک ہوتی ہے گورنمنٹ کی اعلیٰ ترین حکام کا قرب رہنا ہے قطع نظر ان تمام وجوہ کے فرخ کلکتہ میں ایک بڑا حصہ اپنی ابتدائی عمر کا گزار بھی چکا ہے وہاں کی خوبو کا عادی ہو گیا ہے اس لیے اوس نے کلکتہ کو لکھنو پر ترجیح دی۔ فرخ کی ماں اگر زندہ ہوتی وہ کبھی اس کی روادار نہ ہوتی کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو جو ایک عرصہ تک علیحدہ رہا پھر جدا رکھے وہ ضرور آ جاتی اور کبھی فرخ کو کلکتہ جانے نہ دیتی۔ گو باپ بھی بے انتہا بیٹے کو چاہتا ہے اور ایک عرصہ تک وہ بھی ہجر کشیدہ رہا۔ مگر طبیعت معقول پسند ہونے کی وجہ سے اوس نے فرخ کی رائے منظور کر لی۔ وطن واپس آنے کے دس ہی گیارہ روز کے بعد فرخ کلکتہ چلا گیا۔ چلتے وقت باپ نے پانچہزار کے نوٹ بیٹے کو اس غرض سے دیے کہ متوسط درجہ کا گاڑی گھوڑا اور مکان کا فرنیچر اور ضروری آلات وغیرہ طب کے لیے خرید کرے اور اس کا بھی وعدہ کیا کہ پانچ سو روپیہ ماہانہ اوس وقت تک بیٹے کو برابر دیئے جائے گا جب تک کہ اوس کا کام چل نکلے زمانہ طالب العلمی کے بہت سے دوست فرخ کے کلکتہ میں تھے جن کے مشورہ سے فرخ نے ہیرلگٹن[1] روڈ میں ۱۱۷ کی کوٹھی ڈیڑھ سو روپیہ ماہانہ کرایہ پر لی اور شفاخانہ کے لیے

---

[1] سڑک کا نام۔

کولہوٹولہ میں بنٹنک اسٹریٹ[1] کا ۲۲ نمبر کا مکان پچاس روپیہ کرایہ پر
لیا تیس سو روپیہ ماہانہ میں اوس نے جیب خرچ گاڑی بگھوڑے کے مہینہ
کی تنخواہ کا انتظام کیا فرخ کے دل میں نجانے اللہ حزن و سوز بہت ہے
ہمدردی انسانی و قومی اس کی جبلیت میں داخل ہے مروت و خلق کا
پتلا ہے عالی حوصلہ مخیر اور غیور پرلے درجہ کا ہے باریک بین بلا کا ہے
دوست پرستی اور مہمان نوازی اس کا شیوہ ہے بقول شخصے ۔ ؎ عیب
ذات خدا کی ۔ جہاں بہت سی خوبیاں فرخ میں ہیں وہاں کچھ کمزوریاں بھی ہیں ۔ اس کے مزاج میں ذرا تلون ہے ۔ گو عمر پچیس سال
سے متجاوز کر گئی ہے مگر ابھی لاپن باقی ہے سب پر بالا عشق بازی کا چسکا
ہے بقول کسی شاعر کے ۔ کچھ داغ جوانی میں نہیں عشق کا چسکا ۔ پچیس
میں بھی ہم کھیل جو کھیلے تو ضم کا ۔ یہ کوئی پندرہ سولہ برس کا قصہ گزرا ہے
کی تعطیلوں میں حسب معمول ایک دفعہ وطن آیا اتفاقیہ مہایہ کی ایک
حسین و مہ جبین لڑکی خورشیدی بیگم پر جس کی ماں سے اور فرخ کی والدہ سے
بڑا دوستانہ تھا اور جو اپنی ماں کے ساتھ فرخ کے ہاں اکثر آیا جایا کرتی تھی
فرخ کی نظر پڑی دیکھتے ہی بے ساختہ عاشق ہو گیا وہ بھی اس کو چاہنے لگی
فریقین میں کوئی ناجائز تعلق نہیں ہوا مگر ایک دوسرے کا عاشق زار تھا
تعطیلوں کے ختم ہونے کے بعد فرخ کلکتہ واپس چلا گیا مگر اس لڑکی کی للک
لیتا ہوا اور داغ بردل گیا گیا ۔ فرخ نے قطعی ارادہ اوس لڑکی سے شادی

---

[1] سڑک کا نام ۔

کرنے کا کر لیا تھا۔ مگر اصل یہہ ہے کہ ؎ ما درچہ خیالیم و فلک در چہ خیال
کارے کہ خدا کرد فلک را چہ مجال۔ چند ہی دنوں کے بعد بعارضہ صفیہ
یہہ ناشدنی لڑکی انتقال کر گئی اور فرخ کو ہمیشہ کے لیئے ایک ناسور اور
اپنی جدائی کا داغ دی گئی۔ زمانہ اقامت انگلستان میں بھی اس نے
ایک معزز خاندان کی ایک حسین لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کی غرض سے
سلسلہ کورٹ شپ شروع کیا تھا زیادہ عرصہ نہیں گزرنے پایا تھا کہ
فرخ نے اس مسئلہ پر غور کرنا شروع کیا کہ ایک ہندوستانی کا ایک انگریز
سے شادی کرنا بہمہ وجوہ کیسا ہی آخر یہہ فیصلہ کیا کہ نہایت مضر ہے اس لیے
رفتہ رفتہ بڑھتے ہوئے روابط کم کر دیئے۔ فرخ اپنے والد کے اثرات کی
وجہہ سے جلیل القدر انگریز حکام کے متعدد خطوط تعارف کرانے کے اپنے
ہمراہ لندن لیتا گیا تھا اس لیے وہاں کے بڑے بڑے امرا کی سوسائٹیوں
میں اس کی رسائی ہوئی جس جلسہ و صحبت میں فرخ جاتا تھا اوس کے
حسن خداداد اور بے نظیر دماغی قابلیتوں کی اور اوس کے علم مجلس و
آداب مجالس کی ہر شخص مدح و ثنا کرتا تھا۔ اس کے خمیر میں صانع حقیقی نے
مادہ طلاقت لسانی بھی کافی مقدار میں ودیعت کیا ہے اور حافظہ تو مثل
مقفنوں کے دیا ہے تھوڑی سی مشق نے اسے اچھا خاصہ اسپیکر (مقرر)
بنا دیا ہے اسے پولٹکس (اصول سیاست و تمدن) سے طبعی مناسبت اور
بڑی دلچسپی ہے اس لیے لندن کی اکثر ایسی انجمنوں کا ممبر ہو گیا تھا جس
میں مسایل مفید ہند کے متعلق مباحثے و مناظرے ہوا کرتے تھے۔ جب کسی

مسئلہ پر تقریر کرتا ہے تو اس کے معقول خیالات اور انداز بیان کی ہر شخص
تعریف کرتا ہے جہاں اس کی آنکھوں میں موہنی ہے اس کی زبان میں
بھی جادو بھرا ہے جو کوئی اُسے ایک دفعہ دیکھ لیتا ہے یا اُس سے ہمکلام
ہوتا ہے اوس کی دوستی کا دم بھرنے لگتا ہے قدرتاً اس کی زبان میں
بڑی شیرینی ہے اور عمدہ تربیت نے اُسے اور بھی زیادہ کر دیا ہے ہر کہہ
ومہ و ادنیٰ و اعلیٰ سے نہایت نرمی و شائستگی سے گفتگو کرتا ہے اس لیے
ادنیٰ طبقہ کے لوگ بھی اُس کے بہت گرویدہ رہتے ہیں اور ہزاروں دشمن
صحت و سلامتی کے لیے دیتے ہیں کسی کی دل شکنی کرنا تو جانتا ہی نہیں ہے
وہ اس مسلک کا آدمی ہے جس کا اصول یہ ہے ؎ می خور و صحف بسوز
آتش اندر کعبہ زن ہا ساز آن بت خانہ باش و مردم آزاری مکن۔ اس لیے
دنیا میں اُس نے دشمن کم اور دوست زیادہ بنا رکھے ہیں مادہ شاعری تو
ورثہ میں لایا تھا جبکہ خورشیدی سے دل لگایا تو شوق شاعری بھی گرمایا
اپنا تخلص مہجور رکھا خورشیدی کے مرنے کے بعد ایک مثنوی طلسم حیرت
کوئی چار سو اشعار آبدار کی لکھی تھی جس میں بے نہایتی عالم کا نہایت عمدہ
نقشہ اُتارا تھا یہ ابتدائی تصنیف بلحاظ مضمون آفرینی و جدتی بندش
و خیال زبان دانی طرز قدیم کی شاعری کا عمدہ نمونہ ہے علاوہ اس کے
مختلف بحروں میں متعدد غزلیں بالکل نئی زمین اور اچھوتے مضامین
کی کہی ہیں ماورا رنجیتہ کے ہر ج کی بہا کہا میں بھی دوہرے چھند ٹھمریاں
کجریاں سنیت ساون بہت سے کہے ہیں۔ ایک زمانہ میں موسیقی کا شوق بھی

پیدا ہو گیا تھا۔ جو اس وقت تک بدرجہ اتم قایم ہے فرخ ڈلٹن روڈ سے بائیسکل کی رفتار تیز کرتا ہوا ہیرنگٹن روڈ کی کوٹھی ۱۱ میں آن کی آن میں پہونچ گیا اسکا گھر پہونچنا تھا کہ پانی بھی زوروں سے برسنے لگا۔ گھر پہونچکر بائیسکل تو برساتی میں چھوڑ دی خود بالاخانہ پر اپنے کمرہ میں چلا گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے حسب معمول اس کا بیرا بھی دوڑتا ہوا گیا۔ فرخ کو ہوا خوری کے کپڑے بدلنے تھے اس لیے سیدھا ڈریسنگ روم میں گیا اس کے ساتھ ہی اس کا بیرا بھی کپڑوں کے اتارنے اور دوسرے کپڑوں کے پہننے میں مدد دینے کے لیے اندر گیا فرخ کپڑے اتارتا اور پوچھتا جاتا ہے۔

فرخ۔ "بیرا آج کی ڈاک آئی"

بیرا۔ "ہاں صاحب ابھی پوسٹ مین چپراسی کو دیکر گیا"

فرخ۔ "میرے جانے کے بعد احمد صاحب آئے تھے"

بیرا۔ "نہیں صاحب احمد صاحب نہیں آیا پارک لین کے چار نمبر کا کوٹھی کا صاحب آیا تھا۔ آپ کو پوچھکر چلا گیا"

فرخ۔ "بوس صاحب کو تم نے کیوں نہیں بٹھایا"

بیرا۔ "ہم بولا تھا ہمارا صاحب ابھی آتا ہے آپ ٹھہرو بوس صاحب بولا سانجھ کو پھر آئے گا" احمد کا پورا نام غازی الدین احمد ہے۔ یہہ موضع نگرنسہ ضلع عظیم آباد صوبہ بہار کے ایک دولتمند زمیندار کا فرزند ہے۔ بوس کا پورا نام بین بہاری بوس ہے یہہ کلکتہ کے ہائیکورٹ کے

لہ ایک قسم کا ملازم جسے آیا دیس اوڑیسنگ بوائے کہتے ہیں۔

مشہور وکیل شام بہاری بوس کا بیٹا ہے بہہ دونوں فرخ کے بڑے گہرے دوست ہیں آپس میں ان تینوں کے خوب گاڑھی چھنتی ہے احمد اور بوس پریسیڈنسی کولج میں فرخ کے ہم سبق تھے۔ احمد بیرسٹری کی ڈگری لیے انگلستان چلا گیا تھا۔ بوس ایم۔ اے کی ڈگری لے کر انگلستان گیا تھا۔ بہہ دونوں الٹر ابار کی ڈگریاں لیکر کچھ دنوں آگے پیچھے ہندوستان واپس آئے۔ کلکتہ ہائیکورٹ میں حیثیت بیرسٹر ایٹلا کے پریکٹس کرتے ہیں ان دونوں کی محبت بھی فرخ کے کلکتہ آنے کی اور یہاں سکونت اختیار کرنے کی ایک عدتک باعث ہوئی انگلستان میں بھی ان تینوں میں اکثر یکجائی رہتی تھی جب سے فرخ کلکتہ آیا ہے دونوں اپنے پرانے دوست کے گلے کے ہار بن گئے ہیں اکثر اوقات صبح و شام کی ہوا خوری کو تینوں مل کر ساتھ جاتے ہیں شب کا کھانا بھی بسا اوقات تینوں ساتھ کھاتے ہیں کبھی فرخ کے مکان میں کبھی بوس کے ہاں کبھی احمد کے گھر کسی ہوٹل یا رستوراں میں۔ کلکتہ میں تینوں کے رہنے کی کوٹھیاں بھی قریب قریب ہیں غرض آپس میں بے انتہا خلوص ہے اور ایک دوسرے کا رازدار دوست ہے بوس کو انگلستان سے واپس آئے اور ہائیکورٹ میں داخل ہوئے ابھی پورا ایک سال نہیں ہوا مگر آدمی از بسکہ قابل و جفاکش ہے ہائیکورٹ کے اُرجنل سائیڈ (جلسہ ابتدائی) کے کئی مقدمہ اس کو ملے اور سب میں کامیاب ہوا۔ صیغہ مرافعہ کے چند مقدموں میں اوس نے بڑی زور دار اور عالمانہ بحثیں کر کے اپنے

ہم پیشہ لوگوں میں اپنی قابلیت کا سکہ ابھی سے جمایا ہے۔ برخلاف
اس کے باوجودیکہ احمد کو انگلستان سے واپس آئے اور پریکٹس شروع
کئے ڈیڑھ برس کا عرصہ ہونے کو آیا ہنوز صیغہ ابتدائی کا ایک مقدمہ بھی
نہیں ملا اپیل خاص کے صرف دو مقدمے صیغہ مرافعہ میں ملے تھے
دونوں میں ناکامیاب ہوا یہ شخص بھی صاحب مادہ اور ذہین ہے مگر
بیحد آرام طلب و عیش پسند ہے۔ زیادہ وقت دل لگی اور مذاق میں
گنواتا ہے اس کا باپ چار سو روپیہ ماہانہ بھیجتا ہے اس پر بھی مقروض
رہتا ہے اس کا خیال ملازمت کی طرف راغب ہے اکثر بلو بیڈ پر مس نفلٹ
گورنر سے جاکر ملا کرتا ہے تاکہ کم از کم ڈیوٹی کلکٹری کی خدمت مل جائے
فرخ احمد کا اس معاملہ میں ہم خیال نہیں ہے کیونکہ فرخ کو ملازمت کے نام
سے چڑ ہے۔ فرخ دوسرے کمرے میں جاکر نیچے اوفس روم میں آیا کمرہ میں
داخل ہوتے ہی میز پر سے ان خطوں اور اخباروں کو اوٹھا کر دیکھنے لگا
جو صبح کی ڈاک میں آئے تھے۔ یکے بعد دیگرے ہر ہر خط کے لفافہ اور اخبار کے
طبلق پر ایک سرسری نظر دوڑائی اُن خطوں میں ایک اردو بیرنگ خط پر
اس کی نظر پڑی جس کو بغور دیکھنے لگا۔ اس کی کچھ عجیب حیثیت اور
انوکھی ترکیب ہے۔ لفافہ کا ٹکٹ جبکہ کاتب نے لٹر بکس میں ڈالنے کو
دیا ہوگا تو یقیناً سفید ہوگا مگر نہ معلوم کس بے احتیاطی سے کہاں کہاں
رہا اور کن کن ہاتھوں میں مارا پھرا اوس کی اصلی رنگت نہیں
رہی ہے میلا کچیلا ہوکر کچھ عجیب رنگت اس کی ہوگئی ہے مختلف ڈاکی تو

[illegible] ایک [illegible] گورنر رہتے تھے۔ ۱۲ ونر کا کمرہ

متعدد مہریں اُس پر ہیں۔ مکتوب الیہ کا پتہ بھی عجیب فریبہ سے بایں عبارت لکھا ہے۔ یہہ خط شہر لکھنؤ میں پہنچکر ڈاکٹر فرخ مرزا صاحب کو جو ابھی لندن سے ڈاکٹری کی سند حاصل کر کے آئے ہیں شہر کے جس گلی کوچہ میں مقیم ہوں پہنچے۔ لفافہ کے ایک گوشہ پر یہہ عبارت لکھی ہے۔ اے ڈاکئے میاں تمھیں اللہ کی قسم مکتوب الیہ کے ہاتھ خط میرا دینا۔ پیشانی لفافہ پر یہہ شعر لکھا ہے۔ ؎ لیے جاتا ہے نامہ مسکیں + بال یہ کیا نہ ہو کبوتر کا۔ دوسری طرف جو مقام کھولنے کا ہے یہہ شعر لکھا ہے ؎ کیا اشتیاق دید پر یوں ہے دیکھنا + آنکھ اپنی ہے لفافہ خط پر لگی ہوئی۔ لفافہ کی یہہ شان نزول دیکھکر فرخ کچھہ ہنسا کچھہ متحیر ہوا۔ لفافہ چاک کر کے خط پڑھنا شروع کیا۔ شروع کی دو سطریں بھی پوری نہیں پڑھی تھیں کہ خط کا اخیر کا حصہ کاتب کا نام و پتہ دیکھنے کی غرض سے پڑھا مگر اس کی کچھہ تشفی نہیں ہوئی پھر شروع سے پڑھنے

خط

جان نہ پہچان خالہ بڑی سلام

جناب ڈوکٹر صاحب۔

مزاج مبارک۔ میں خیال کرتی ہوں کہ آپ میری اس بے تکلفی کے ساتھہ خط کرنے سے بیحد متعجب ہوں گے۔ بیشک آپ کا متحیر کوئی بیجا بات نہیں ہے کیونکہ یہہ ایک ناآشنا اور بالکل اجنبی آواز ہے جو اس وقت آپ کے کانوں میں آرہی ہے مگر نہیں نہیں اے میرے ناآشنا ڈاکٹر آپ پریشان نہ ہوں اس کو کوئی دقیق مسئلہ یا مشکل پہیلی نہ سمجھیے بلکہ یہہ ایک ایسی تعجب خیز اور رازدار

آواز ہے جو ابھی ابھی اپنا کسیقدر مقصد آپ کے سامنے پیش کر کے آپکا
دو منٹ کا استعجاب دور کئے دیتی ہے ذرا ادھر متوجہ ہو جیئے اور غور
سے سنئے (کان رکھکر میرا افسانۂ فرقت سن لو) ڈسمبر کی انیس تاریخ ہے
تقریباً رات کے گیارہ بجے ہوں گے ایک کمرہ میں ایک خوبصورت میز پر
زمانہ کے مذاق اور تہذیب کے موافق چند اخبار جو روزمرہ ہمارے ہاں
آیا کرتے ہیں ایک خوش قطعہ لیمپ کے پاس رکھے ہیں میں اپنے سنسان
کمرہ میں اپنی مسہری میں لیٹی ہوئی ان اخباروں میں سے ایک اردو
اخبار کو جس کا نام ریدیۂ سکندری ہے لیکر بڑے شوق سے پڑھ رہی
تھی۔ اس اخبار کے صفحہ ۳ میں آپ کی تصویر اور آپ کے مختصر حالات
ہیں جن کے دیکھنے سے میرے بیچین دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کسی
نہ کسی طرح ان ڈاکٹر صاحب کے احوال واقعی سے بالکلیہ آگاہی ہونی
چاہیے اس خیال کو میں نے کئی روز ضبط کیا اور اسی ادھیڑ بن میں
رہی کہ ڈاکٹر صاحب موصوف سے مستفسر حالات ہوں یا نہ ہوں ایسا نہ
ہو کہ خدانخواستہ ڈاکٹر صاحب کو بجائے محمود میری طرف سے کسی قسم کا
سوئے ظن ہوا اور محض اجنبی سمجھکر میری بات کو معرض التوا میں ڈالدیں
(میں نہیں غیر کی تمھاری ہوں) یہہ خیالات میرے دماغ میں شک پیدا
کر رہے تھے کہ دفعتاً میرے پاک دل نے سچی گواہی دی کہ خبردار ہرگز
ہرگز ایسا خیال نہ کرنا چاہیئے کیونکہ تو محض ایک مبارک خیال دل میں رکھکر
مستفسر حالات ہوتی ہے لہذا ڈاکٹر صاحب کو بھی اپنے احوال واقعی سے

اظہار میں ہرگز کسی قسم کا شک واقع نہ ہوگا۔ اس دلی جوش نے میرے صفحا سینہ میں یہاں تک تلاطم برپا کیا کہ آخر مجبور ہو کر لیٹے لیٹے اُٹھ بیٹھی اور قلم اٹھایا جو جو خیالات میرے اضطراب بھرے دل میں کئی روز سے بعد جوش زن تھے لکھکر مستفسر حالات ہوتی ہوں۔ میں امید کرتی ہوں کہ آپ بھی میرے سوالات مندرجہ ذیل کے جوابات میں تسلسل کا خیال ضرور رکھیں گے۔

(۱) آپ کا سن مبارک (تم سلامت رہو ہزار برس ۔ ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار) کیا ہے؟

(۲) آپ کے والدین (خدا زندہ اور سلامت رکھے!) موجود ہیں؟

(۳) والد بزرگوار اور والدہ ماجدہ کے اسمائے مبارک سے آگاہ کیجیے۔

(۴) والد بزرگوار کی وجہ معاش کیا ہے اور کس قدر ہے اور کس خاندان سے ہیں۔

(۵) اپنے مذہب سے مطلع فرمائیے۔

(۶) آپ کی شادی خانہ آبادی ہوئی ہے؟

(۷) اگر بیاہ ابھی نہیں ہوا تو کہیں نسبت ٹھہری ہے۔

(۸) اگر ہنوز نسبت بھی نہیں ٹھہری ہو تو شادی کرنے کا خیال آپ کا اور آپ کے والدین کا کیسے خاندان میں ہے۔؟

(۹) آیا لڑکی کی خاندانی شرافت و عظمت و حُسن سیرت کا خیال زیادہ تر کیا جائیگا یا ظاہری امارت کا؟

جناب۔ ڈاکٹر صاحب میں نہایت خلوص کے ساتھ امید کرتی ہوں کہ میرے مذکورۂ بالا سوالات کے جوابات اور نیز اپنے خاندان کے دیگر مناسب حالات بہت جلد لکھکر مجھکو بیحد ممنون کیجئے گا۔

ڈاکٹر صاحب جواب خط سے مشرف کیجئے اور ضرور کیجئے۔ جواب اس پتہ پر بھیجئے۔ حیدرآباد دکن۔ محلہ کاچھی گوڑہ۔ بمکان حیات شریف خانساماں بخدمت عمدہ خانم۔

راقم

ایک منتظر حالات و منتظر جواب

فرخ نے ایکدفعہ خط تمام کرنے کے بعد دوبارہ پھر پڑھا اور خط میز پر رکھکر ٹہلنے لگا اتنے میں گاڑی تیار ہوکر آئی۔ اس گمنام خط کو تو میز کے خانہ میں نہیں کردیا بقیہ خطوط اور اخبار اسے ہاتھ میں لیتا ہوا گاڑی پر سوار ہوکر اوسی موسلا دھار مینھ میں ڈسپنسری چلا گیا۔

پانچوان باب

اس وقت کا سماں بھی کیا سہانا سماں ہے شام کے پانچ بج چکے ہیں چونکہ جاڑوں کے دن چھوٹے ہوتے ہیں اس لیے آفتاب عالمتاب نے ابھی سے دامن مغرب میں اپنا رخ منور چھپانا شروع کردیا ہے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ اوڑتے ہوئے اپنے اپنے آشیانوں کی طرف جارہے ہیں صبح کو جو کئی گھنٹے خوب زور و شور سے پانی برس گیا ہے تو گرد و غبار کہیں نام کو نہیں ہے

مطلع صاف ہے مغرب کی طرف ڈوبتی ہوئی ہلکی ہلکی شفق کا نظارہ غضب ڈھا رہا ہے ہیرنگٹن روڈ کے گیارہ نمبر کی کوٹھی جس طرح اندر تکلف اور خوش سلیقگی سے سجائی گئی ہے اسی طرح اس کا باہر کا چمن بھی قابل دید ہے لہلہاتے ہوئے سبزوں اور رنگارنگ کے پھولوں پر عجب بہار ہے ایک ایک جنس کے متعدد اقسام کے پھول پتے ہیں طرح طرح کے بگونیا[1] قسم قسم کے جرانیم اور آلیوی جرانیم گوناگون رنگ کے پنک ڈبل پنک ہولی ہوک وربینیا رنگ برنگ کے کنا پٹونیا شگونیا زینیا بے شمار نادر الوجود انواع کے خوبصورت خوبصورت کروٹن کلیڈیم کولیس خوش قطع کیاریوں میں مناسب موقعوں پر نصب ہیں اور گملوں میں کیاریوں کے نقشوں میں عقل اقلیدس کامل طور سے کام میں لائی گئی ہے کیاریوں کے بورڈروں (کناروں) میں بھی بڑی صنعت صرف کی گئی ہے اس کوٹھی کے احاطہ میں چمن کے قریب ایک سمر ہوس بھی ہے جس پر طرح طرح کی بیلیں چڑھی ہیں اور جس میں ایک چھوٹی فرنری ہے جس میں قسم قسم کے روک فرنس میڈن ہیر فرنس پام وغیرہ بھرے ہوئے ہیں اور یہ سب کمیاب و نادر اقسام کے ہیں خوشبودار پھولوں میں قسم قسم کی للی گلاب داودی اسٹفولوٹس والولٹ گارڈینیا لائیلک وغیرہ سے بھی چمن لدا ہوا ہے ان پھولوں کی ہلکی ہلکی بھینی بھینی خوشبو نے ساری کوٹھی کو بسا رکھا ہے پیچھے بھی ایک چھوٹا سا خانہ باغ ہے جس میں چیدہ چیدہ اور منتخب میووں کے اور پھولوں کے قدآور درخت ہیں جن میں سے چنبیلا چلم کامنی اور ہار سنگار کے پھولوں کی

[1] بگونیا وغیرہ انگریزی اقسام کے پھولوں کے نام

لیٹ نے بھی وہاں کی ہوا کو معطر کر رکھا ہے چمن کے بیچ میں نہایت بہادری
سنگ مرمر کا ایک خوبصورت سا حوض ہے جس میں سبز مچھلیاں تیر رہی ہیں
اور جس میں ایک خوش وضع فوارہ نصب ہے اور وہ اس وقت زور و شور سے
چھوٹ رہا ہے۔ اس چمن کا کچھ عجیب دلاویز نکھار اور جوبن ہے کہ ایک
کلدستہ یا چوٹھی کی دلہن معلوم ہوتا ہے۔ کوٹھی کے اندرونی حصہ کی قابل
تعریف سجاوٹ کا باعث فرخ ہے مگر چمن کی آراستگی ایک انگریز سوداگر کی
شوقین بیوی کی محنت و شوق کا نتیجہ ہے جو کرایہ اس مکان میں عرصہ دراز
تک رہی تھی انگلستان جانے کے وقت اس کا ارادہ ان بیش بہا
پھولوں کے گملوں کو نیلام کرانے کا ہوا تھا مگر مالک مکان یا بوکنٹ جنٹ رسیل
نے زینت مکان کے خیال سے یہ گملے بہ قیمت مناسب خرید لیے تھے چونکہ
فرخ بھی پھول پتوں کا عاشق ہے اس چمن کی درستی و ترقی کا ہمیشہ خیال
رکھتا ہے اس کا معمول یہ ہو گیا ہے کہ مالیوں کو لیکر گھنٹہ آدھ گھنٹہ صبح یا
شام کا اس چمن میں صرف کرتا ہے اور اپنے ہاتھوں سے بھی کاٹنے چھانٹنے کا
کام کرتا ہے بہ حیثیت ڈاکٹر کے وہ اس قسم کے شغل کو طبی اصول سے جایز
ہی نہیں بلکہ موجب افزایش صحت و فرحت تصور کرتا ہے سارے چمن کا
خوشنما و پیارا منظر ایسا دلفریب ہے کہ راستہ چلنے والوں تک کو بھاٹک کے
سامنے تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرا دیتا ہے اگر کوئی مہجور عاشق جس کو صحرا و
بیابان کے سوا اور کچھ نہ سہاتا اور بھاتا ہو وہ بھی اگر اس کی بہار پرفزا
کو دیکھ لے تو تھوڑی دیر کے لیے اپنی دل گرفتگی و وحشت کو ضرور خیرباد

کہدے اس چمن کو رشک جنان اور کوٹھی کو فردوس منزل کہیں تو بیجا
نہ ہوگا۔ ابھی کوئی آدھا گھنٹہ ہوا ہوگا کہ فرخ دواخانہ سے واپس آیا۔
آتے ہی اوس نے کپڑے بدلے مُنھ ہاتھ دھوکر چائے پی اور بنہ کے خانہ میں
سے صبح والا خط نکالا۔ خط لیتا ہوا چمن میں آیا کئی بار اس خط کو پڑھکر خط
بلیزر[1] کے جیب میں رکھ لیا۔ اب اس چمن کی صاف ستھری روشوں پر ٹہل
رہا ہے دلکش منظر کی بہار لوٹتا جاتا ہے اور دل ہی دل میں یہہ کہہ رہا ہے
یہہ کچھہ عجیب قصہ ہے۔ نہیں معلوم یہ خط کس نے لکھا ہے۔ ترکیب اور مضامین
سے صاف ظاہر ہے کہ مین کاتب خط کو پسند آگیا ہوں صرف پسند ہی نہیں
بلکہ ایک حد تک مجھپر وہ فریفتہ بھی ہوگئی ہے توبہ میں بھی کیا آدمی ہوں
بھلا مجھپر کیونکر فریفتہ ہو سکتی ہے اوس نے مجھے دیکھا ہی کہاں مگر نہیں
میری تصویر اوس نے کسی اخبار میں دیکھی ہے کسی اخبار کا حوالہ بھی تو دیا ہے
کمبخت کا بھلا سا نام ہے (جیب میں سے خط نکالکر ذرا سا بڑھا اور پھر
رکھدیا) دیدیہ سکندری۔ مجھے حیرت ہے اس اخبار والے کو میری تصویر
کہاں سے ملی شاید بھائی اچھن نے دی ہو یہہ اُنھیں کو اپنے اور اپنے
عزیزوں کی شہرت کا خبط گھسے ہے اسی لیے تو تمام دنیا کے اخبار والوں
سے اور اون سے سیل جول ہے مگر میں ہوں کس قابل کہ کوئی مجھکو یا میری
تصویر کو دیکھکر یاد رکھے بقول شخصے صورت نہ شکل چولھے سی نقل (خورشیدی
وغیرہ کے متعلق کئے پچھلے چٹخارے خیال کرکے ذرا ہنسی میں آنکر) ہوں یا
نہ ہوں مگر اب تو اس نیک بخت کے میں مدنظر ہو گیا ہوں بیشک اس شعر کا

[1] گھر میں پہنے رہنے کا ایک قسم کا کوٹ عموماً دھاریوں دار فلینل کا۔

مضمون بالکل صحیح ہے ؎ عشق اول در دل معشوق پیدا می شود
گر نہ سوزد شمع کے پروانہ شیدا می شود۔ خاصکر میرے ساتھ اسوقت
تک تو ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ جب کسی نے مجھے چاہا تو میں نے بھی چاہا میں نے
خود کبھی سبقت نہیں کی۔ یہہ سب سہی مگر یہہ ذات شریف ہیں کون جنھوں نے
بیٹھے بٹھلائے مجھے مفت الجھن میں ڈال دیا ظالم نے اپنا نام اور صحیح پتہ
تو لکھا ہوتا۔ پتہ مجھے فرضی معلوم ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر نام نہ ظاہر کرنا ذہانت
و فراست کی دلیل ہے۔ خط کی زبان تو نہایت ستھری اور بامحاورہ ہے
مگر خط حیدرآباد دکن سے آیا ہے وہاں ایسی ٹکسالی اردو کہاں سے آئی
ممکن ہے کہ لڑکی کو تعلیم چھٹپنے سے کسی ولی یا لکھنو کی آتو نے دی ہو۔
صرف زبان ہی درست نہیں ہے بلکہ خیالات بھی اچھے ہیں اور ترتیب
خیالات بھی درست ہے کسی صاحب سواد شخص کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے
ممکن ہے کہ کسی اور سے لکھوا کر بھیجا ہے تو اوس کی حقیقت معلوم ہونی
کوئی دشوار امر نہیں ہے کاغذ کی ناؤ کب تک چلے گی مگر غضب کی بیباک
لڑکی معلوم ہوتی ہے اس طرح سے ایک غیر مرد کو یکایک ایسا عاشقانہ خط
لکھکر بھیجا۔ نہیں معلوم لڑکی ہے یا کوئی جوان بیوہ عورت ہے یا کوئی
بدکارہ ہے اگر کوئی کنواری شریف زادی ہوتی تو یہہ مصرعے میں نہیں
غیر کی تمہاری ہوں۔ کہاں لکھکر بیڑا فسانہ فرقت سن لو ہر گز اوس کے
قلم سے نہ نکلتے۔ مجھکو رہ رہ کے یہہ مصرعے کھٹکتے ہیں"۔ فرخ اتنا ہی سوچنے
پایا تھا کہ ایک شخص نے پیچھے سے آکر دونوں ہاتھوں سے اوس کی آنکھیں

موند دیں فرخ نے کہا میں سمجھا میں سمجھا غازی ہے۔ غازی الدین احمد نے جھٹ ہاتھ اٹھا لیے اور دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

فرخ ۔ "کہو کہاں سے آرہے ہو"

احمد ۔ سیدھا خط مستقیم جس طرح تیر کمان سے نکلکر اپنے نشانہ پر آتا ہے اسی طرح میں گھر سے نکلکر تمہارے ہاں پہنچا۔ بھئی آج کا پانی بھی کس قیامت کا تھا کلکتہ بھی عجیب جگہ ہے بارہ مہینے پانی برسا کرتا ہے"

فرخ ۔ "ہائیکورٹ گئے تھے"

احمد ۔ "بارہ بجے تو بلوٹیڈ پیر سے واپس آیا حمام کرنے اور حاضری کھانے کوئی دو بج گئے آج کی تھکی وہ ملا کی نیند کہ بے ساختہ سو رہنے کو جی چاہا جبکہ سویا سویا ابھی اٹھکر چائے پی چائے پیکر تمہارے پاس چلا آرہا ہوں"

فرخ ۔ "اُن خوشامدوں کا کوئی نتیجہ بھی نکلا"

احمد ۔ (ذرا چڑکر) "خوشامد! بھلا میں اور خوشامد کروں۔ تمہارے جلے بھی بعض وقت عجب کڈھب ہوتے ہیں۔ کوئی کسی سے ملنے کو جائے تو خوشامد میں داخل ہے یہ تو نئی تعریف خوشامد کی میں نے سنی"

فرخ ۔ "اچھا یہ تو بتاؤ کہ جب سے تم یورپ سے واپس آئے کتنے بار بلوٹیڈ[1] پیر میں جاکر سر چارلس سے ملے؟"

احمد ۔ (کچھ سوچکر) مجھے ٹھیک یاد نہیں ہے یہی کوئی گیارہ بارہ مرتبہ وہاں جاکر ملا ہوں گا ویسے تو پارٹیوں اور سواریوں وغیرہ میں بہت دفعہ ملاقات ہوئی"

---

[1] بنگالہ کے لفٹنٹ گورنر کے رہنے کا مکان۔

فرخ۔ سر چارلس بھی تمھارے گھر پر کبھی آئے یا مطلق نہیں آئے؟

احمد۔ سر چارلس کے میرے گھر آنے کی بھی ایک ہی کہی۔ تم نے ہندوستان کو شاید انگلستان سمجھ لیا ہے ابھی تازہ ولایت ہو تہ تمھارے دماغ میں یورپ کی ہوا سمائی ہوئی ہے۔ بھلا لفٹنٹ گورنر بنگالہ کو دیکھو اور میرے گھر آنے کو ع وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے! البتہ اگر میں کوئی بڑا دولتمند شخص ہوتا اور پانچ چھ ہزار روپیہ لگا کر اون کی دعوت کرتا تو اون کا میرے گھر آنا ممکن تھا۔

فرخ۔ لو مبارک! خدا نے تم کو تمھارے منھ سے قائل کر دیا۔ سر چارلس تو تمھارے ہاں ایک دفعہ بھی بازدید کو نہ آئے اور تم ہو کہ بار بار دوڑے جاتے ہو پھر خوشامد کس چڑیا کا نام ہے؟ تم تو خود یورپ میں رہکر تعلیم پا چکے ہو تم کو معلوم ہوگا کہ خوشامد سے مراد وہاں کیا ہوتی ہے اتنا کافی ہے کہ کوئی کسی کو اپنے سے بڑا سمجھکر اس کے گھر اس طرح بار بار جائے البتہ ایشیائی خوشامد کا طریقہ اور ہے یعنی حضور خداوند سرکار کے الفاظ سے دست بستہ ہو کر کسی کو مخاطب کرنا حق ناحق بھی کسی کی ہاں میں ہاں ملانا جوتے جھٹک کر کسی کے سامنے رکھدینا۔ اس شعر کے مطابق اگر شہ روز را گوید شب است ایں بایدش گفت اینک ماہ و پروین یہ ہر وقت عمل کرنا خوشامد سے میری مراد شاید تم یہی سمجھے تھے۔ میں کیا دیوانہ ہوں جو تم کو اس قدر ذلیل حرکت کا مرتکب تصور کرتا میرے خیال میں تو ایسی حرکتیں کوئی مغربی تعلیم یافتہ جنٹلمین لمحہ بھر کے لیے بھی خود کرنا تو درکنار کسی دوسرے کو

کرتے ہوئے دیکھنا تک پسند نہیں کرے گا۔"

احمد۔ "میں گیا تو سہی اب جو سمجھو۔ بغیر اس کے یہاں کام بھی تو نہیں نکلتا"

فرخ۔ "کیسا کام۔! خدا نے ہر شخص کو اپنا کام خود کرنے کی قدرت دی ہے بشرطیکہ ہمت و صلاحیت ہو۔ کیا دوسروں کے گھر خوشامدانہ طور سے جانے سے ہی کام نکلے۔ آپ کا وہ کون سا کام سر چارلس سے اٹکا ہے ذرا ہمیں بھی تو سنوں۔"

احمد۔ "تمہیں معلوم ہے کہ میری بیرسٹری چلتی نہیں ہے اب اس فکر میں ہوں کہ اور نہیں تو بلاسے ڈپوٹی کلکٹری ہی کی خدمت مل جائے تو کرلوں۔"

فرخ۔ "بایں عقل و دانش بباید گریست! تمہاری سمجھ کے قربان۔ تمنے یہاں تھرڈ ایر تک۔ اے تک پڑھا انگلستان میں جاکر تخمیناً چار سال تعلیم پائی سالہا سال دماغی محنت کی ہزاروں روپے صرف کئے بیرسٹری کی سند لی کیا ان سب پر یونہیں پانی پھیر دینے کا ارادہ ہے جو دو سو روپلی کی نوکری کرلینے پر تُلے بیٹھے ہو؟"

احمد۔ "تم دو سو روپیہ کو کہتے ہو یہاں تو دو کوڑیاں بھی نہیں ملتیں پھر آخر کیا کروں"

فرخ۔ "مجھے پیشۂ ملازمت سے چڑ ہرگز نہیں ہے۔ یہہ تو ایک بیکار سی بات ہوا اگر ملازمت کو کوئی شخص حقیر و ذلیل سمجھے پھر ملکی خدمتیں کیونکر انجام پائیں۔ میں اس خیال کا البتہ مخالف ہوں جو ہر کس و ناکس نوکری پر اُدھار کھائے بیٹھا ہے مخصوص مسلمانان ہند جس کو دیکھو جھیکتا اور اسی کا رونا روتا ہے کہ

ہائے نوکری نہیں ملتی والے نوکری نہیں ملتی ملازمت عنقا ہوگئی سرکار کوئی خدمت نہیں دیتی۔ میں یہہ پوچھتا ہوں کہ سرکار کس کے گھر سے لاکر روزنت نئی نوکری گھڑتی رہے اور خدمتیں دیتی رہے۔ ضرورت کے موافق نوکریاں عموماً لائق و مستحق کو دیتی ہے دنیا میں کیا ایک نوکری ہی وسیلہ معاش ہے۔ نوکری میں فائدے کم مضرتیں زیادہ ہیں نوکری میں ایک تو آمدنی محدود۔ دوسرے آزادی کا خون ہوتا ہے۔ اوقات کی پابندی کا خیال ایک طرف۔ اپنے بالادست حکام کو خوش رکھنے کی فکر الگ جان کھائے جاتی ہے ہر وقت ذمہ داریوں اور جواب دہیوں کا جدا کھٹکا لگا رہتا ہے اگر تصفیہ حقوق و قضایا کرتا ہے تو مواخذہ عقبیٰ کا خوف الگ خون خشک کئے دیتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ نوکری میں کیا لال لگے ہیں جو تمہاری طبیعت نوکری پر مائل ہوئی ہے۔ نوکری کرکے کیا کوئی شخص کروڑپتی ہوسکتا ہے۔ امریکہ اور یورپ کے کروڑپتیوں اور بدم پتیوں نے نوکریوں کی بدولت یہہ دولت نہیں حاصل کی ہے۔ انگلستان یورپ کا ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے تمہارے ہندوستان کے بہت سے صوبے وسعت میں اس سے کہیں بڑے ہیں مگر انگلستان میں تیس سو سے زیادہ ایسے اشخاص ہیں جن کی آمدنی ساڑھے سات لاکھ پونڈ سالانہ ہے علاوہ ان کے بہت سے ایسے بھی ہیں جن کی آمدنی اس مقدار سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ ان میں سے ایک شخص نے بھی نوکری کے ذریعہ سے یہ دولت کثیر نہیں پیدا کی ہے کسی ملک کے باشندے نوکری کرکے ملک کو دولتمند ہرگز نہیں بنا سکتے

جب تک صنعت و حرفت و فلاحت و تجارت میں ترقی نہ ہو ملک کا افلاس دور نہیں ہو سکتا۔ مسٹر ڈگبی اور سر ولیم ولڈرن ہنٹر وغیرہ ہند کے افلاس کا سبب گورنمنٹ ہند کو قرار دیتے ہیں ممکن ہے کہ گورنمنٹ بھی کسی حد تک ذمہ دار ہو مگر میرے خیال میں بڑا سبب قومی افلاس کا تم ہم ہیں جب تک ہمارے ملک کے باشندے تجارت و صنعت وغیرہ میں ترقی نہ کریں گے ملک ہرگز پنپنے کا نہیں یورپ اور امریکہ کی ترقیوں کا بڑا سبب ترقی تجارت وغیرہ ہے۔ دور کیوں جاؤ اپنے ایک ایشیائی ملک جاپان کی طرف نظر ڈالو اس کی روز افزوں اور برقی مالی ترقیوں کا بڑا سبب تجارت ہے جس کی بدولت آج چین جیسی عدار سلطنت کو میدان کارزار میں صرف نچا ہی نہیں دکھا رہا ہے بلکہ اتنی بڑی جنگ کے مصارف کا بار وہ بیشانی متحمل ہو رہا ہے چین کا تو پلیتھن نکل رہا ہے اور جاپان کے تبور پر بل تک نہیں ہے۔ ہم ہندوستانی جو نوکری پر مرے ہوئے ہیں اس کے اسباب یہ ہیں کہ ہم میں کسی قسم کی صلاحیت کوئی اور کام کرنے کی نہیں ہے کاہلی آب و گل میں پیوست ہو گئی ہے محنت و جفاکشی سے جی چراتے ہیں پھر کریں تو کیا کریں۔ اس میں شک نہیں کہ بنگالہ کے ہندوؤں نے علمی ترقی ایک حد تک کی ہے اور کر رہے ہیں مگر محض بی۔ اے۔ ایم۔ اے کی ڈگریاں لینے سے کسی ہنر یا حرفہ یا پیشہ میں کسی قسم کی دستگاہ پیدا نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ علمی و عملی طور پر اون کے اصول حاصل نہ کیے جائیں ایم۔ اے۔ بی۔ اے کی ڈگری لینے والا نہ کسی خاص نوکری

مستحق ہو سکتا ہے اور نہ کسی پیشہ میں عموماً سربرآوردہ ہو سکتا ہے زیادہ سے زیادہ اوس کا وجود کسی مدرسہ کی مدرسی کے لیے بکار آمد ہو سکتا ہے اہل ہند میں نوکری کے گروہ و شایق زیادہ تر ہم مسلمان پائے جاتے ہیں خاص کر کے حکومت کی نوکریوں کے۔ ہم اپنے اسلاف کے عمدہ صفات تو کھو بیٹھے ہیں نہ معلوم کہاں سے چھوٹی چھوٹی شیخیاں سیکھ لی ہیں جن کے نکالنے کا تھوڑا بہت موقع سرکاری ملازمت میں مل جاتا ہے اور کوئی نوکری نہ سہی تو تحصیلداری یا محکمہ پولیس کی داروغگی سہی۔ ان خدمتوں میں ذرا اقتدار حاصل ہوتا ہے اور بے ایمانوں کو استعمال ناجایز کا بھی پورا موقع ہاتھ آتا ہے قطع نظر اس کے ان نوکریوں میں علمی قابلیت کی زیادہ ضرورت مانی نہیں گئی ہے بس چرکیا ہے بلدی لگے نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا آئے اس لیے انھیں دو خدمتوں پر زیادہ گرتے ہیں عموماً اعلیٰ درجہ کی قابلیت کا آدمی یا کسی خاص ہنر و حرفہ کا ماہر نوکری کرنی تو کجا اس کا خیال بھی اپنے گرد پھٹکنے نہیں دیتا ہے اسی کو خیال کر کے پروفیسر ہربرٹ اسپنسر سا یکہ یگانۂ دہر جو رتبہ میں بلا مبالغہ فلاطون اور ارسطو سے کم نہیں ہے نوکری پر کبھی مائل نہیں ہوا کیمبرج یونیورسٹی کی جانب سے کئی دفعہ استدعا کیا گیا مگر ہمیشہ انکار کیا۔ یہ تو ایک انگریز کی مثال تھی اب اپنے ہندوستان کی ایک نظیر پیش کرتا ہوں دادا بھائی نوروزجی ڈی گرینڈ اولڈ مین آف انڈیا جن کا نام تاریخ ہند میں ہمیشہ عظمت و عزت کے ساتھ لیا جائے گا اور طلائی حرفوں سے لکھا جائے گا کیونکہ علاوہ اور صفات کے وہ پہلے ہندوستانی

ہیں جن کو انگلستان کی ملک نے اپنے پارلیمنٹ کا ممبر اور اپنا وکیل مقرر کیا ہے وہ اپنی اوتو بیوگرافی (خود کی لکھی ہوئی سوانح عمری) میں ایک مقام پر یہ لکھتے ہیں قبل انگلستان جانے کے میں نے یہ خیال نہیں کیا تھا میرے لیے ایک ندامت منتخب کی ہیں اپنے لیے اس موقع کو بدقسمتی کا آغاز سمجھا اگر بعض وجوہ سے اسے قبول نہ کرسکا ملازمت کو قبول نہ کرنا میں اپنی بڑی خوش قسمتی سمجھتا ہوں اور گزر ہمیشہ کے لیے میں سرکاری ملازمت کے تنگ دائرہ میں انتہائی کی زندگی بسر کرنے کے لیے پابند ہو جاتا وغیرہ وغیرہ ایسی اور بیسیوں مثالیں ہیں تم انہیں ملاحظہ کرکے ان مثالوں سے سمجھ سکتے ہو کہ عالیخیال لوگوں کی نظروں میں ملازمت کی حقیقت کیا ہے یہ تو میں نے عام حالت سے بحث کی اب تمہاری خاص حالت کے متعلق بھی مجھے کچھ کہنا ہے جب تم نے ایک فرزو عالمانہ پیشہ کی سند حاصل کرلی ہے تو اس سے تم کو خود بھی فایدہ حاصل کرنا چاہیے اور اپنی قوم کو مستفید کرنا چاہیے اگر سردست کوئی مالی نفع تم کو حاصل نہیں ہوتا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آیندہ بھی منتفع نہیں ہوسکتے ہو تمہیں انگلستان سے واپس آئے اور پریکٹس شروع کیے عرصہ ہی کیا ہوا لوگوں نے تمہیں کیا آدمی دیکھے بیرسٹری ہمارے تمہارے پیشوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے استقلال و صبر کی ضرورت ہے مخصوص کلکتہ ہی جگہ ہے میں جہاں مقابلہ اس قدر سخت ہے بے استقلال و محنت سے اگر کام لوگے تو کیا معنی کہ کامیابی حاصل نہ ہو لوگ تو بیرسٹری کی ڈگری حاصل کرنے کی آرزو میں مرتے ہیں

اور ایک تم ہو کہ اس نعمت کی تم کو مطلق قدر نہیں۔ ایک شائستہ و مہذب آدمی کی دلی خواہش یہی ہوتی ہے کہ دنیا میں عزت اور آزادی کے ساتھ زندگی بسر ہو اور ایمانداری سے چار پیسے ملیں یہ تینوں باتیں ہمارے تمہارے پیشوں میں حاصل ہیں اسی کلکتہ میں کئی ایسے بنگالی بیرسٹر اس وقت موجود ہیں جن کو ہائیکورٹ کی ججی کی خدمتیں ملتی تھیں اور انھوں نے نہیں قبول کیں تم نے انگلستان میں بیرسٹروں کو دیکھا جی سے نیچے خدمت قبول کرنا اپنا ننگ و عار سمجھتے ہیں دائرہ ملازمت میں عموماً اوس وقت آتے ہیں جبکہ بے انتہا دولت پیدا کر چکتے ہیں اور بوجھ پیرانہ سالی کے ان میں جوانی کی سی چستی و سمت باقی نہیں رہتی اُس وقت نوکری کر لینے سے بڑی غرض یہ رہتی ہے کہ بقیہ حصہ زندگی کا آرام و بیفکری سے بسر ہو اور کچھ مشغلہ بھی رہے۔" اتنے میں فرخ نے کسی گاڑی کی گڑگڑاہٹ سنکر پیچھے پھر کر دیکھا بین بھاری بوس اپنی شین لینڈو میں جس میں بڑے بڑے ویلر گھوڑوں کی جوڑی لگی ہوئی ہے پھاٹک کے اندر بڑے ٹھسے سے گڑگڑاتا ہوا داخل ہوا۔ فرخ اور غازی الدین احمد کو جین میں ٹہلتا ہوا دیکھکر اپنی گاڑی برساتی تک نہیں لیگیا اور جین کے قریب گاڑی سے اُتر پڑا۔

بوس۔ "اسقدر شام ہو گئی لیکن تماشوں کا دل جس کی سیر سے نہیں بھرتا"

احمد۔ "تم تو فرخ کے مزاج سے واقف ہو جہاں کسی بات میں لگے اور رب ہو گئے اس وقت حضرت مجھے ایک لکچر دے رہے تھے میں بھی چپکا سنتا جاتا تھا کہ تم آگئے"

بوس۔ کیوں فرخ وہ کیا لکچر تھا اوس کا موضوع کیا تھا ذرا میں بھی تو سنوں"

فرخ۔ "ٹھہرو کہتا ہوں اندر چلو سچ کہتے ہو بالکل شام ہوگئی"

یہہ لوگ بالاخانہ پر چلے گئے اور شرق رو بابر آمدہ میں جہاں فرخ صبح کو چائے پیا کرتا ہے آرام کرسیوں پر جا بیٹھے ۔ فرخ نے الکٹرک بل جو اوس کی کرسی کے برابر دیوار میں نصب ہے دبایا فوراً بیرا آیا جس کو فرخ نے حکم دیا کہ باورچی سے کہو کہ اور دو صاحبوں کا کھانا تیار کرے بیرا بہت خوب کہکر چلا گیا۔

بوس۔ (فرخ سے مخاطب ہوکر) آج کے ٹیلیگرام تو تم نے دیکھے ہوں گے سچ کہنا جاپانی کیا قیامت ڈھا رہے ہیں مار مار کر کمبخت چینی افیونیوں کا ستھراؤ کر دیا"

فرخ۔ "بری لڑائیوں میں تو جاپانیوں نے جو کچھہ داد شجاعت دی اور نزاکت سے کام لیا وہ تو قابل تعریف ہی ہے بحری جنگ کا فن بھی وہ ایسا دکھا رہے ہیں کہ یوروپینوں کے دانت کھٹے کر دیئے اور اب امریکن اور یوروپین ہمارے ایشیائی جاپانیوں کا لوہا ماننے لگے"

احمد۔ بعض یورپین نامہ نگار جو میداں جنگ سے مراسلے بھیجتے ہیں اپنے قومی تعصب سے باز نہیں آتے بعض اوقات وہ فضول نکتہ چینیاں کرتے ہیں جن سے جاپانیوں کی نااہلیت ظاہر ہو"

فرخ۔ "یہ اون کی عیبت کوشیں ہیں چاند پر خاک ڈالنے سے کیا اوسکی

۱؎ آدھی رات کو ملاقات کی بر فرخ کوٹھی۔

جوتے کم ہوتی ہے؟"

بوس۔ (فرخ سے) "تم نے یہ تو کہا نہیں وہ لکچر کس مضمون پر دے رہے تھے؟"

فرخ "لکچر وکچر تو کیا تھا غازی کو سمجھا رہا تھا تمھیں نوکری کا مانگو ہو گیا ہے؟"

بوس۔ "پھر میں بھی کہیں جوتک لگی ہے میں بھی سمجھاتے سمجھاتے تھک گیا کہ بیٹا ں۔ مرغے کی طرح ایک ٹانگ ہی اوپر اوپر رکھ کے ان بات مان لے کہ بکس سے بڑی ہارے ہوئے ہیں ان سے سر ساری اب ہو نہیں سکتی ان کو سلیب نے کہ پیس کی سلطنت لمحہ بھر میں ختم کر لیں فوراً کام بھی چلنے لگے اور ہزار دل روپیوں کی آمدنی بک بیک ہو جائے۔"

فرخ "ہاں خوب یاد آیا" یہ نام خط جیب میں سے نکال کر) ایک نئی دل لگی سنو۔ یہ خط آج صبح کو میرے پاس آیا۔

احمد "کس کے پاس سے؟"

فرخ "ایک مستقر دالات نے بھیجا۔"

احمد۔ "تم تو سب سمجھاتے ہو کچھ کھلکے کہو (ہاتھ بڑھا کر) لاؤ مجھے دو میں دیکھوں" فرخ نے خط غازی الدین احمد کو دیا۔

بوس "آواز بلند پڑھو۔"

احمد نے سرے سے اخیر تک وہ خط بلند آواز سے پڑھا۔

(فرخ سے مخاطب ہو کر) تم تو شمت کے وہمی نکلے۔ اب تو تم پر لوگ

غائبانہ دیکھنے لگے۔"

بوس۔ "یہ خط تو کچھ عجب پراسرار معلوم ہوتا ہے۔"

احمد۔ "کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں۔"

بوس۔ "یہ تو کھلی ڈھلی بات ہے مگر سوال یہ ہے کہ وہ کون اور کس قسم کا معشوق ہے۔"

فرخ۔ "اگر یہ معلوم ہو جائے تو سارا معمہ ہی حل ہو جاتا ہے (احمد سے مخاطب ہو کر) کہیئے کچھ آپ کی سمجھ کے بیچ میں آیا۔"

احمد۔ "یہ کون سا ایسا پیچیدہ مسئلہ ہے جو سمجھ میں نہ آئے۔ کوئی عورت تمہارے حالات پڑھکر اور تمہاری تصویر دیکھکر تم پر جاں دینے لگی ہے تم سے شادی کیا چاہتی ہے تم کند ہیا تو ہمیشہ کے ہو کوئی نہ کوئی کیسری بالا دا ہم کر لی ہی جاتی ہے۔"

فرخ۔ (مسکرا کر) "ہاتھ لانا اوستاد کیا کہنا! بوجھیں تو لال بوجھکڑ اور نہ بوجھے کوئی تو پاؤں میں چکی باندھ کے ہرن نہ کودا ہوئے۔ سمجھے تو کیا خوب سمجھے۔ کیا اتنا ہم لوگ نہیں سمجھے ہوئے تھے۔ قابل غور یہ امر ہے کہ وہ عورت کس قسم کی ہے جس نے ایسا خط لکھکر ایک اجنبی مرد کو مخاطب کیا ہے۔"

احمد۔ "میرے خیال میں کوئی بدچلن عورت ہے۔ میدان آزادی میں یورپ کی عورتوں سے بھی بازی لے گئی ہے۔ یورپ میں حالانکہ عورت شب مہینوں برسوں جاری رہتا ہے مرد عورت اکیس میں بے تکلف بھی

ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات فریقین ایک دوسرے کے واقف و مفتون بھی بیحد رہتے ہیں مگر عورت منتظر تحریک کی ہتی ہے اس لڑکی نے تو لکھا الٹی بہائی ایسی لڑکی کو میرا تو دور ہی سے سات سلام ہے۔"

یوس۔ "یہ تو وہی ہوا مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ تمہیں یہ چھیڑ خانی کرنا جو تم سات سلام کر نیکو موجود ہو۔ تم نے اس لڑکی کو بدچلن کیونکر سمجھ لیا۔ مجرد اس کے لکھنے سے واہ رے آپ کا حسن ظن! اس خط میں کس قسم کی تحریک نہیں ہے صرف چند استفسارات ہیں گو مافی الضمیر کا پتہ چلتا ہے مگر اسپر تحریک کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔"

فرخ۔ "تحریک کی حد تک یہ تحریر نہیں ہو سکتی ہے اتنی ہشیاری کاتب نے کی ہے مگر ایک عورت کا ایک اجنبی مرد کو اس طرح سے مخاطب کرنا بدنما و قابل اعتراض تو ضرور ہے (خط ہاتھ میں لیکر) اس پر سے یہ دو مصرعے مجھے بہت کھٹکتے ہیں ایک تو کان رکھکر میرا افسانہ فرقت سن لو۔ میں نہیں غیر کی تمہاری ہوں۔ یہ دونوں مصرعے عشق آمیز ہیں جن سے صریحاً اظہار تعشق مقصود ہے۔ قطع نظر خیال بدرویگی کے اس وقت یہ ایسے مضمون کا اظہار بہت قبل از وقت و خلاف تہذیب ہے اور کمزوری طبیعت کی دلیل ہے۔"

یوس۔ "اب تک میں تو کسی پر عاشق و شیفتہ ہوا نہیں اور نہ میری صورت قدرت نے ایسی بنائی ہے کہ کوئی مجھپر عاشق ہو اس لئے میرے ریمارکس جو ہونگے میرے ذاتی تجربہ پر مبنی نہیں ہیں بلکہ دوسروں کے حالات سے

جو میں نے استخراجات کئے ہیں اون سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عشق ایک
خبط ہے جو مختلف اسباب سے پیدا ہو جاتا ہے اور جب پیدا ہو گیا تو
عموماً انسان کی عقل سلیم و قوت ادراک کو بیکار کر دیتا ہے اس لئے انسان
بالکل بے اختیار و بے قابو ہو جاتا ہے بعض اوقات یہ خبط بڑھتے بڑھتے
انسان کو خاصہ مجنون بنا دیتا ہے کبھی یہ جنون اس درجہ بڑھتا ہے کہ
انسان جان سی پیاری چیز کی پروا نہیں کرتا اور خودکشی کر لیتا ہے
اس مینیا یعنی خبط کے مختلف اقسام و مدارج و منازل ہیں کمزور طبیعت
والے ہی اس سے متاثر نہیں ہوتے ہیں کبھی زبردست سی زبردست
طبیعت کا آدمی بھی اس ظالم کے پھندے اور داؤ میں آجاتا ہے اسکے
جذبات و احساسات ایسے نہیں ہیں کہ انسان عقل سلیم و تمیز سے کام لے
ایسی حالت میں ایک عورت نے بوفور شوق و بیخودی دو مصرعے ایسے
لکھے تو میرے خیال میں یہ فعل قابل چشم پوشی ہے اب رہا یہ اعتراض کہ
خط کیوں لکھا اس کا جواب بھی سن لو انسان بعض اوقات اپنے خیالات
کی پیچیدگیوں اور سوسائٹیوں کی بندشوں سے بیحد متاثر و مجبور ہو جاتا ہے
ممکن ہے کہ عقدہ کشائی کے لئے اس کے سوا اور کوئی شکل کاتب خط کے
پیش نظر نہ ہو جب اوس کا دل ایک ایسے شخص پر آگیا جو کالے کوسوں
دور ہو اور جس کے حالات کسی اور ذریعہ سے معلوم نہ ہو سکتے ہوں تو
سوا خود لکھکر دریافت کرنے کے اور چارہ ہی کیا تھا"
فرخ "تمہارا خیال ایک حد تک صحیح ہے عشق کے جذبات کچھ عجیب و غریب

ہوتے ہیں دیکھو سارے فلسفۂ عشق کی جان کی تان ایک شعر تمہیں سناتا ہوں۔ ؎

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن ۔ دل بدست دگرے دادن و حیراں بودن

کل رطب و یابس عاشقی کے اس شعر میں ختم کیے ہیں مگر ابدال شاعر ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد ۔ بسا کیں و دولت از گفتار خیزد۔ اور یہاں نہ دیدار نہ گفتار پھر یہ کیسی کردار؟

بوس۔ خط سے معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے تمہاری تصویر دیکھی تمہارے حالات پڑھے اور تمہارے وجود کا اوس کو یقین ہے۔ بعض حالتوں میں عشق غائبانہ بغیر تصویر یا صورت دیکھے صرف حالات سن کر ہو جاتا ہے اسی شکلوں میں یہ ہوتا ہے کہ کسی نے کسی کے حالات سن کر اپنے خیال و مذاق کے موافق پا کر اس کو پسند کر لیا اور اس خیال کی پرورش کرنا شروع کی۔ قوت متصورہ کی مدد سے یہ خبط جس کو عشق کہتے ہیں پیدا ہو جاتا ہے ایک بدیہی مثال جس کی یہ ہے کہ ہم ہندوؤں میں بہت سے لوگ پرمیشر[1] کے عشق میں جوگی ہو کر سما دے لیتے ہیں یا بن باسی ہو جاتے ہیں حالانکہ پرمیشر کا حال ہی فقط سنا ہے۔ دیکھنا تو ایک طرف اس کے وجود میں بھی بہتوں کو یقین نہیں ہے متخیلہ و تصور و قوت ارادی بہت ہی با اثر قوتیں ہیں انہیں کی بدولت اچھا بھلا آدمی آپ کو بیمار سمجھتے سمجھتے بیمار بن جاتا ہے ان قوتوں میں کشش و جذب کا مادہ بھی ہے انھوتی چیزیں ہو جاتی ہیں

[1] خدا۔

بعض وقت مطلوب ذی روح ہو یا غیر ذی روح ہو حاصل ہو جاتا ہے ایسی حالت میں عشق غائبانہ کوئی ناممکن الوقوع شے نہیں ہے۔"

فرخ۔ "اچھا اب یہ بتاؤ کہ اس خط کا کوئی جواب بھی دوں یا خاموش ہو رہوں۔"

بوس۔ "میرے خیال میں جواب دینا تو ہر حال میں لازمی ہے۔"

فرخ۔ "بیشک جواب دینا تو علیٰ تہذیب و حسن اخلاق ہے میری غرض یہ تھی کہ کیا جواب دوں۔"

بوس۔ "اس کو تم جانو۔ پہلے اس کا تصفیہ کرو کہ شادی کرنی تم کو پسند ہے یا مجرد رہنا مرغوب ہے اور اگر شادی کرنی منظور ہے تو کب یعنی کس عمر میں اور کس حالت میں اس کے بعد پھر تصفیہ طلب یہ امر رہ جاتا ہے کہ تمہارے خیال کے موافق تمہاری ہونے والی بیوی کو کن صفات سے متصف ہونا چاہیئے ان خیالات کے لحاظ سے جواب دو۔"

فرخ۔ "مدت العمر مجرد رہنا تو ایک خلاف فطرت اور بیجا فعل ہے میں تو اس کے خلاف ہوں میری پچیس برس کی عمر ہو چکی شادی کا زمانہ بھی یہی ہے مگر میں اوس وقت تک شادی کرنا پسند نہیں کروں گا جب تک میرا کام نہ چل نکلے اور میرے پاس اپنے دست و بازو کی محنت کے چار پیسے جمع نہ ہو جائیں والدین کے برتے پر شادی کرنی سراسر حماقت ہے۔ بڑا اہم مسئلہ تو یہی ہے کہ بیوی کن صفتوں سے متصف ہو قبل اس سے کہ میں کچھ کہوں اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے ذرا اسکو تو سنوں نہیں نہیں۔" — (غازی الدین احمد

کی طرف مخاطب ہو کر) تم اپنے خیالات سب سے پہلے بیان کرو۔"

احمد۔ "میرے خیالات اس بارے میں اب دریافت کرنا لاحاصل ہے بہت بعد از وقت ہوں گے۔ تم جانتے ہو میری شادی ہوئے بھی ایک جگ ہو گیا میرے اماں باوا ایسے عقلمند ہیں کہ انھوں نے میری شادی کرتے وقت تو کچھ مجھ سے دریافت ہی نہیں کیا اب تم پوچھکر کیا کرو گے۔"

یوسف۔ (ذرا متحیر ہو کر اور احمد کی طرف دیکھکر) کیا سچ مچ تمھاری شادی کو ایک جگ یعنی بارہ سال ہو گئے؟ تو اس حساب سے پریسیڈنسی کولج میں جب تم داخل ہوئے تھے تو تمھاری شادی ہو چکی ہو گی۔"

احمد۔ "بیشک ہو چکی تھی مجھے سولھواں سال شروع تھا جب ہی مجھ کمبخت کی شادی کر دی گئی تھی میری بڑی لڑکی عنقریب بیاہنے کے قابل ہو جائیگی دو سال اور جائیں تو خاصی جوان ہو جائیگی اس کی شادی کہیں ہو جائے تو میں بھی اپنا اپنی مرضی کے موافق ایک دوسرا نکاح کروں یہی سب فکریں میری جان کھائے جاتی ہیں جب ہی تو نوکری کی دھن میرے سر پر سوار ہے دونوں لڑکوں کی تعلیم کا بار بھی باوا نے میرے ہی سر ڈال دیا ہے بیوی کے اخراجات بھی میرے ہی ذمہ ہیں تمہیں کہو کہ چار سو ماہانہ جو باوا دیتے ہیں اوس میں میں کیا کیا کروں؟ تم لوگوں کی طرح کانٹکے میں بھی اس وقت مجرد و آزاد رہتا تو نوکری کا خبط مجھے کیوں گھیرتا۔"

یوسف۔ "لاحول ولا قوت! ہم تو سمجھتے تھے کہ ہمارے بنگالہ کے جاہل ہندو والدین ہی اس قدر ناعاقبت اندیش ہیں جو اپنے بچوں کی شادی کمسنی میں

بغیر اُن کے استمزاج کے گڑے گڑیوں کی شادی کی طرح کر دیتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے بچوں کی ساری زندگی بے مصرف اور پریشانی گھر ہو جاتی ہے یہ مجھے آج معلوم ہوا کہ صوبۂ بہار کے مسلمان شرفا بھی اُنھی ہم خیال ہیں مگر یہ تم نے کیا کہا کہ ایک دوسرا نکاح کرنے کی فکر ہے تمھارا جیسا یورپ کا تعلیم یافتہ شخص دو جوروں کا خاوند بننا اور وحشیوں میں اپنا نام لکھانا کیونکر پسند کرے گا"؟

احمد۔ "اس کو نہ پوچھو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے یہ بھی نتیجہ میرے والدین کی اسی حماقت کا ہے جس کو وہ لوگ میری شادی کر کے اپنی آرزو و ارمان کالنا کہتے تھے تمہیں بتاؤں کہ دیہات کی ایک ان پڑھ اور گنوار لڑکی کے ساتھ ایک یورپ کے تعلیم یافتہ شخص کا کیونکر گزارہ ہو۔ نہ صورت میری مرضی کے موافق نہ تربیت و تعلیم ہی درست یہ ایک آفت ہم دیہاتیوں میں ہے کہ شادی کریں گے تو برادری ہی میں کریں گے چاہے لڑکی بالکل کالی کلوٹی ہی یا کیسا ہی نااہل و بدصورت کیوں نہ ہو اگر کوئی کہے کہ لڑکے کی دولہن خوبصورت ہونی چاہئے تو جواب ملتا ہے کہیں ناچنے گوانے کو بھیجنا ہے برادری کی شادیوں کی مضرت کو کوئی غور نہیں کرتا ہے اس کو نہیں دیکھتے کہ سمدیانہ ہوتے ہی دوستی میں کشتی ہونے لگتی ہے فریقین نااہل و غیر تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے ذری ذری باتوں میں جھگڑے اور فساد برپا کرنے لگتے ہیں دو سگے بھائی یا بہنیں سمدی سمدن بن کر جنم جنم کے بیری ایک دوسرے کے ہو جاتے ہیں یہ لطف برادری کی شادی کا ہے پھر

عمر کی مناسبت کا خیال نہیں کرتے اگر لڑکی لڑکے سے دو چار برس سن
میں بڑی ہے تو اس کی بھی پرواہ نہیں کرتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ نتیجہ
کیا ہوگا اب میری بیوی ہی کو دیکھو میرے ماموں کی بیٹی ہیں مجھ سے
عمر میں سلامتی سے دو سال بڑی ہیں ان کی عمر تیس سے تجاوز کر گئی
تم جانتے ہو کہ مہد کی آب و ہوا کے لحاظ سے اتنی عمر کی عورت جس کی شادی
بھی کمسنی میں ہو گئی ہو بچے بھی کئی جن چکی ہو باہر کی ہوا دشمنی جسمانی بھی
میسر نہ ہو معاشرت کی حالت ایسی ردی ہو بیچاری الگنی پر پھیلانے کے
لائق ہو گئی ہے اس پر خیالات ایسے تنگ و بوسیدہ کہ اون کی صحبت
میں میرا دم گھٹنے لگتا ہے یہی وجہ ہے کہ میں انھیں کلکتہ بلوا کر اپنے پاس
نہیں رکھتا اس میں شک نہیں کہ اوس بیچاری کا کوئی قصور نہیں ہے
سراسر ہمارے والدین اور اون کے والدین قصوروار ہیں۔ بیوی ہوتے
ہوئے میں تنہا رہتا ہوں انسان کب تک ایسی حالت میں بسر کرے خاص
ایسا آدمی جو طرح طرح کے افکار میں گھرا ہوا ایسے شخص کے لئے تو ایک حسین
اور سمجھدار بیوی کی اشد ضرورت ہے تاکہ اوسکی صحبت میں کچھ تو غم
غلط ہوا کرے۔ میری حالت نہایت قابل تاسف و ہمدردی ہے میں نے
عشر عشیر ذکر ان مصیبتوں کا نہیں کیا جو میں ہر وقت سہتا رہتا ہوں پھر
اگر دوسرا نکاح نکروں تو کیا کروں دم متھنوں میں آگیا ہے ممکن ہے کہ تم
یہ سوال کرو کہ کھلاؤ گے کہاں سے اس کا جواب بھی سن لو لڑکی کی شادی
ہو جانے کے بعد لڑکوں کو یہاں بلوا کر اپنے پاس رکھ لوں گا اور بیوی کو

اون کے میکے بھجوا دوں گا بجائے سو کے جواب بھیجا ہوں پچیس روپیہ ماہانہ ان کے یا ندان کے خرچ کے نام سے بھجوا یا کروں گا ماں باپ انکے مرفع الحال ہیں انھیں اس پچیس کی بھی پروا نہیں ہے مگر میں اپنا فرض ادا کروں گا قطع نظر اس کے وجور و کرنی تو کوئی ایسی وحشیانہ حرکت نہیں ہے میرے ایک دوست ڈاکٹر انوار الحسن ہیں وہ بھی انگلستان کے تعلیم یافتہ اور ڈبلن کے ال ال ڈی ہیں ایک شادی کی بیوی رہتے اور ایک لڑکا موجود رہتے دوسرا عقد بھی انھوں نے نام خدا کر لیا ہے۔"

یوسس۔ "میں تمھارے ڈوکٹر دوست کے حالات سے تو واقف نہیں ہوں کہ اُن پر کونسی مصیبت پڑی تھی جو انھوں نے یہ غیر مطبوع حرکت کی مگر تمھاری نسبت میں کہتا ہوں کہ اگر واقعی ایسا ہے تو مجبوری کا علاج نہیں ہے فی الحقیقت ہند کے مسلمان ہوں یا ہندو سبھی ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں نہ معلوم کب ہم لوگ اپنی معاشرت و سیاسی حالت کی اصلاح کریں گے ایک ہو دو ہو تو اوس کی اصلاح انسان کرے یہاں تو آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔"

فرخ (یوسس سے) تم نے بھی اس وقت کہاں کا دکھڑا نکالا ہے میرا تو مطلب ہی فوت ہوا جاتا ہے۔ ہاں غازی اپنے خیالات تو بتاؤ بعد از وقت وہ تمہارے لئے ہوں گے تو میرے لئے قبل از وقت ہیں ممکن ہے میں اُن سے فایدہ اوٹھاؤں ماورا اس کے جبکہ تمہارا ارادہ

ایک اور بیوی کرنے کا ہے تو تمہارے لیئے بھی بعد از وقت نہیں ہے"
احمد۔ "بھئی میں نے تو اس مسئلہ پر کبھی غور نہیں کیا دوسرے عقد کا تو اب خیال ہوا ہے"
فرخ۔ "میں نے مانا کہ تمہاری شادی ہو چکی ہے اور ایک عرصہ دراز کے بعد اب عقد ثانی کا خیال پیدا ہوا مگر یہ تو ایک ایسا معاشرت کا مسئلہ ہے جس پر ایک مدت تک آیندہ نسلوں کی درستی و ترقی کا مدار ہے جب تک مائیں درست نہ ہوں گی بچے کیا خاک درست ہوں گے جیسا سانچہ ہوگا ویسی ہی چیزیں ڈھلینگی۔ یہ تو نہایت خود غرضانہ خیال ہے کہ اگر تم کسی چیز سے فایدہ نہ اوٹھاؤ تو قوم اور سوسائٹی کو بھی اس سے محروم رکھو میرے خیال میں ہر تعلیم یافتہ رکن سوسائٹی کا فرض ہیں ہے کہ اون تمام مسایل پر غور کرے جن سے اصلاح قومی ہو سکے شخصی فایدہ چاہیے مترتب ہو یا نہو"
احمد۔ "میں اس وقت اپنی رائے ظاہر کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں شادی بیاہ کے معاملہ کو جب تم نے قومی کام کا ایک جز سمجھ لیا ہے تو بہتر ہے کہ بین (یعنے بین بہاری بوس) سے مشورہ لو قومی خدمات کا بیڑہ ہمارے بنگالی بھائیوں نے اوٹھایا ہے بوس صاحب بہادر کے خیالات ممکن ہے تمہارے مفید مطلب ہوں"
فرخ۔ "بین تمہیں اپنے خیالات بیان کرو"
بوس۔ "میں غازی کے اخیر جملہ کا جو بظاہر سراسر طنز آمیز معلوم ہوتا ہے

شکریہ ادا کرتا ہوں اس لئے کہ مجھے معلوم ہے کہ غازی ایک نیک نیت و
صاف باطن شخص ہیں ہم بنگالیوں کے متعلق جو رائے انھوں نے ظاہر کی ہے
وہ ضرور خلصانہ ہوگی۔ (فرخ سے مخاطب ہوکر) تمھارا خیال صحیح ہے کہ شادی
بیاہ کا مسئلہ گو بظاہر ایک شخصی فعل ہے مگر قومی ترقی کا مدار بہت کچھ اسپر
بھی ہے کیونکہ کوئی قوم اوس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک مرد
عورت دونوں کے قوائے عقلی و صحت جسمانی درست نہ ہوں جب دونوں
صحیح العقل و تندرست ہوں گے تو اون کی متفقہ کوششوں کا نتیجہ ہمیشہ
اعلیٰ درجہ کا ہوگا دونوں محنت و جفاکشی کے متحمل ہوں گے جو کام کریں گے
خواہ بغرض اکتساب معاش یا بخیال رفاہ عام حکمت و معقولیت سے مملو
ہوگا اولادیں تندرست و لایق ہوں گی ایسوں کا وجود قوم و ملک کیلئے
مفید ثابت ہوتا ہے اصلی مقصد خلقت آدم کا بھی یہی ہے کہ انسان اپنے
وجود کو اپنے اور اپنے جنس کے لئے بکار آمد ثابت کرے خیال قومی ہمدردی
اسی کا ایک ادنیٰ نتیجہ ہے ورنہ اور چارپایوں میں اور ایک انسان میں
کوئی فرق نہیں رہے گا نفس پروری اور خود غرضی کی زندگی ایک حیوان
مطلق بھی بسر کرتا ہے شادی و بیاہ میں بھی خود غرضی سے کام نہیں لینا
چاہئے یعنی ایک مجہول النسب یا کٹھ مغز اور نکمی یا ناقص الخلقت یا ضعیف الجثہ
لڑکی کے ساتھ محض اس کی دولت یا ظاہری حسن کے خیال سے شادی ہرگز
نہیں کرنی چاہئے سب سے پہلے جس قوم و قبیلہ کی وہ ہو اس قوم و قبیلہ
کے عادات و خصایل دریافت کرنا چاہئے پھر اس لڑکی کی شرافت و نجابت

دریافت کرنی چاہیے اس کے اور اوس کے والدین کے اخلاقی حالات
کی تحقیق کرنی چاہیئے پھر لڑکی کی دماغی صلاحیت اور عام صحت کی حالت
معلوم کر لینی ضرور ہے اس کی تربیت و تعلیم کی کیفیت دریافت کرنی چاہیئے
جس قدر زیادہ اعلیٰ درجہ کی تربیت و تعلیم ہو اسی قدر زیادہ قابل قدر
سمجھنا چاہیئے یہ امر قابل افسوس ہے کہ ہند میں جب مردوں میں تعلیم نہیں ہے
تو بیچاری عورتیں کہاں سے تعلیم یافتہ ہوں گی خصوصاً مسلمان عورتوں
میں تو تعلیم بالکل ہی عنقا ہے معدودے چند جو ہیں وہ نہایت قابل قدر
ہیں خوش روی اور خوش خوی بھی نہایت پسندیدہ صفتیں ہیں کسی کا
قول ہے کہ اگر جورو خوش رو و خوش خو ہے تو اُس کے شوہر کے لئے دنیا ہی
بہشت ہے ورنہ جہنم بعضوں کا یہ بھی خیال ہے کہ شادی ہم کف ہی میں
ہونی چاہیئے یہ خیال سائینس کی تحقیقات کے لحاظ سے اور روزمرہ کے
تجربہ سے بعض حالتوں میں مضر ثابت ہوا ہے ہمجد لوگوں میں شادی کا نتیجہ
یہہ ہوتا ہے کہ اباواجداد میں جو عوارض یا طبعی کمزوریاں یا اور کسی قسم کے
عیوب ہوتے ہیں وہ اولادوں میں بھی پائے جاتے ہیں اور جس قدر خون
میں زیادہ قربت ہوتی ہے اوسی قدر وہ اسقام زیادہ اولادوں میں ہوتے
ہیں متوجہم لوگوں کا بڑا رشی اور مقنن تھا اوس نے غالباً اسی اصول
کی بنیاد پر چچیرے خلیرے پھوپھیرے اور موسیرے بھائی بہنوں میں شادی
بیاہ کا رشتہ و پیوند ممنوع کر دیا ہے۔ میں نے جو اصول بیان کئے عورت
و مرد دونوں کے لئے یکساں ہیں یعنے جو جو باتیں لڑکیوں میں مطلوب و قابل

دریافت ہیں کم و بیش لڑکوں میں بھی دریافت طلب و مطلوب ہیں۔"
فرخ۔ "میں لفظاً لفظاً تمہارے خیال سے متفق ہوں اب میرے خیالات کا
اظہار تحصیل حاصل ہے۔"
بوس۔ (مسکرا کر) "اگر تمام مطلوبہ صفتوں سے کاتب خط موصوف
ہو تو تم کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ گویا منھ مانگی مراد گھر بیٹھے ملی۔"
احمد۔ (جلدی سے) "ہاں بھئی فرخ فوراً جواب لکھو خدا کرے تمہارے
خاطر خواہ جوڑا ملے بہت دنوں سے گانا بھی نہیں سنا ہے تمہاری شادی میں
جلسے تو دیکھنے میں آئیں گے۔ لکھنؤ کے پریوش طائفے مفرر کئے جائیں گے
پھر تو مزے ہیں ہا ہا ہا!"
فرخ۔ "یہ کیسے معلوم کہ کاتب خط میں حسب دلخواہ باتیں موجود ہیں یا
نہیں۔ علاوہ اس کے میں ابھی شادی کرنے کو آمادہ بھی نہیں ہوں جب
کبھی میری شادی ہوئی بھی تو (احمد سے مخاطب ہو کر) آپ کی مراد گانا
سننے کی برنہیں آئے گی اس سے تو آپ خاطر جمع رکھئے میں کیا پاگل ہوں
کہ ان لغویات میں اپنے یا اپنے باوا کے پیسے برباد کروں آپ کی فرمائش
کی ضرورت نہیں ہے خط کا جواب تو میں ضرور دوں گا۔"
اس اثنار میں خانساماں نے آن کر عرض کیا کہ میز تیار ہے فرخ مع اپنے
دوستوں کے ڈائیننگ[1] روم میں داخل ہوا کھانے سے فارغ ہونیکے بعد
بوس اور احمد اپنے اپنے گھر کو گئے فرخ شرق رو برآمدہ میں تھوڑی دیر

[1] کھانے کا کمرہ۔

ٹھلتا رہا اور چرٹ پیتا رہا چرٹ تھوڑا باقی رہگیا تھا کہ اسے پھینک کے
اپنی خوابگاہ میں گیا کپڑے بڑھا کر شب خوابی لباس پہنے اور پلنگ پر جا کر
لیٹ گیا تھوڑی دیر اوس خط کا خیال کر کے سو رہا۔ دوسرے دن کچھ
ضروری کاموں میں ایسا پھنسا کہ خط کا جواب لکھنے کی اسے مطلق فرصت
نہ ملی تیسرے دن صبح کو ہوا خوری سے واپس آنے کے بعد دفتر کے کمرہ میں
جا کر جو پہلا کام اوس نے کیا وہ اسی خط کا جواب لکھنا تھا۔ جواب لکھکر
دربان کو بلا کر وہ خط دے دیا کہ ڈاک میں ڈال دے۔"

چھٹا باب

آفتاب مشرقی مطلع سے نکلکر آسمان کی نیلگون چادر چاک کرتا جلد
جلد قدم اُٹھاتا آگے بڑھ رہا ہے دھوپ کی تیزی ہیں اس وقت کسی
کافر ادا کے حسن روز افزوں کی طرح لمحہ لمحہ ترقی ہو رہی ہے صبح کے سات
بجا چاہتے ہیں افتخار النسا ناشتہ سے فارغ ہو کر اپنے کمرہ میں آرام کرسی پر
ایک کھڑکی کے قریب ہاتھ میں ایک کتاب لئے بیٹھی ہے مگر نظر اس کی کتاب
پر جمی نہیں ہے بلکہ کھڑکی کے سامنے کے باغیچہ پر ہے اوس کا دل
کہیں نظر کہیں خیال کہیں ہے ہوا کے جھونکے کسی تند مزاج معشوق کے
خیالوں کی طرح جلد جلد آ آ کر اس کے گیسوؤں کو اوڑا اوڑا کر اس کے رخ
پر لے آتے ہیں اور اس کے سلسلہ خیال میں خلل اندازی کر کے اس کی
طبیعت کو برانگیختہ کر رہے ہیں آخر افتخار سے نہ رہا گیا اور اوس نے اوٹھکر

کھڑکی کے پٹ بند کر لئے اب پھروہ اپنے بحر خیال کی نہ رکنے والی موجوں میں مستغرق ہو گئی۔ دلی الجھنوں سے گھبرا کر دل ہی دل میں کہہ رہی ہے ہائے میں پیدا کیوں ہوئی۔ یہ سولہا دن مجھ پر کس مصیبت کے گزرے ہیں ایسا وقت خدا دشمن پر نہ ڈالے ۵ دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی ۱۰ عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری میں کٹی۔ خصوصاً جب سے میں نے فرخ کو خط بھیجا ہے اسے بھی آج (انگلیوں پر گن کر) بدھ بدھ آٹھ جمعرات جمعہ دس ہفتہ گیارہ اتوار بارہ پیر تیرہ اللہ اکبر آج تیرھواں دن ہے لکھنؤ تو چوتھے دن خط پہونچ جاتا ہے۔ یا الٰہی میرے خط کو کیا ہو گیا جو اب تک نہ پہنچا اور نہ جواب کب کا آچکا ہوتا پہنچا کیوں نہ ہو گا ضرور پہنچا ہو گا معلوم ہوتا ہے انھوں نے کچھ توجہ نہیں کی۔ نہ معلوم میری نسبت کیا کیا خیال انھیں گزرا جو اس بے توجہی سے پیش آئے۔ سینہ سے وھوئیں اٹھتے ہیں اللہ رے گرمی نہ کیا آگ لگائے گی حرارت میرے دل کی۔ ایسا تو کیا ہو گا کہ کسی لیڈی کا خط ملنے پر ایک یورپ کا تعلیم یافتہ خبطیلین جواب دینے سے گریز کرے۔ یہ تو بد تہذیب کج اخلاق جاہلوں کا کام ہے یہ بھی ممکن ہے کہ محی الدین بی کے خاوند سے وہ خط کھو گیا ہو یا ڈاک میں ڈالنا ہی بھول گیا ہو اور جب زیادہ دن ہو گئے تو اوس نے یہ خیال کیا ہو کہ اگر اب یہ خط ڈالوں تو کہیں مکتوب الیہ کے خط سے دیر میں پہونچنے کا حال نہ معلوم ہو جائے اور محی الدین بی سورد عتاب ہو۔ یہ سمجھکر پھاڑ کر پھینک دیا ہو۔ اگر پھاڑنے کے پہلے کہیں پڑھ لیا ہو تو بڑا غضب ہے

نہیں پہنچے کا تو یہ جواب دے سکتا ہے کہ ہندوستان کے ڈاک والوں کا
قصور ہے مگر ایسا کیا ہوگا۔ میں نے جب کبھی محی الدین بی سے پوچھا تو اُنھوں
قسمیں کھا کر کہا کہ میرے شوہر نے خط لکھا دیا ہے پھر یہ دیر کیسی معلوم ہوتا ہے
لکھنؤ کے ڈاکئے نے خط نہیں پہنچایا لیکن میں نے تو اس لئے خط بیرنگ بھیجا
کہ محصول سرکار میں ادا کرنا پڑتا ہے ڈاکیا کاہلی کو کام میں نہ لائیگا کہیں اُسی
سے کھو گیا ہو تو اوس کا کیا علاج غریب نے اپنے پاس سے ایک آنہ دیدیا
ہوگا الغیب عند اللہ نہ معلوم کیا بجوگ ہوا۔ مبادا وہ لکھنؤ میں
نہ ہوں کہیں اور چلے گئے ہوں اُن کے آدمیوں نے خط رکھ لیا ہو۔ کیا
یہ ممکن نہیں جہاں وہ ہوں خط بھیجدیا گیا ہو شاید اسی لئے دیر ہوئی ہو
سبب کچھ ہی ہو دیر تو بیحد ہوئی یہاں تو جان پر بن گئی ایسی جان
نکل جائے تو اچھا۔ جان بیچاری کا کیا قصور ہے۔ سارا فساد اس آفت
مارے دل کا ہے جو میرے لئے نقلی گھونسا ہو گیا جس کی تڑپ نے میرا کلیجہ
چھلنی کر ڈالا۔ کاشکے یہی پہلو سے نکل جائے نہ رہے گا بانس نہ بجے گی
بانسلی مگر دل نکلے ہجوم غم سے کیونکر۔ کچھ بھیڑ چھٹے تو راستہ ہو۔

دل سوا میرے پاس کہاں وہ تو کسی اور کا ہو گیا اوس کا پتہ بھی نہیں
ملتا ؎ فرقت میں اک صنم کی یہ تفرقہ پڑا ہے ؎ دل ہم کو ڈھونڈتا ہے
ہم دل کو ڈھونڈتے ہیں۔ دنیا بھی کیا مقام ہے ایک میں ہوں کہ اُنکی
یاد میں میں نے زندگی تلخ کر ڈالی اور ان کو اوس کی پروا بھی نہ ہوگی
عشق میں جنیے سے ہیں لالے پڑے ہے ؎ ہائے کس بیدرد کے پالے پڑے

میری یہ ساری حرکتیں فضول و بیکار ہیں ؎ الفت کا جب ذرہ ہے کہ ہوں
وہ بھی بیقرار ؛ دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی۔ یہ کیونکر معلوم ہو سکتا
ہے ؎ میری آہوں کی واں خبر ہی نہیں ؛ میرے نالوں میں کچھ اثر ہی
نہیں۔ یہ تو سراسر میری زیادتی ہے ؎ گلا کسی کا یہ کیوں چپکے چپکے ہوتا
ہے ؛ وفا کا نام دل باوفا ڈبوتا ہے۔ ایک انجان شخص کیونکر ہمدرد و
غمخوار ہو سکتا ہے۔ اگر اور دو دن یہی میری حالت رہی تو جینا وبال
ہو جائے گا۔ انتظار کی کوئی حد بھی ہے۔ ایک تو ہجر یار نے مارا ؛ دوسرے
انتظار نے مارا ؛ اوس تغافل شعار سے کہنا ؛ گر صبا کوئے یار میں گزرے
خط کا اب تک نہیں جواب آیا ؛ دن بہت انتظار میں گزرے "
کسی کے آنے کی آہٹ پاکر افتخار ذرا سنبھل بیٹھی اور کتاب پر نظر دوڑانی
شروع کی۔

عمدہ خانم "اوئی بیگم۔! یہ اچھی بلا تم نے میرے پیچھے لگا دی ہے۔ تمہاری
زبان سے اوس دن اتنا نکلنے کی دیر تھی کہ عمدہ خانم سبق وبدیا کریں گی
بس جب سے حسین بی (محی الدین کی بیٹی) بری بلا کی طرح میرے پیچھے
لپٹ گئی ہے اردو کی بہلی لئے سایہ کی طرح میرے پیچھے پیچھے پڑی پھرتی
ہے۔ اوٹھنا بیٹھنا دشوار ہو گیا ہے۔ شوق تو اس قیامت کا اور کند ذہن
اس وجہ کہ پناہ بخدا اس کو پڑھانا نا ک چنے چبانا ہے اس وقت بھی
بمشکل اپنا پیچھا چھوڑا کر بھاگی ہوں "
افتخار (کتاب سے نظر اوٹھا کر) یہ بھی ایک ثواب کا کام ہے میں نے تو ہمانو

کوئی بُرائی کی۔ اگر تمھارا نہ جی چاہے تو نہ بڑھاؤ کوئی جبر تھوڑا ہی کرتا ہے"

عمدہ خانم۔ "اے ہے جبر کی نہ کہو اس کی میو نے بیمار ناک میں دم کر رکھا ہے جہاں ذرا میں نے ٹالنا چاہا بس خوشامدوں اور قسموں کی وہ بھرمار کر دیتی ہے کہ توبہ ہی بھلی پھر بیمار کو کوئی بس نہیں چلتا ڈر کے مارے کہنا ماننا ہی پڑتا ہے"

افتخار۔ "محی الدین بی کا تمھیں ڈر کیا پڑا ہے"۔

عمدہ خانم۔ "صاحبزادی! میں کہتی ہوں نہ ابھی تمھارا بچپنا نہیں گیا ہے۔ تم نے محی الدین بی کو مطلق نہیں پہچانا وہ ایک ہی بلائے بے درماں ہے یہ وہ عورت ہے کہ آسمان پہاڑ سے پیوند لگائے ہتیلی پر سرسوں جمائے زمین و آسمان کے قلابے ملائے آٹھوں گانٹھ کمیت ہے اس کی قسمیں اور منتیں نہ مانوں تو جڑ کر نہ جانے سرکار یا بیگم صاحب سے کیا لگا دے دلوں میں برا س ڈالنا تو اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے اللہ نے اس وقت تک تو آبرو سے گزار دی ہے آیندہ کا بھی وہی مالک ہے مگر میں بھی اپنے نام کی ہوں۔ میں اوس سے ہوشیار رہتی ہوں وہ ٹوال ڈال تو میں بات بات ابھی چھٹا ساتواں دن ہے اوس نے ایک وار مجھ پر کر ہی تو دیا مگر خالی گیا میں نے وہ کاٹ کی کہ اوسی کا جی جانتا ہوگا میں تم سے کہنا ہی بھول گئی پھر کسی وقت کہونگی۔ جب سے اوسکی بیٹی کو بیاہ رہی ہوں تو ذرا سیدھی رہتی ہے۔ وہ کسی شریف کے ہاں رہنے کے لایق نہیں ہے تم نے خیال نہیں کیا چھوٹے میاں افتخار کے چھوٹے بھائی

پر کیا ڈورے ڈالتی ہے۔ جہاں سلامتی سے وہ اندر اے باغ باغ ہو جاتی ہے وہ تو نظر اوٹھا کر بھی نہیں دیکھتے خود ہے کہ وار وار کے پتی ہے چھوٹے میاں کا پیچھا پیچھا ہے حق تو یہ ہے کہ عجب نخرا لڑکا ہے نہ دس بیٹیاں نہ ایک بیٹا۔ میری آنکھوں میں بول کے کانٹے اللہ رکھے تم سب بھائی بہن ایسے ہی ہو۔"

افتخار (آہستہ اور متانت سے) "جو خاکہ محی الدین بی کا تم نے کھینچا ہے میرے خیال میں صحیح نہیں ہے۔ یوں تو کسی کے دل کا حال کوئی دیکھنے نہیں گیا ہے میرے سامنے تو چھوٹے بھائی کا بڑا ادب کرتی ہے میں نے کبھی اسکو گستاخانہ باتیں تک کرتے نہیں دیکھا۔"

عمدہ خانم "ہاں بیشک تمہارے سامنے اور بیگم صاحب کے سامنے بھی چھوٹے میاں سے بہت ادب سے پیش آتی ہے مگر جب تم نہ ہوتی ہو اُس وقت اوس کی ادائیں دیکھنے کے قابل ہیں بوٹی بوٹی پھڑکتی ہے اس کا تھرکنا بل کھانا مٹکنا چمکنا مسکرانا کبھی قہقہے لگانا دیکھنے کے لایق ہوتا ہے میری تو وہ جان جلتی ہے کہ میرا بس چلے تو ایک منٹ بھی ایسی نخرے باز لڑکی کو میں رہنے نہ دوں چھوٹے میاں نے خود دو ایک دفعہ اوسے ڈانٹا مگر وہ اپنی خصلت کہیں چھوڑ سکتی ہے۔"

افتخار "خیر ہوگا جو جیسا کرے گا ویسا بھگتے گا بقول شخصے ؎ از مکافات عمل غافل مشو گندم از گندم بروید جو ز جو۔"

عمدہ خانم "یہ کہو تمہاری اُداسی کب جائیگی روز بروز مجھے کہنے والی کا

رنگ زرد ہوتا جاتا ہے چہرہ سُوتا جاتا ہے میں دیکھتی ہوں کھانا بھی بالکل چھوٹ گیا ہے کل ہی تو بیگم صاحب باتوں باتوں میں مجھ سے کہنے لگیں کہ لڑکی دبلی کیوں ہوتی جاتی ہے حکیم شفقت حسین کو بلوا کر نبض وقارورہ دکھانا چاہیئے"

افتخار:- "تمہیں تو وہم نے گھیرا ہے تمہیں اپنی نبض دیکھاؤں شاید حکیم صاحب کوئی نسخہ لکھ دیں کہ تمہارا وہم جاتا رہے مگر وہم کا علاج تو لقمان کے پاس بھی نہ تھا نہ میرا چہرہ سُوتا ہے نہ رنگ زرد ہوا ہے اچھی بھلی تو صبح ہی کٹی ہوں۔ وہم کی دوا تو بیشک کسی حکیم کے پاس نہیں ہے مگر اپنی آنکھوں کا ضرور علاج کروالو"

عمدہ خانم:- "میں اپنی آنکھوں کا علاج تو پیچھے کروں گی تم اپنے دل کا علاج پہلے کرو۔ تاکہ تمہارے قابو میں ہو جائے تمہارے چھپانے سے کیا ہوتا ہے۔ یہاں تو تانت باجا راگ پہچانا۔ تمہارے کہنے کی ضرورت نہیں۔ بقول شخصے فقیر کی صورت سوال ہے۔ ابتو جی کھول کر روتے ہیں کہ آئی سر پر۔ وہ مصیبت کہ بہت جس کا ہمیں کھٹکا تھا۔ میں حیران ہوں کہ اس زخم کا اندمال کیونکر ہوگا یہ رات دن کی کڑھن اچھی نہیں ہے ؎ لگا یا روگ جوانی میں تم نے کیوں بیگم؟ ابھی تو کھیل تماشے کے تھے تمہارے دن"

افتخار:- "تم نے تو بک بک کر میرا سر پکا دیا میں کیا ایسی نادان ہوں جو..."

اتنے میں محی الدین بی فدا قدم بڑھائے ادھر اُدھر دیکھتی کچھ مسکراتی ہوئی آئی۔

محی الدین بی۔ "خانم صاحب آپ یہاں بیٹھے ہیں جھوٹے میاں آپ کو بلا رہے ہیں نا"

عمدہ خانم۔ چل چنے تجھے تو یہی رہتا ہے۔ جھوٹے میاں تجھے بلاتے ہوں گے مجھ سے ان کا کیا کام اٹکا ہے"

محی الدین بی۔ "اوئی! آپ خفا کیوں ہوتے ہیں ہمیں کیا معلوم وہ کیا بات کے واسطے بلاتے ہیں"

افتخار۔ "شاید کوئی کام ہو جا کر پوچھ کیوں نہیں لیتی ہو"

عمدہ خانم۔ "تم کیا جانو اس خیلا کو اس کی دلگی یہی ہے کئی بار مجھ کو دھوکے دے چکی ہے"

محی الدین بی۔ "بھلا جھوٹ بولنے سے میرے کو کیا ملیگا (افتخار سے مخاطب ہو کر) آپ سدا بہار سے بلا کر پوچھ لو اگر میں جھوٹ بولتی ہوں تو"

افتخار (عمدہ خانم سے) "کھڑی کھڑی جا کر دریافت کیوں نہیں کر لیتیں شاید کسی ضروری کام کے لئے بلایا ہو جھوٹے بھائی انتظار میں ہونگے"

عمدہ خانم۔ اوٹھکر چلی گئی۔

محی الدین بی۔ "صاحبزادی آپ کی مزاج کیوں ہے منہ اترا ہے"

افتخار۔ "اچھی تو ہوں۔ کیوں خیر تو ہے۔ خلاف معمول آج مزاج پرسی کیوں ہو رہی ہے میں دیکھتی ہوں آج تمہیں ہنسی بہت آ رہی ہے کہیں گڑا ہوا خزانہ تو نہیں مل گیا یا زعفران کا کھیت دیکھ آئی ہو۔

محی الدین بی۔ (ذرا سکڑا کر اور بل کھا کر) "آپ خوش رہو تو میرے لئے

خزانہ ہی ملے سر پکا ہے"

افتخار۔ (اپنے دل میں) "ہوئی مدت اسیران محبت کو نہیں معلوم
خوشی ہے نام کس شے کا مسرت کس کو کہتے ہیں) اللہ کا شکر ہے کہ اُسنے
مجھے ہر طرح خوش رکھا ہے"

محی الدین بی۔ (اپنی جولی میں سے ایک خط نکالکر) "اُسے لو جہاں آپ
تھوڑے خوش تھے اب بہت ہو جاؤ"

خط دیکھتے ہی افتخار کا دل کچھ تو حیرت و استعجاب سے کچھ سنبھال امید
بہت زور سے دھڑکنے لگا جلدی سے خط لیکر پہلے لفافہ کی مہروں پر نظر
ڈالی جس سے اس کا استعجاب اور بڑھا ساتھ ہی اس کے دل کی حرکت
بھی بڑھی کیونکہ روانگی کا مقام لکھنؤ نہ تھا بلکہ کلکتہ تھا۔ افتخار نے جھٹ
لفافہ چاک کر کے خط پڑھنا شروع کیا۔

خط

۱۱ ولنگٹن روڈ کلکتہ

۲۴ ڈسمبر ۱۸۹۴ء

جناب مفسر حالات سلامت

آپ کا عنایت نامہ دور دراز کی سیر و سیاحت کرتا اور متعدد ڈاکخانوں کا
معائنہ کرتا ہوا بالآخر مجھ تک پہنچا۔ مزاج پرسی کا تو معمولی لفظوں میں شکریہ
ادا کرتا ہوں۔ مگر آپ کے حسن ظن کا اور ان بے انتہا مہربانی بھرے جذبات کا

جو مجھ ناچیز اجنبی کی نسبت آپنے ظاہر کئے ہیں شکریہ ادا کرنے کے لئے موزوں
و مناسب الفاظ غور و خوض کرنے پر بھی مجھ کو نہیں ملتے اس لئے اس
فرض کی ادائی میں قاصر ہوں اور معافی کا خواستگار ہوں۔ مجھ سے اجنبی کو
اس طرح پر مخاطب کرنے اور نہ رُکنے والے جذبات کا اظہار کرنے کی نسبت
جن وسوسوں اور دغدغوں اور انفعال کو ظاہر کر کے آپنے معذرت خواہی
کی ہے ان کی نسبت آپ کی تشفی و اطمینان کے لئے میرا اس قدر لکھنا
غالباً کافی ہوگا کہ آپ کے انفعال آمیز خیالات اور آپ کی الجھن بلحاظ
حالات مخصوصہ بے شک حق بجانب ہیں اور میں ان کو خاص طرح کی
مجبوریوں سے منسوب کرتا ہوں اور اس کا یقین دلاتا ہوں کہ ہرگز کسی قسم کی
بدظنی آپ کے مخاطب کے دل میں پیدا نہیں ہوئی ہے اور آپ ہر طرح سے
مطمئن رہیں اس قدر سمع خراشی کے بعد آمدم برسر مطلب۔ بلحاظ تسلسل
سوالات کے جوابات مطلوبہ ادا کئے جاتے ہیں۔

ج ۱۔ ۴ ماہ دسمبر ۱۸۶۹ء میری ولادت ہے اس اعتبار سے مجھی تئیسواں
سال شروع ہوا ہے۔

ج ۲۔ والدہ مرحومہ کے انتقال کو عرصہ ہوا الحمد للہ والد زندہ ہیں۔

ج ۳۔ والدہ مرحومہ کا اسم گرامی گیتی آرا بیگم تھا خدا تا دیر سلامت رکھے
میرے والد کا نام نامی نواب سید فرید ول میرزا ہے۔

ج ۴۔ میرے والد کو سرکار انگریزی سے ایک سو روپیہ ماہانہ کا وظیفہ ہے
علاوہ اس کے وہ درجہ اول کے ڈیوٹی مجسٹریٹ و ڈپٹی کلکٹر ہیں اس

خدمت کی ماہوار آٹھ سو ہے۔ اندنوں اوں کا مستقر خاص فیض اباد ہے اور مکان آبائی لکھنؤ کے محلہ وزیر گنج میں ہے۔ ہم نیشہ پوریوں کا خاندان لکھنؤ میں غیر معروف نہیں ہے۔

ف۵۔ مذہب مسلم۔ سُنی و شیعہ کی تفریق کو جلد رسالت مآب اُسوقت کے حالات کے لحاظ سے پیدا ہوئی تھی میں پسند نہیں کرتا ہم مسلمانوں کی تباہی کا باعث آپس کی فروعی تفریقیں ہوئیں جنھوں نے ہمکو اس حالت کو پہنچا دیا ہے۔

ف۶۔ میری شادی ابھی نہیں ہوئی ہے۔

ف۷۔ پیغام تو بہت آئے اور آرہے ہیں مگر نسبت کہیں مقرر نہیں ہوئی ہے

ف۸۔ شادی ایسی ہی خاندان میں ہونی چاہئے جہاں پیوند میں پیوند مل سکے۔ شرافت نسبی کے ساتھ عالی خاندانی کا بھی خیال ہے اور یہ صفات صرف امارت ظاہری پر بہر حال میں لایق ترجیح ہیں اس قسم کے رشتہ و پیوند میں مجرد امارت ظاہری کا خیال کرنا اور بقیہ صفات متذکرہ کو بخیال دولت نظر انداز کر جانا میرے نزدیک کم ہمتی اور جہالت کی دلیل ہے وجاہت و حسن ظاہری بھی دلکش صفت ہے جسے ہر شخص پسند کرتا ہے یہانتک تو میں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کی اب میری بھی کچھ فرمایش بجالائے مستفسر کو لازم ہے کہ اپنے حالات سے مطلع کرے اور مندرجۂ ذیل سوالات کے جواب ادا کرے۔

آپ کا اسم مبارک اور عمر کیا ہے آپ کے والد کا اسم گرامی کیا ہے اور

وہ حی القیام ہیں۔ اپنے سلسلہ جدی و مادری سے واقف کیجئے۔ وجہ معاش آپ کے والد کی کیا ہے۔ آپکی تعلیم کس طریقہ کی اور کس حد تک ہوئی۔ غالباً آپ کی شادی تو نہیں ہوئی ہے یہ بتلائیے کہ انتخاب و تقرر نسبت میں دخل و قدرت کسی حد تک آپ کو بھی ہے۔ کن صفات سے اُس شخص کو متصف ہونا چاہئے جس کو خوش قسمتی سے آپ کے شوہر ہونے کا شرف حاصل ہونے والا ہے۔ آپ اپنی تصویر مجھ کو بھیج سکتی ہیں۔ اس کا میں یقین دلاتا ہوں کہ اس کا افشا کسی طرح پر نہ کیا جائے گا بلکہ مدت العمر ایک راز سربستہ رہے گا۔

ازراہ کرم استفسارات بالا کے جوابات جلد اور بہت جلد دیجئے تاکہ میری بیچینی اور انتظار کا اضطرار جلد دور ہو۔

آپ کا خیر طلب جواب کا منتظر

فرخ

خط پڑھتے ہی کچھ عجب بشاشت روحانی افتخار کو محسوس ہوئی خون زوروں سے رگوں میں دوڑنے لگا اور وہ چہرہ جو لمحہ بھر قبل افسردہ و مشوش دیکھائی دیرہا تھا اس پر تازگی و اطمینان کے آثار نمایاں ہوگئے سوکھے دہانوں میں جیسے پانی پڑا۔ اوس نے اس خط کو کئی بار کبھی غور سے کبھی جلد جلد پڑھا۔

محی الدین بی۔ (جواب تک وہیں کھڑی تھی) کیوں صاحبزادی خیریت تو ہے نا۔ یہ اوسی خط کا جواب ہے نا جو میرے کو آپ ٹپہ میں ڈالنے کو

دیئے تھے"

افتخار (ٹال کر) "نہیں یہ اوس کا جواب نہیں ہے یہ ایک اور خط ہے تم جاؤ اپنا کام کرو"

محی الدین بی تو چلی گئی افتخار نے پھر خط پڑھنا شروع کیا عمدہ خانم کو آتے دیکھکر خط کو کتاب میں جو دالو پر رکھی تھی رکھ لیا اور عمدہ خانم سے پوچھا "کیوں خیر تو ہے چھوٹے بھائی نے تمھیں کیوں بلایا تھا"

عمدہ خانم "اللہ رکھے تم لوگوں کی سلامتی ہیں خیر ہی خیر ہے میرے پاس کل قمیص کے بٹوام رکھوائے تھے وہ لینے کے لئے مجھے بلوایا تھا۔ اس وقت تو میں دیکھتی ہوں میری آنکھوں میں خاک تمھارے چہرہ پر ہمیشہ کی سی شگفتگی جو کئی روز سے غنقا کی طرح غائب تھی ماشاء اللہ پھر آگئی ہے۔ کیا محی الدین بی کوئی فرحزدہ جانفزا سنا گئی"؟

افتخار (جس کی باچھیں بے ساختہ کھلی جاتی تھیں) "اب مجھے یقین ہو گیا تمھارا وہم مالیخولیا کی حد تک پہنچ گیا ہے کبھی تو کہتی ہو کہ میں آزردہ و کبیدہ دیکھائی دیتی ہوں میرا چہرہ زرد پڑ گیا ہے میں دبلی ہو گئی ہوں میرے چہرے سے اودا سی ٹپکتی ہے اب یہ کہنا شروع ہو گیا کہ میں بشاش و شگفتہ معلوم ہوتی ہوں (ہنسکر) ابھی تم نے تو مجھے خاصہ گرگٹ بنا دیا کہ رہ رہکر رنگ بدلتی ہوں اصل جو یہ ہے تو تمھارا ایک خیال بھی صحیح نہیں ہے نہ یہ وہ خط ہے جو کیفیت میری ہے وہ ہے آخر بدلنے کا سبب"

عمدہ خانم (بلائیں لیکر) "خدا تمھیں ہمیشہ خوش و بشاش رکھے اس سے

بڑھکر مجھے اور کیا خوشی ہوسکتی ہے کہ میں تم کو ہمیشہ ہنستا ہوا دیکھوں
یہہ تو ضرور کہوں گی کہ اس وقت کوئی بات ایسی ہوئی ہے جس نے
تمھاری فکر دور کی ہے انسان کا چہرہ اس کے دل کی کتاب کا دیباچہ
ہے جو کیفیت دل پر گزرتی ہے وہ چہرہ سے چھپائے نہیں چھپتی"
افتخار تھوڑی دیر تک عمدہ خانم سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی
رہی اس کے بعد عمدہ خانم چلی گئی اور افتخار طرح طرح کے
خیالات کے دریا میں غوطہ زنی کرنے لگی اب یہہ فکر اسے دامنگیر
ہوئی کہ فرخ کے حالات خاندانی اور فرخ کے اخلاق و اطوار
کی حقیقی کیفیت کسی طرح دریافت کرنی چاہیئے اس میں شک نہیں
نیشہ پور والوں کا خاندان لکھنؤ میں مشہور و معروف ہے مگر کسی
طریقہ اور کسی ذریعہ سے صحیح حالات ضروری متحقق کئے جائیں
اس ادھیڑبن میں تھوڑی دیر تک اپنا دماغ کھپایا ایکدفعہ
اُس کے دماغ میں ایک روشنی سی پھیل گئی اور اُس نے
اپنے دل میں کہا واہ ؎ آب در کوزہ و من تشنہ دہان میگردم
یار در خانہ و من گرد جہاں میگردم۔
عمدہ خانم سے بہتر کون شخص ہوگا یہہ تو لکھنؤ ہی کی رہنے والی
ہے ممکن ہے کہ نیشہ پور والوں سے ذاتی واقفیت رکھتی ہو
ورنہ اس کے عزیز و اقارب لکھنؤ میں ہیں خصوصاً اس کے رشتہ کا
کوئی بھانجا یا بھتیجا نصیرالدین حیدر نامی رکاب گنج میں ہے جس کے پاس

اکثر خط آتے جاتے ہیں وہ بہت آسانی سے نصیرالدین حیدر کو لکھکر فرخ کے حالات دریافت کرسکتی ہے مگر مشکل یہہ ہے کہ عمدہ خانم پر اصلی راز ظاہر کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اب اس حیص وبیص میں ہوئی کہ اگر عمدہ خانم سے حقیقت حال کا اظہار کرے تو وہ بیحد چھیڑے گی اور ستائیگی کیونکہ جو کچھہ اُس نے سمجھا تھا آخر کا سچ نکلا۔ دو چار روز افتخار اسی مخمصے میں رہی کہ کہے یا نہ کہے آخر اُس نے اس کا فیصلہ کیا کہ بغیر عمدہ خانم کو راز دار بنائے گزر نہیں ہے فرخ کے خط کو آنکر چوتھا روز تھا کہ عمدہ خانم حسب معمول افتخار کے پاس آنکر بیٹھی۔ افتخار نے دل مضبوط کرکے عمدہ خانم سے یہہ گفتگو شروع کی۔

افتخار۔ "میری اچھی عمدہ خانم میں تم سے ایک بات کہا چاہتی ہوں مگر شرط یہہ ہے کہ جب تک میں نہ کہوں اس کا ذکر کسی سے نہ کرو اور اس کو ایک امانت کی طرح اپنے دل میں رکھو اور اس کا وعدہ کرو کہ حتی الامکان تم میری مدد کروگی"۔

عمدہ خانم۔ (ذرا چونک کر)۔ "شوق سے کہو بھلا میں ایسی کمینی ہوں کہ تم کسی بات کو منع کرو اور میں اُس کو ظاہر کروں اور مدد بھلا میں تمھاری کیا کرسکتی ہوں اس پر بھی جو کچھہ میرے کئے ہوسکتا ہے تم سے ہرگز دریغ نہ کروں گی اس کا یقین رکھو کہ اگر میری جان بھی تم لوگوں کے کام آئے تو وہ بھی مجھ کو عزیز نہ ہوگی۔

ہیں تو بال بال تم لوگوں کے احسان میں جکڑی ہوئی ہوں اگر میرے چمڑے کی جوتی بناؤ تو بھی حق سے ادا نہ ہوں گی لو کہہ ڈالو وہ کون سا ایسا راز ہے (ذرا مسکرا کر) میں سمجھی وہی ڈاکٹر الا معاملہ تو نہیں ہے جسکی تصویر تمنے اخبار میں دیکھی تھی"

افتخار۔ (متبسم ہوکر) "دیکھو اس وقت لگی کی نہیں سہی اچھا اس کی قسم کھاؤ کہ مجھے چھیڑو گی تو نہیں"

عمدہ خانم۔ "تمہیں بتاؤ جس کی قسم کہو کھاؤں تمہاری پیاری جان کی قسم میں نہیں چھیڑوں گی چھیڑنے اور تمسخر کا بھی محل ہوتا ہے میں کیا دیوانی ہوں کہ کام کی باتوں میں دل لگی کروں"

افتخار۔ "لو کھلم کھلا ساری حقیقت کہتی ہوں۔ جب سے میں نے ڈاکٹر فرخ مرزا کی تصویر دیکھی ہے سچ مچ میرا دل بے قابو ہوگیا ہے" اتنا کہنا تھا کہ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ عمدہ خانم نے جھٹ گلے سے لگا کر تشفی و تسکین کے کلمے کہے اور کہا گھبراؤ نہیں پریشان نہ ہو۔ خدا ہر مشکل کا آسان کرنے والا ہے۔

بہر کارے کہ ہست بستہ گردد ۔ اگر خارے بود گلدستہ گردد۔

انسان کو چاہئے کہ استقلال اور ہمت سے کام لے بیشک یہہ معاملہ بہت کٹھن اور نازک ہے خاص کر کے جبکہ پتہ ٹھکانا بھی نہ معلوم ہو مگر دل نہ ہارو اللہ مسبب الاسباب ہے غیب سے ایسی شکلیں پیدا ہو جائیں گی اور ایسے اسباب مہیا ہوں گے کہ

سارا کام بن جائے گا اور تمھاری آرزو پوری ہوگی۔"
افتخار پر جو ایک خاص حالت طاری ہو گئی تھی اس سے
جب افاقہ ہوا تو اوس نے کہنا شروع کیا۔ پتہ ٹھکانا سب لگا
لیا ہے بات یہہ ہے کہ میں نے ایک خط انھیں فرضی نام و پتہ سے
لکھا تھا۔"

عمدہ خانم۔ (بات کاٹ کر تحیر کے ساتھ) "کیا تم نے ڈاکٹر کو خط
لکھ بھیجا تھا۔"

افتخار۔ "خط لکھا تھا اور جواب بھی آیا۔"

عمدہ خانم۔ "(جس کا تحیر و استعجاب لمحہ لمحہ ترقی کر رہا تھا) بیگم
تم نے تو غضب ہی کیا بھلا وہ ڈاکٹر اپنے جی میں کیا سمجھتے ہونگے
خدا نہ کرے تمھاری طرف سے اگر انھیں بدگمانی پیدا ہو گئی تو
سارا کام بھنڈول ہو جائے گا۔ تم چاہے کچھہ ہی کہو میری آج کی
بات یاد رکھو برا یا بھلا ہاں یہہ تو کہو لکھا کیا تھا۔"

افتخار۔ "تم پریشان نہ ہو خدا نہ کرے میں نے کچھہ فضول و
بیہودہ باتیں انھیں لکھی تھیں میں نے جو خط بھیجا اس کا مسودہ
میں نے نہیں رکھا مگر اُن کے پاس سے جو جواب آیا ہے وہ
تمھیں سناتی ہوں اس سے تم کو میرے خط کے مضمون و طرز تحریر
کا اندازہ ہو جائے گا لو سنو۔"

افتخار نے کتاب میں سے فرخ کا خط نکال کر شروع سے اخیر تک

پڑھکر سنایا عمدہ خانم نے وہ خط لیکر بڑے غور سے ایک ایک حرف پڑھا اور جو جو لفظ نہیں نکلے افتخار سے پڑھوائے اس کے بعد ہنسکر بولی۔

"لہ مبارک! للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست پہ آخر آمد زہے پردۂ تقدیر ہر بروں جیسا تم چاہتی تھیں ویسا ہی جورا اللہ نے ملایا۔ تصویر دیکھتے ہی اندر سے میرا دل بول اوٹھا تھا کہ یہہ لڑکا ہو نہ ہو نیشہ پوری نواب زادوں میں ہے اور وہی نکلا۔ بیشک ان کا کیا کہنا۔ ان کی ذات رات پوچھنے کو کہیں جاتا نہیں علم بھی وہ حاصل کیا ہے بقول اخبار والے کے ہندوستان بھر میں یکتا ہے۔ صورت شکل میں لاثانی اول تو مرد کے لئے خوبصورتی کی ضرورت بھی نہیں ہے بشکل نہ ہو تو کافی ہے یہ تو نام خدا چاند کا ٹکڑا ہے۔ معلوم ہوتا ہے تم نے بڑی ہوشیاری سے خط لکھا تھا جب تو وہ لکھتے ہیں کہ میں ہرگز تم سے بدگمان نہیں ہوں یہی بات میرے دل میں کھٹکی تھی کہ خدا نہ کرے تم سے کہیں بدظن نہ ہو گئے ہوں۔ مگر نہیں ماشاء اللہ تمہاری ذہانت کی تو میں ہمیشہ قائل ہوں اب یہہ بتاؤ کہ جو باتیں اونھوں نے دریافت کی ہیں وہ تو صحیح صحیح لکھنا ہونگی۔ پھر تو فرضی پردہ اوٹھ جائیگا۔ جواب دینا تو لازمی ہے مگر ذرا مجھے دیکھا دینا ابھی لکھتی ہو؟"

افتخار۔ (مسکراکر) تم بھی عجب بوکھل ہو یا تو اس قدر احتیاط برتنے کا خیال تھا یا یہ جلدی کہ ابھی جواب بھی لکھ دوں۔ نہ انکے خاندانی حالات کی تحقیق کی گئی نہ اون کے چال چلن کی کیفیت دریافت کی گئی۔ ممکن ہے جو کچھ اونھوں نے لکھا ہے صحیح ہو اور ضرور صحیح ہے مگر ہر شخص کو حتی الامکان اطمینان کر لینا چاہیے (نیچی نظر کرکے اور ذرا ہچکچا کر) خصوصاً ایسے معاملہ میں تو تجسس بھر کے ہر طرح کا اطمینان کر لینا چاہئے آگے قسمت۔ ہاں تم تو نیشہ پور والوں سے خوب واقف ہوگی جب ہی تو یہ کہا کہ تصویر دیکھتے ہی تار گئی کہ ڈاکٹر صاحب نیشہ پوری نواب زادوں میں ہیں"

عمدہ خانم۔ (ذرا تیکھے کے لہجہ میں) "میں تو ان کی سات پشت سے واقف ہوں یہ معلوم نہیں یہ کن کے بیٹے ہیں ہاں خط ابھی پڑھا تھا نا"

افتخار۔ (بے تحاشا ہنسکر) اس کی بھی ایک ہی کہی۔ باپ سے تو ناواقف اور پھر سات پشت سے واقف۔ جب باپ ہی کا حال معلوم نہیں تو دادا پردادا کون تجھے کس طرح معلوم ہو سکتا ہے تم بھی عجیب مجنون مرکب ہو"

عمدہ خانم۔ (کھسیانی ہنسی کے ساتھ) "اوئی! تم بھی غضب بال کی کھال کھینچتی ہو میرا مطلب یہ ہے کہ نواب شاہجہان میرزا بہادر سے

کون نہیں واقف انھیں کے پوتے پر پوتے یہہ بھی ہوں گے"
افتخار:۔ "یہاں تمہاس کو دخل دینے سے کام نہیں نکلنے کا بلکہ تحقیق
کی ضرورت ہے اس لئے میں تم سے دریافت کرنا چاہتی تھی یوں
تو میں نے بھی لکھنؤ کی تاریخ قیصریہ میں نیشہ پور والوں کے خاندان کا
حال پڑھا ہے مگر ان لوگوں کا وسیع کنبہ ہے شاہجہاں مرزا کا نام
مجھے یاد آتا ہے کہ دیکھا ہے اس کے ساتھ یہ بھی یاد ہے کہ وہ تین
بھائی تھے غازی الدین حیدر کے زمانہ میں زندہ تھے نہیں معلوم
ڈاکٹر صاحب کس سلسلہ میں ہیں علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحب کی والدہ
کا سلسلہ نسب بھی دریافت کرنا ہے"
عمدہ خانم:۔ "ہاں تمھارا خیال صحیح ہے۔ یہ تو تم نے کہا ہی نہیں
مجھ سے کس قسم کی مدد چاہتی ہو (ٹھنڈی سانس لیکر) ہائے اس لائق
کب ہوں کہ دوسروں کی مدد کروں اپنی مدد تو آپ کر ہی نہیں سکتی
بقول شخصے مولیٰ اپنے پیوں آپ بھاری ہے۔ تمھارا صدقہ کھائی
ہوں تم لوگوں کے لئے دعائیں کیا کرتی ہوں سوا اس کے اور
میں کس مرض کی دوا ہوں"
افتخار:۔ "جس قسم کی امداد تم سے مطلوب ہے رفتہ رفتہ تم سے
کہوں گی سر دست تو انھیں کے حالات کے متعلق تم سے پوچھنا
تھا مگر اس بارہ میں تم اتنی ہی واقفیت رکھتی ہو جتنی مجھے ہے مگر
تم ایک کام بآسانی کر سکتی ہو تمھارے بھانجے یا بھتیجے وہ کون ہیں

شاید نصیر الدین حیدر نام ہے جن کے ہاں سے تمھارے پاس
خط کبھی کبھی آیا کرتے ہیں ان کو لکھکر دریافت کرو جو جو باتیں
مجھے دریافت کرنی ہیں وہ اپنے طور پر معتبر ذرایع سے دریافت
کرکے تم کو لکھ بھیجیں"

عمدہ خانم۔ (مارے خوشی کے بیتاب ہوکر) قربان جاؤں
ماشاءاللہ ماشاءاللہ کیا پتہ کی سوجھی ہے۔ تو پھر کہو کیا لکھوں"

افتخار۔ "یا میرے الٰہی! اس قدر جلدی نکرو ٹھہرو ذرا مجھے سوچنے
تو دو جب تک تم اپنا (ہنسکر) قلمدان وزارت تولاؤ تم سے انگریزی
لکھنے کے قلم دروشنائی سے لکھا نہیں جاتا۔ بہتر یہہ ہوگا کہ میں
خود ہی مسودہ کرکے تم کو دوں تم اُسے صاف کرکے بھیجدو" یہہ
کہکر افتخار اپنے لکھنے کے میز کے قریب والی کرسی پر جا بیٹھی اور
ایک کاغذ پر مسودہ کیا اور اوس میں کل ضروری امور فرخ کے
خانہ داری حالات کے متعلق اوس کے والد کے ذریعہ معاش اور
فرخ کے اخلاقی عادات واطوار کی نسبت درج کئے اور یہہ بھی
لکھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو مستند ذرایع سے تحقیقات کرکے اس
مسئلہ کے جوابات بھیجے جائیں جبکہ افتخار مسودہ لکھنے میں مشغول
تھی عمدہ خانم اپنا دوقیا نوسی ٹوٹا ہوا لکڑی کا چھوٹا سا قلمدان
لیکر آئی جس میں دو تین ہوا سے قلم پڑے ہوئے تھے مصطفائی
روشنائی کی صوف دار ایک پیتل کی دوات تھی اور ایک عدد

پیتل کی کمانیوں کی تھی جس کے کئی مقام پر سفید دھاگہ لپٹا تھا اور دو نلیں آنے کے لیے خلدان کے ایک کونہ میں تھے۔ افتخار نے مسودہ عمدہ خانم کو سنایا جسے سنتے ہی بھڑک گئی اور تعریف کے پل باندھ دیئے۔ پھر وہ مسودہ افتخار سے لیکر پہلے تو اوس نے اوس کو کئی بار افتخار کی مدد سے پڑھا اوس کے بعد اولجھ اولجھ کے صاف کیا جب صاف کر چکی تو افتخار کو دیا۔

افتخار۔ تمہاری لمبی لمبی باتیں کیڑے کوڑے مجھ سے تو کبھی بآسانی نہیں پڑھے گئے تمہیں پڑھکر سناؤ مجھے تو فکر اس کی ہے تمہارا خط اچھی طرح نصیر الدین حیدر سے پڑھا بھی جاتا ہے کہ نہیں کہیں کوئی مطلب نہ فوت ہو جائے۔ تمہارا خط بقول شخصے اس کہاوت کا مصداق ہے لکھیں عیسیٰ پڑھیں خدا یا یوں کہوں لکھیں ایسا پڑھیں خود آپ۔

عمدہ خانم۔ میں تو ایسا ہی لولھا لنگڑا لکھتی ہوں مگر نصیر میرے خط کا عادی ہے چاہے کیسا ہی جلدی لکھوں ماشاء اللہ ایک ایک حرف نکال لیتا ہے اس سے خاطر جمع رہو۔

خط لفافہ میں بند کر کے نصیر الدین کا پتہ لکھکر ڈاک خانہ بھجوا دیا گیا

ساتوان باب

شام کے چہرہ بجا چاہتے ہیں دن اور رات ایک دوسرے سے

بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کر رہے ہیں دن بھر کا تھکا ماندہ آفتاب جہاں تاب جلد جلد قدم بڑھاتا در و دیوار و کوہ و بیابان سے اپنی روشنی سمیٹتا افق مغرب کی طرف جا رہا ہے۔ سفیدی ناپید ہوتی جاتی ہے اور سیاہی صفحہ دہر پر اپنا رنگ جمانے کی فکر میں ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے درخت مستانہ وار جھوم جھوم کر معبود حقیقی کی بندگی کے لئے سر جھکا رہے ہیں فرخ دواخانہ سے واپس آ کر حسب معمول اپنی کوٹھی کے مشرقی رو بہ برآمدہ میں ایک ڈریسنگ گون[1] پہنے چہل قدمی کر رہا ہے فلک جفا پیشہ نے بیٹھے بٹھائے ایک تندرست دماغ کو پراگندہ کر رکھا ہے جب سے افتخار کا خط آیا ہے راحت و سکون دماغی کو فرخ نے خیرباد کہہ دیا ہے۔ راتوں کو سکھ نیند سونا بھی خواب و خیال ہو گیا ہے کبھی کچھ سوچتا رہتا ہے کبھی بالکل خالی الذہن ہو جایا کرتا ہے چنانچہ اس وقت بھی آشفتہ دل فرخ ٹہلتا جاتا ہے اور سوچتا جاتا ہے مختلف اقسام کے خیالات اس کے دماغ میں جولانی کر رہے ہیں طرح طرح کے قیاسات کا لشکر اوس کے دماغ کو زرمگاہ بنائے ہوئے ہے افتخار کی صورت و حالات کے متعلق بھی فرخ کا خیال کبھی کچھ ہوتا ہے کبھی کچھ ہوتا ہے کبھی اوس کے تصور میں افتخار ایک کم سن نالی خاندان نہایت

---

[1] قسم لبادہ

پاکیزہ و ستھرے خیالات کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم یافتہ معصوم صفت
حسن کی دیوی بن کر آتی ہے کبھی انارکلی کی طرح ایک شوخ و شنگ
طرار پری جمال گزرتی ہے کبھی ایک سوہنی صورت
صورت کی سن رسیدہ مگر خوب پڑھی لکھی بیوہ عورت ہے کبھی
زنانہ لباس میں اس کے دوبدو ہوتی ہے کبھی ایک موہنی صورت
مغربی طریقہ کی تعلیم یافتہ نہایت خوش وضع ساری اور جیکٹ
پہنے کسی عالیخاندان امیرزادی کا مرقع اس کو دکھائی دیتا
ہے اور اپنی فریفتگی کا اظہار کرتا ہے جو فرخ کو ہزار جان سے
اپنا گرویدہ کرتا ہے اس وقت بھی اسکے پیش نظر اسی قسم کی تصویر
ہیں اور یہ سوچ رہا ہے کہ جواب مطلوبہ کے ساتھ چند استفسارات
بھیجکر بھی گیارہ بارہ روز ہو گئے استفسارات کا جواب ابتک
نہ آیا خلاف توقع اس قدر تاخیر جو ہوئی اس کے اسباب کی نسبت
گوناگوں قیاسات موجزنی کر رہے ہیں کہ اسی اثنا میں اسکے یار غار مسٹر
بوس آئے۔

بوس:۔ معاف کرنا بھئی کل شام کو حسب وعدہ نہ آسکا میں نے
جو رقعہ بھیجا تھا اوس میں معذرت خواہی کے ساتھ نہ آنے کا
سبب بھی لکھ بھیجا تھا"

فرخ:۔ "یہ انند موہن چٹرجی کون ہیں۔ چٹرجی جو عدالت خفیفہ
کے وکیم جج ہیں اُن کے بھائی والی ہیں"

بوس۔ "نہیں۔ ان کو اُن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ڈوکٹر انند موہن چٹیرجی ڈی سی۔ ایل بیرکھوم کے رہنے والے ہیں وہاں کے زمینداروں میں ہیں ان کے باپ جسور میں سب جج تھے۔ افسوس کہ تم کل شام کو ٹون ہال نہ آئے ڈوکٹر چٹرجی کا لکچر سننے کے قابل تھا اور بلحاظ موضوع ڈوکٹر نے پوری داد قابلیت دی انڈین پولیٹیکل ہسٹری (ہند کی سیاسی تاریخ) گزشتہ و حال سے کس قدر باخبر ہیں اور قوت استقرائی و استخراجی بھی نہایت صحیح و قوی ہے انڈیا کے مستقبل کی جو اندازہ انھوں نے کیا ہے بہت ہی معقول و مدبرانہ اور بلحاظ استدلالات صحیح بھی معلوم ہوتا ہے۔"

فرخ۔ "یہ تو بتاؤ لکچر کا موضوع کیا تھا تم نے اپنے رقعہ میں صرف اتنا ہی لکھا تھا کہ ڈوکٹر چٹیرجی آج شام کے ۵ بجے ٹون ہال میں لکچر دینے والے ہیں اور میری شرکت لازمی ہے نہ صرف بخیال اس کے کہ دعوت کو رد کرنا خلاف اخلاق ہے بلکہ بخیال اس کے بھی کہ ایک عالم کے وسیع معلومات سے استفادہ حاصل کرنا ایک نعمت ہے۔"

بوس۔ "لکچر کا موضوع نیو انڈیا یا انڈیا ان ایسپریشنس (جدید ہند اور اور اوس کی تمنائیں) تھا۔"

فرخ۔ "سر مہندری کوٹن چیف سکریٹری اوف بنگال نے جو کتاب

مسمّٰی بہ نیو انڈیا لکھی ہے تم نے تو دیکھی ہوگی خوب لکھی ہے خصوصًا
اس خیال سے کہ ایک انگریز نے لکھی ہے اور اس قدر ہمدردی
ہمارے ملک و قوم کے ساتھ ظاہر کی ہے نہایت لایق تحسین
ہے مگر تمھاری نظر میں اور تمھارے بہاویں تو وہ کچھ بھی نہ ہوگا
تم لوگ تو چاہتے ہو کہ مثل اوسٹریلیا اور کینیڈا کے انڈیا کو سلف
گورنمنٹ دیدی جائے۔ تم لوگوں میں بحیثیت گروہ پولٹکس کا
مذاق اس درجہ ہوگیا ہے کہ صرف شغف و انہماک ہی اس میں
نہیں ہے بلکہ ایک خبط ہوگیا ہے۔"

بوس "جس طرح تم مسلمانوں کو سرکاری عہدہ داروں کی چاپلوسی
کا روز افزوں مالیخولیا ایسا پیدا ہوگیا ہے کہ مسلمان پولٹکس کے
نام سے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں یہہ تم جانتے ہو کہ وہی شخص زندہ
رہ سکتا ہے جس کو زندگی پیاری ہے اور اس لئے عوارض
لاحقہ کے معالجہ کی فکر کرتا ہے بعینہ وہی نقشہ قوم کا ہے اسمیں
شک نہیں کہ ہم ہندی بحیثیت قوم صحیح و توانا نہیں ہیں بلکہ
دم توڑ رہے ہیں بعض بعض عضو میں ذری جان باقی ہے اس لئے
بقول شخصے جب تک سانس تب تک آس سمجھکر ہم ہاتھ پاؤں
کچھ ہلاتے ہیں مگر افسوس اس کا ہے معاف کرنا تم مسلمانوں سے
یہہ بھی نہیں دیکھا جاتا مدد کرنا تو درکنار۔ ہمارا گروہ کوئی باغی
فرقہ نہیں ہے نہ سرکار انگریزی کا بدخواہ ہے ہم کو معلوم ہے جو اعلےٰ

صفتیں اہل برطانیہ میں ہیں اور ہم کو اس کا بھی یقین ہے کہ بلحاظ حالات مخصوصہ انڈیا کو ضرورت ایسے ہی حکمراں کی ہے مگر ہم جو چیختے چلاتے ہیں اس سے مطلب صرف اسی قدر ہے کہ جائز حقوق ہم کو دیئے جائیں دوسرے لفظوں میں استحقاق طلبی کے لئے ساری جد وجہد ہے اور وہ بھی کونسٹیٹیوشنل (باقاعدہ) طریقہ سے اگر ہمارے ساتھ مسلمان بھی شریک ہو جائیں تو اس سے ملک کو بیحد فایدہ ہوگا اور ہمارا مقصد بہت جلد حاصل ہو جائے گا۔ تم بزرگانہ مانتا سرسید کی پولیسی اس باب میں بہت رخنہ انداز ہوئی اور ہو رہی ہے۔ نہ معلوم سرسید کی یہ کوئی ڈپلومیسی (مطلب براری) کا خیال ہے جو مسلمانوں کو پولٹیکس میں دخل دینے سے محترز رہنے کے لئے وہ اس قدر مصر ہیں"

فرخ۔ (ذرا تیور بدل کر) چاپلوسی کا لفظ تم واپس لو۔ اس سے ہم مسلمانوں کی شان میں بٹہ لگتا ہے ہر گز مسلمان چاپلوس نہیں ہیں جس قدر سلف رسپکٹ (خیال منش وذی) ہمارے فرقہ کو ہے ہند کے کسی گروہ میں ہونا ناممکن ہے جس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ۱۸۵۷ء تک جسے کل چھتیس سینتیس برس ہوتے ہیں برائے نام ہی سہی مگر ہم انڈیا کے حاکم تھے مثل مشہور ہے تین پشتوں تک جس طرح کھچڑی کی بو نہیں جاتی اوسی طرح پلاؤ کی خوشبو بھی نہیں جاتی۔ رسی جل گئی۔ گمر بل ابھی موجود ہے یہہ تمھارا

یا جس کسی کا ایسا خیال ہو کہ مسلمان خوشامدی اور چاپلوس ہیں غلط ہے۔ جن معنوں میں لفظ ڈپلومسی مغربی دنیا میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ان معنوں کے ساتھ سرسید کے متعلق یہہ خیال کرنا کہ سید صاحب ڈپلومٹ یعنے ڈپلومسی برتنے والے ہیں میرے خیال میں ایک گناہ عظیم ہے۔ اس کی وجہہ سن لو سید صاحب نہایت راست باز صاف باطن صادق الیقین صادق القول سچے ہمدرد ملک و قوم اور لایق رہبر ہیں۔ رواجاً ڈپلومسی و پولیسی کے الفاظ کا مفہوم منافقانہ برتاؤ چالبازی اچھے یا بُرے طریقہ سے مطلب براری فتنہ پردازی وغیرہ وغیرہ ہے غرض راستی سے بہت دور۔ برعکس اس کے سرسید کا جو کچھہ خیال ہے خواہ وہ اپنی جگہہ پر غلط یا لایق اصلاح ہو حتی کہ مضر قوم بھی ہو مگر سرسید کی دانست میں حقاً مفید مطلب ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اُن کا یہہ خیال ہے کہ مسلمانوں کے قدم میدان تعلیم میں ابھی بہت پیچھے ہیں اور جس حد تک بنگالی اور پارسی پہونچ گئے ہیں مسلمانوں کو وہاں تک پہونچنے کے لئے ابھی ایک زمانہ چاہئے ایسی ناقص تعلیمی حالت میں ہمارے پچھلے نوجوان پولیٹکس میں دخل دینے لگیں گے تو اس مشغلہ میں پڑکر بڑا فرض حصول تعلیم کا رہ جائیگا اور بوجہہ جہالت کے اکثر غلطیاں کریں گے جو ممکن ہے قوم و ملک کے حق میں مضر ہوں اس لئے انکی

ساری کوشش اس وقت یہی ہے کہ مسلمان تعلیم حاصل کریں اور لایق بنیں جب تعلیم یافتہ ہو جائیں گے تو بقول شخصے شہر ستیا ہے کوتوالی پولٹیکس میں خود بخود حصہ لینے لگیں گے اور پھر کسی کے روکے نہ رکیں گے اور ایک وقت ایسا آنے والا ہے جانے اب سے کچھ حصہ ہر کہ ہندی مسلمان بھی پولٹیکس میں کافی حصہ لینگے اس وقت بڑی ضرورت تحصیل تعلیم کی ہے جو مصلح ہر قسم کے خیال کی ہے تہذیب و تمدن و شایستگی سب کچھ تعلیم کی بدولت ہے جو قوم حقوق و فرایض کے اقسام کو نہ جانے پولٹیکس کے اصول کو کیا سمجھ سکتی ہے"

بوس "واقعی میں تمھاری اس وقت کی تقریر نے میرے دماغ پر بڑا اثر کیا اب مجھکو یقین ہو گیا کہ سرسید درحقیقت ایک راست باز اور بڑے پایہ کے رہبر قوم ہیں اور انھوں نے اپنی کوشش کا تیر ٹھیک نشانہ پر لگایا ہے۔ علی گڑھ کو بج کی بنیاد اسی خیال سے ڈالی گئی ہے جہاں تک مجھے معلوم ہے صرف لڑکوں کی تربیت و تعلیم کا انتظام وہاں ہے لڑکیوں کی تعلیم کے لئے بھی سرسید نے کچھ کیا یا نہیں۔ میرے خیال میں تاوقتیکہ لڑکیوں کی تربیت و تعلیم کا انتظام و اہتمام نہ کیا جائے مجرد لڑکوں کی تعلیم زیادہ فایدہ بخش و نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی آج جو لڑکیاں ہیں چار دن کے بعد یہی مائیں ہوں گی اور مائیں جب تک

قابل و لایق نہ ہوں بچوں کی اٹھان جسے تربیت کہتے ہیں درست
نہیں کر سکتیں مائیں مثل جیلی کے سانچوں کے ہیں جس قسم کے
سانچہ میں جیلی جمائی جاتی ہے وہی نقشہ اس کا قایم ہوتا ہے بعینہ
وہی حالت بچوں کے حق میں ماؤں کی ہے ہاں خوب یاد آیا تمنے
مجھ سے پھر کوئی ذکر نہیں کیا تمھاری نادیدہ عاشق نے تمھارے استفسار
کے جوابات بھیجے یا نہیں بیشک وہ لڑکی لایق ہے گو میں اردو اچھی
طرح سمجھ نہیں سکتا جس سے لطف زباندانی اوٹھاتا مگر اس کے
خط کے مضمون سے اس قدر تو میں ضرور سمجھا کہ کاتب خط سمجھدار
و صاحب سواد ہے "

فرخ " میں تم سے یہہ کہنے ہی کو تھا کہ نہ معلوم کیا افتاد پڑی جو میرے
خط کا جواب اب تک نہیں آیا لڑکیوں کی تعلیم کی نسبت جو تمھارا خیال ہے
میں اس سے حرف بحرف متفق ہوں - عورتوں کی حالت جب تک
درست نہ ہوگی قوم سدھرنے کی نہیں - ایک پہیے سے بھی کہیں
کوئی گاڑی چلی ہے - دیکھو تم کو اسی خیال کی تائید میں ایک رباعی
سناتا ہوں ؎ جب قوم کے دونوں ہوں زن و مرد اجزا - کس طرح
کرے مرد ترقی تنہا - چلتی نہیں دو تین منٹ بھی وہ گھڑی
بگڑا ہو دلا ایک بھی جس کا پرزا - ایسا نہیں ہے کہ مسلمان لڑکیوں
مادہ یا اہلیت اکتساب تعلیم کی نہیں ہے ہر ہو اور ضرور ہے مگر غریبوں کو موقع
نہیں دیا جاتا غضب تو یہ ہے بہت سے حضرات تعلیم دینے کے مخالف ہیں

جیکہ مردوں کی یہ حالت ہے تو ہماری عورتوں کی جہالت کا رونا
ہی کیا ہے اسی واسطے سرسید اشاعت تعلیم کی جانب اس قدر منہمک
و مستغرق ہیں کہ سیاسی یا معاشرتی امور کی اصلاح کی طرف مائل
ہونا قومی نقصان کا باعث تصور کرتے ہیں میں نے جیسا ابھی کہا کہ
جب اعلیٰ درجہ کی تعلیم کی اشاعت اچھی طرح ہو جائیگی جس کا لازمی
نتیجہ اصلاح خیالات ہے تو مرد خود تعلیم نسواں کی ضرورت کو محسوس
کر کے اوس کی اشاعت کا سامان مہیا کرنے کی کوشش کرینگے"

بوس۔ "مگر ایک تنہا تمھارے خیال سے کیا ہوتا ہے تاوقتیکہ کافی تعداد
تمھارے ہم خیال لوگوں کی نہ ہو کام نہیں نکل سکتا"

فرخ۔ "اب تو ہماری قومی حالت کچھ درست ہو رہی ہے گو رفتار بہت
تیز نہیں ہے تاہم باعتبار پندرہ بیس سال پیشتر کے اب بدرجہا بہتر
ہے بعض تو ہانکے پکارے اور بعض جنھیں اخلاقی ہمت کی کمی ہے
دبی زبان سے تعلیم نسواں کی ضرورت کا اعتراف کرنے لگے ہیں"

بوس۔ "اشاعت تعلیم نسوان کی نسبت ایک اور سوال اور بہت ہی
اہم سوال یہ ہے ہمنے مانا کہ تم یا تمھارے ہم خیال اور چند اصحاب ہی
نہیں بلکہ کل مسلمانان ہند تعلیم نسواں کی خوبی و ضرورت کے قائل
بھی ہو گئے تو تعلیم کی اشاعت کا کیا طریقہ ہوگا۔ اشاعت سے میری مراد
یہ ہے کہ تعلیم خاص و عام میں پھیلے تو اس مقصد کے حاصل کرنے کا کیا
اسلوب ہوگا میرے خیال میں پردہ کی رسم اشاعت تعلیم و تہذیب میں

بے طرح مانع ہے جہاں تک مجھے معلوم ہے مسلمان پردہ کو ایک
رکن مذہب وجزا ایمان سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ایک معاشرتی رواج ہے
فرخ۔ (مجھ پر ایک ایسی حالت طاری ہوئی جس نے اوس کو ایسا چپ
کیا کہ لمحہ بھر کے لئے بت بن گیا پھر کچھ یاس و کچھ حسرت کے لہجہ میں)
میرے پیارے بوس! تمھارے اخیر جملہ کا کیا بتاؤں کہ کیا اثر میرے
دل پر ہوا۔ یہ بھی ہماری قومی بدبختی ہے کہ ہمنے بعض معاشرتی امور
کو اس طرح سے مذہبی مسایل کے ساتھ مخلوط کر دیا ہے کہ ایک دوسرے کا
جزو لاینفک ہوگیا ہے جس کی وجہ سے بہت سے ضروری اصلاح طلب
امور پس پشت رہے جاتے ہیں اسی طرح بعض بیہودہ اور فضول
رسمیں ایسی سخت پابندی کے ساتھ رایج ہیں جن کا ادا کرنا فرایض
دینی کے ادا کرنے سے افضل تر سمجھا جاتا ہے خصوصاً شادی بیاہ کے
موقعوں میں ایسی بیہودہ اور لچر رسموں کی بھرمار ہوتی ہے۔ ان
رسموں کی پابندی سے صرف تضییع اوقات ہی نہیں ہوتی ہے بلکہ
مالی نقصان بھی ہوتا ہے بعض اوقات انہیں فضول رسوم و رواج
کی پابندی بہت سے خاندانوں کو مقروض بنا کر تباہ و برباد کر دیتی
ہے یہ بیہودہ رسمیں گو ناقص معاشرت کے نتایج ہیں مگر اُن کو بھی
بعض جاہل عورتیں مذہبی ارکان کے اجزا سمجھکر اُن کی پابند ہیں اور
یہ سب جہالت کا سبب ہے تمہارا یہ خیال کہ پردہ اشاعت تعلیم
کے لئے حارج ہے واقعی بہت غور طلب امر ہے۔ شاید تم کو معلوم نہو

مسلمانوں میں دو قسم کا پردہ ہے ایک شرعی یعنی مذہبًا جس کی پابندی لازمی ہے) دوسرا بلحاظ حالات مخصوصہ مقامی ورواجی۔ شرعی پردہ کسی طرح مزاحم و ہارج اشاعت تعلیم و تہذیب ہو نہیں سکتا کیونکہ اسلام اشاعت تہذیب و شایستگی کا مدعی ہے اس لئے کوئی اصول اسلام کا تہذیب کا سدراہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ ہندوستان کا رواجی پردہ اشاعت تعلیم کا مخل ہو سکتا ہے اسی بنیاد پر سرکاری رپورٹوں میں پردہ کو تعلیم نسواں کا سدراہ بیان کیا جاتا ہے۔ نہ صرف سررشتہ تعلیم کے سرکاری عہدہ داروں کا ایسا خیال ہے بلکہ اکثر صائب الرائے اور سچے ہمدرد ان قوم مسلمان بھی دبی زبان سے اس کو تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مانا کہ مسلم یونیورسٹی قایم کی گئی نصاب تعلیم بھی اپنی ضرورتوں کے لحاظ سے جاری کئے مگر ان کی اشاعت کا کیا طریقہ ہوگا مسلمانوں کے پاس اس قدر دولت کہاں کہ ہر شہر و قصبہ میں زنانہ مدرسہ پردہ مروجہ کے اہتمام کے ساتھ قایم کیا جائے دو چار مدرسوں سے ہندوستان جیسے وسیع ملک کی ضرورت نہیں نکل سکتی جبکہ ہم تعداد میں مردانہ مدارس قایم نہیں کر سکتے تو زنانہ درسگاہوں کا کافی طور سے قایم کرنا ہمارے امکان سے باہر ہے تھوڑی دیر کے لئے اس کو بھی تسلیم کر لیں کہ ہر ہر قریہ اور گانو میں زنانہ مدرسے قایم ہو گئے اور پردہ مروجہ کا اہتمام بھی کیا گیا مگر کیا صرف مدرسوں کی تعلیم سے ہماری لڑکیاں اور مہذب ممالک کی

لڑکیوں کا مقابلہ ہر طرح کی قابلیت و وسیع النظری میں کرسکیں گی اقتضائے زمانہ موجودہ کے موافق تربیت و تعلیم مدرسوں کی چار دیواری کے اندر ناممکن ہے۔ مہذب ممالک کی عورتیں علاوہ درسی تعلیم کے مشاہدات عالم سے زیادہ فایدہ اوٹھاتی ہیں ریلوں اور جہازوں میں سفر کرتی ہیں پہاڑوں اور خیگلوں اور مختلف تفریح گاہوں کی سیر کرتی ہیں بڑے بڑے جلسوں میں شریک ہوکر قابل مقررین کی تقریروں سے مستفید ہوتی ہیں جن سے کہ مرد ہوتے ہیں مہذب و تعلیم یافتہ اقوام کے دوش بدوش چلنے کے لئے ہمکو بھی ویسی ہی تیز رفتاری سے قدم اوٹھانا چاہیے اور وہی روش اختیار کرنی چاہیئے جو منزل مقصود تک پہنچائے ہمارا مذہب تو یہ تعلیم دیتا ہے کہ عورتوں اور مردوں کے حقوق یکساں ہیں اور حصول تعلیم میں مردوں اور عورتوں کو برابر حصہ دیا جائے۔ اور بعض آیات قرآنی سے پردہ کے متعلق صرف اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ عورتیں اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور غیر مردوں پر اپنی زینت یعنے زیور اور اندر کے کپڑے ظاہر نکریں ساتر لباس پہنکر تمام دنیا کے کاروبار چلائیں مگر ہمارا عمل بالکل برعکس ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے تو ہر طرف مایوسی مایوسی نظر آتی ہے۔"

بوس "جب ہندوستان کا ایک پردہ شرعی نہیں ہے اور صرف رواجی ہے تو اس میں کیوں نہیں ترمیم کی جاتی۔"

فرخ۔ میں نے ابھی تم سے کہا کیا کہ بہت سی رواجی چیزوں کی بھی بیحد سختی سے پابندی کی جاتی ہے ایران و ٹرکی و مصر و دیگر تمام ممالک اسلام میں کہیں بھی اس وضع کا پردہ نہیں ہے۔ جیسا کہ ہندوستان میں جاری ہے۔ مثل ایران و عربستان کے یہاں پر عورتیں برقعہ و نقاب سے نکلنے لگیں تو علاوہ اس کے کہ حصول تعلیم میں سہولت پیدا ہو صحت و تندرستی کا دروازہ بھی کھل جائے۔ آئے دن جو ہماری عورتیں طرح طرح کے امراض و نسوانی شکایتوں کا شکار بنی ہوئی ہیں جس کی وجہ سے بہت سے گھر اولاد کی نعمت سے محروم یا اولادیں ہوتی بھی ہیں تو نحیف و مریض قوائے جسمانی و روحانی کمزور یہ سب خرابیاں مفقود ہو جائیں نحیف الجثہ بچے کیا خاک دماغی محنت کر سکتے ہیں اور اون سے کیونکر کارنمایاں ہو سکیں گے بچپنے کا زمانہ جو اچھی تربیت سے فایدہ اوٹھانے کا ہوتا ہے بری اور نالایق صحبتوں میں گزرتا ہے ایسی حالت میں بچوں کا نالایق اوٹھنا حق بجانب ہے۔ جس قوم کو ان مصائب اور مشکلوں کا سامنا ہو کس طرح ترقی کر سکتی ہے"

بوس۔ اپنی قومی حالت کا جو مرثیہ تم نے پڑھا ایک سمجھدار اہل دل کو خون کے آنسو رولانے کے لئے کافی ہے۔ آخر اس کا کچھ علاج بھی ہے

فرخ۔ علاج اوس کا وہی ہے جو سرسید نے تجویز کیا ہے مردوں میں تعلیم پھیلتے پھیلتے جب کافی تعداد صاحب الرائے اشخاص کی ہو جائیگی

تو خود ترقی کے ذرایع تلاش کرینگے رکاوٹوں کو دور کرنے کی فکر کرینگے پندرہ بیس سال کے پیشتر لڑکوں کو انگریزی کی تعلیم دینی کفر سمجھا جاتا تھا خدا خدا کرکے جہاں اس قدر فرق ہوا ہے کہ والدین بچوں کو بشوق انگریزی پڑھانے لگے ہیں وہاں خدا سے امید ہے کہ آیندہ بھی توفیق نیک ہم کو عطا کرے گا تاکہ ہم اپنی بھلائی کی تدبیریں نکالیں مگر ہاں اس کو زمانہ چاہیے حالت موجودہ میں تو بالکل مایوسی مایوسی ہے"

بوس۔ (جیب سے گھڑی نکالکر اور دیکھکر) اُف ہو ساڑھے سات ہوگئے۔ تمھاری باتوں میں وقت ایسا گذر گیا کہ مطلق نہ معلوم ہوا یہ تو کہو اپنے گمنام عاشق کے ہاں سے خط آنے کا کچھ اور انتظار کروگے میرے خیال میں تو ایک خط یاد دہی کی غرض سے لکھنا بھیجو تاکہ معلوم ہو کہ تم اوس کے خواہاں ہو لو اب رخصت ہوتا ہوں خدا حافظ۔ کل سنو جودھری کے ہاں ٹینس پارٹی میں آوگے سنو جودھری کہتی تھیں اونھوں نے تم کو بھی مدعو کیا ہے ٹھیک چار بجے وہاں پہنچ جاؤ جاڑے کے دن چھوٹے ہوتے ہیں ذرا سویرے آجاؤ تاکہ دوسٹ تو کھیل سکو"

مسٹر بوس کے جانے کے بعد فرخ نے خانساماں کو بلاکر کہا کھانے کا مزہ تیار کرو۔ یہ کہکر اوس کے کمرہ میں جاکر ایک خط چند سطروں کا لکھکر ہیرا کو دیا کہ ڈاک میں ڈال دے اور خود کھانے کے کمرہ میں

داخل ہوا۔

آٹھواں باب

کا جھی گوڑہ کا وہ حصہ جہاں اس قصہ کی ہیروئن کا مکان ہے کم آباد ہے جاڑوں کی راتیں چونکہ بڑی ہوتی ہیں اس لئے گو کہ ابھی رات کے نو بجے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ آدھی رات لگ گئی ہے گاڑی گھوڑوں کی آمد و رفت بالکل موقوف ہے قریب پاس کی دکانیں بھی بند ہو چکی ہیں چاروں طرف سناٹا چھا گیا ہے کبھی کبھی محلہ کے کتوں کے بھونکنے کی آواز سناٹے پن کے عالم میں خنداندازی کرتی ہے افتخار کھانے سے فارغ ہو کر اپنے پلنگ پر آن کر لیٹ گئی عمدہ خانم سر میں تیل لگاتی جاتی ہے اور باتیں کرتی جاتی ہے۔

عمدہ خانم۔ بیگم تمہاری بعض باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ یا میں شور اشوری باتیں بے تکی یا تو وہ کھلبلی تھی وہ تڑپ وہ للک کر پناہ بخدا میں سچ کہتی ہوں تمہاری ترکیب دیکھکر میرا تو جی ڈر گیا تھا رہ رہکر یہی خیال آتا تھا کہ کہیں دشمنوں کو خفقان نہ ہو جائے معاذ اللہ پھر تو لینے کے دینے پڑ جاتے اب جبکہ ڈاکٹر کا پتہ بھی لگ گیا بیچارہ نے جواب بھی انسانیت کا دیا اور جس خط کے آنے کا انتظار تھا وہ بھی آچکا نصیر نے بڑی تحقیق کے بعد تمہارے سوالوں کا جواب دیا اسکو بھی انگلیوں پر گن کر) ہفتہ ایک اتوار دو

ہیر تین منگل آج چوتھا دن ہے ڈاکٹر کے خط کو آئے ہوئے بھی انیس بیس دن تو ہوئے ہوں گے اوس بیچارہ نے جو باتیں پوچھی تھیں تم نے اب تک اُن کا جواب نہیں بھیجا۔ آخر اس کا سبب؟"

افتخار۔ "ایلو ہاں میں تم سے کہنا ہی بھول گئی کل ایک خط اور اون کے ہاں سے آیا اُس میں یہ بھی لکھا ہے کہ حافظ عنایت اللہ خاں صاحب جو لکھنو کے شرفا میں سے ہیں اندنوں حیدرآباد میں کسی عہدہ جلیلہ پر ممتاز ہیں ان سے بآسانی ہیرا حال دریافت ہو سکتا ہے۔"

محمدہ خانم۔ "واہ! واہ! سبحان اللہ! کیا فرمے سے کہا جاتا ہے کہ ایک اور خط اُن کا آیا ہے۔ دیکھا آخر بیچارہ سے نہ رہا گیا تم نے جو خط لکھا تھا نہ معلوم اوس میں کیا بلا کا جادو بھر دیا تھا کہ ڈاکٹر کو ایسی تلا میلی پڑ گئی ہے اس پر سے تمہاری بظاہر بے رخی اور ستم ڈھاتی ہو گی یہ تو بتاؤ اس خاموشی میں کونسی مصلحت ہے۔ شاید تمھیں ان کا اشتیاق بڑھانا منظور ہے۔ چال تو اچھی ہے۔"

افتخار۔ (تیور پر ذرا بل ڈال کر) "تم کو اختیار ہے جو چاہو سمجھو۔ بے رخ سمجھو چالباز سمجھو۔ میں یہ سب کچھ نہیں جانتی۔ لکھنو سے تمہارے خط کا جواب آئے بغیر کیونکر اُن کو جواب دیتی تمہارے بھتیجے کا خط پرسوں ہی تو آیا ہے تمھیں کچھ یاد تو رہتا نہیں کہدیا کہ چار روز ہوئے پرسوں سے میں اس سوچ میں ہوں کہ کیا لکھوں۔ اسوقت

ہیں تم سے پوچھنے والی تھی کہ کیا لکھوں۔ میرے منہ کی بات تھی
میں تھی کہ تم نے اوکھیاں جھونکنی شروع کر دیں"

عمدہ خانم۔ "خفا نہ ہو۔ جو ہم میں ہو میں یا دو یار تمہارے دشمن
چالباز ہوں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ بیچارہ کو اپنا مشتاق بنا کر تڑپا رہی ہیں
اب جو کچھ اونھوں نے دریافت کیا ہے جلدی سے لکھ بھیجو"

افتخار۔ "میں کب چاہتی ہوں کہ میری وجہ سے کوئی تڑپے بالوں
اور اس میں تڑپنے کی کونسی بات ہے دو چار روز اور کیا دو چار
روز اودھر کیا بقول تمہارے جو کام کیا جائے سوچ سمجھ کیا جائے
یہ بتاؤ کہ اپنی حقیقت ابھی ظاہر کر دوں یا اٹھیں اور ذرا ازار تن
اور دو چار خط مذبذب لکھدان کا رنگ ڈھنگ دیکھنے کے بعد
اپنا اصلی نام و پتہ وغیرہ جو کچھ اونھوں نے دریافت کیا ہے لکھوں"

عمدہ خانم۔ "واری گئی۔ دیار الفت کی راہوں سے میں تو بالکل
لایلد ہوں اس لئے اس کے راز و نیاز سے بھی ناواقف ہوں
اور یہ جو تم کہتی ہو کہ اس میں تڑپنے کی کیا بات ہے خدا اپنے
دل پر ہاتھ رکھکر دیکھو انتظار کسی چیز کا ہو انسان کو مضطر بنا
کر دیتا ہے آئندہ اختیار بدست مختار میں نے اپنی سمجھ کے موافق
الٹا پلٹا کہدیا"

افتخار۔ "یا میرے الٰہی یہ تو میں بھی جانتی ہوں اختیار بدست مختار
مگر مشورہ جو کوئی کسی سے کرتا ہے تو اس کی کوئی غرض و غایت بھی تو

ہوتی ہے تم سے پوچھنے کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی رائے بتاؤ کہ ایا
ابھی صاف صاف اپنی حالت و نام وغیرہ لکھ بھیجوں یا دو چار خطوں
کے آنے جانے کے بعد لکھوں تاکہ اُس وقت تک ادن کی طبیعت
و خیالات کا تھوڑا بہت اندازہ ہو جائے اگر ممکن ہو تو بھوپال جانے
کے ذریعہ سے حافظ عنایت اللہ خاں صاحب سے اُن کے
مزید حالات بھی معلوم ہو جائینگے حافظ صاحب سے اور بھوپال جانے
سے اخلاص و ارتباط بہت ہے"

عمدہ خانم۔ "واللہ مانتی ہوں بات تو معقول ہے اچھا ایسا ہی
کرو مگر سنو تو نصیبن نے ماشاء اللہ کوئی بات اوٹھا نہیں رکھی سارا
کچا چٹھا ہے تو اگر کے خاندان و آمدنی وغیرہ کا لکھ بھیجا ہے
جب ہی تو اتنے دن لگے اب کس چیز کا اندازہ تم کروگی
وہ بھی خطوں سے"

افتخار۔ "صمیر الدین نے بیشک تحقیق کے بعد حالات مفصلہ کے
جوابات دئے ہیں مگر ان سے صرف دو باتوں کا اطمینان ہوا ایک
تو ان کے حسب و نسب کا دوسرے آمدنی کا مگر صرف یہی دو باتیں
دریافت طلب نہیں ہیں اور باتیں بھی دریافت طلب ہیں
مثلاً چال چلن جسے نیک رہیلی یا بدمزاجی کہتے ہیں مزاج کی کیفیت
خوش مزاج ہیں یا منغوب الطبیعت ہیں مذاق و عادات وغیرہ کی حالت
ہم لوگوں میں پردہ کی رسم ایسی حائل ہے کہ فریقین مرد و عورت

دونوں جن سے نسبت قرار پاتی ہے اس بارہ میں بالکل عاجز و مجبور
ہیں یورپ میں دوران کورٹ شپ اور زمانہ انگیجمنٹ میں ایک
پر دوسرے کی یہ سب باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں گو بعض اوقات
باوجودیکہ فریقین اس خصوص میں آزاد ہوتے ہیں اور کافی موقع
ایک کو دوسرے کے جانچنے کا ملتا ہے اس پر بھی دھوکا کھا جاتے
ہیں مگر کم ہمارے ہاں تو انسانوں کی شادی اس طرح پر کرتے ہیں
جیسے گڈے گڑیا کی پہلے سے ایک کو دوسرے کے حالات سے
آگہی نہیں ہوتی عموماً دونوں اجنبی ہوتے ہیں اور دونوں بے
وبے بس رہتے ہیں میرے معاملہ میں تو ایک اور آفت ہے کہ کوئی
متوسط بھی نہیں اور میں کسی ایسے شخص کو جانتی ہوں جو ان کے
حالات سے کماینبغی واقفیت رکھتا ہو جس سے کچھ دریافت کرتی
سبحان اللہ ایک حافظ صاحب پیدا ہو گئے ہیں مگر وہ سوائے ان کے
خاندانی حالات کے اور کیا جانتے ہوں گے کیونکہ حافظ صاحب
دو جنگ سے زیادہ حیدرآباد میں آن کر ہو گئے ڈاکٹر صاحب کی جو
زمانہ ہو گا وہ حافظ صاحب کے لکھنؤ چھوڑنے کا پھر سوائے ان کے
کونسا ایسا ذریعہ ہے جس سے وہ امور جو میں چاہتی ہوں معلوم
کر سکوں"

عمدہ خانم معاف کرنا وہ حصہ تمہاری تقریر کا جس میں انگریزی
الفاظ استعمال کیے ہیں نہیں سمجھی عجب طرح کا تلفظ انگریزی لفظوں کا

ہوتا ہے زبان ہی پر نہیں چڑھتا بڑی مشکل سے میں نے یاد کیا ہے
تم نے کہا کہ بوسہ لینا کٹ شپ اینجمنٹ کا کوئی زمانہ ہوتا ہے
اس کا کیا مطلب"

افتخار "(ہنستا لگا کر) جب ہی تمہاری انگلیاں یکایک رک گئیں
میں اپنے دل میں کہہ رہی تھی کہیں تم اونگھنے تو نہیں لگیں جی
میں آیا کہ پلٹ کر تمہارے چہرہ کی طرف دیکھوں مگر باتوں کی رو
میں خیال نکل گیا اب معلوم ہوا وہ اونگھنا نہ تھا بلکہ وفقہ سکوت
لفظوں کو یاد کرنے کی کوشش کا تھا مگر کیا خوب یاد کیا ہے تلفظ
کی اصلاح قرار دادی کی مگر اٹھے اتنے سے مجھ سے سنو صحیح
لفظ کورٹ شپ ہے جس کے لغوی معنی کسی عورت سے محبت
کرنا اور اصطلاحی معنی شادی کرنے کی نیت سے کسی عورت کے
ساتھ عشق پیدا کرنا۔ اینجمنٹ کے بہت سے مختلف معنی ہیں مگر
جس محل پر اس نے استعمال کیا اس جگہ پر اس کے معنی نکاح کرنے کے
قصد سے مقرر شدہ نسبت کے"

عمدہ خانم "اب میں سمجھی اچھا تو ایسا ہی کروں گی تم ماشاء اللہ سمجھدار
ہو میں تم کو کیا مشورہ دوں مگر اتنا کہوں گی جو کام کرو سوچ سمجھ کر کرو"

اس کے بعد عمدہ خانم سونے کو چلی گئی افتخار نے بھی آرام کیا
صبح کو ناشتہ کرنے کے بعد اس نے ایک خط فرخ کو بہت بڑی خط
سا لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ آپکے دو خط مجھکو ملے مگر چند اسباب

ایسے ہونے کے جواب دینے میں دیری ہوئی امور مستفسرہ کے جواب
ان شاء اللہ عنقریب دیے جائیں گے آپ مطمئن رہیں"

نواں باب

افتخار کے جس خط کا ذکر آٹھویں باب میں کیا گیا ہے اوس کو
پاکر فرح کا اضطراب جو قدرے کم ہونے کے اور بڑھا اب اوں کو اسکی
فکر و انتظار ہے کہ کہیں جلدی سے اس کے استفسارات کا جواب
اُس کے بے نام عاشق کے پاس سے آجائے اور خط خواہ کچھ ہی ہو
تاکہ پیغام نہ صاف لفظوں میں بھیجدے بقول شخصے الانتظار
اشد من الموت انتظار کی تیزی نہ گھڑیاں نہایت تلخ
اور کھلنے والی ہوتی ہیں جس کا ایک ایک لمحہ ایک ایک برس معلوم
ہوتا ہے۔ رعم گر خوش گزرو زندگی نوح کم است ہ در لیکن گزرد
نیم نفس بسیار است آٹھ دس دن اور اس طرح کر کے کاٹے
مگر خط معہود کا کہیں پتہ نہیں۔ سنگ آمد سخت آمد آخر اس
تر ہا گیا ایک اور خط لکھا جس میں درد دل کی کہانی لکھ بھیجی اور پھر
جدید استفسارات لکھے تصویر اور دریافت طلب امور کے جواب
یا واپسی ڈاک طلب کئے۔ افتخار نے اسکے جواب بہت جلد دیا
مگر نہ تو تصویر بھیجی اور نہ دریافت طلب امور کا جواب دیا اسکے جا

مضمون صرف اس قدر تھا۔ آپ کا مہربانی نامہ آیا خیریت کی خبر درخت
اثر نے میرے دل کو مسرور کیا۔ آپ ذرا ضبط سے کام لیں آپنے جن
حافظ صاحب کا حوالہ دیا ہے اُن سے چند باتیں دریافت کرنی
ہیں انشاء اللہ تعالیٰ ہفتہ عشرہ میں بشرطیکہ حافظ صاحب سے
اور میرے کسی عزیز سے ملنے کا موقع ملا جواب کامل دیا جائے گا آپ
مطمئن رہیں افتخار کے خط کا ایک ہفتہ انتظار دیکھکر فرخ نے
اس دفعہ ایک طول وطویل خط لکھا اور اشتیاق مضامین سے
خط کو بھر دیا مگر تہذیب وخودداری کا پہلو لئے ہوئے افتخار نے
بھی جواب تو دیا مگر اصل مطلب لطایف الحیل سے ٹال دیا۔ اب خطوں کا
سلسلہ جانبین سے جاری ہو گیا۔ فرخ کی بیچینی یہہ حالت ہے۔
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ فرخ کے ہر خط کا جواب جو
افتخار کے پاس سے آتا ہے تراوت وہ روح رواں تو ہوتا ہے
مگر مرض حب کو بڑھاتا جاتا ہے۔ افتخار کے خطوں میں علاوہ ادھر
ادھر کی گلچھڑوں کے اظہار الفت وشوق وصال نہایت متانت
وہوشیاری سے پردہ ہوتا ہے۔ مضامین کی شوخی زبان کی
سلاست وفصاحت اسپر سے بامحل اشعار کی چاشنی فرخ کو بچھر کا پھر کا
دبی ہے اور نمک بجراحت پاشیدن کا کام کرتی ہے فرخ کو گو ایک
عرصہ دراز سے اردو انشاپردازی کی مشق نہیں رہی ہے مگر
جوش وتعلق دلی نے اب اسے اعلیٰ درجہ کا انشاگار بنا دیا ہے

اس کا بھی ہر خط ایک کارنامہ ہوتا ہے۔ اسکے ہر خط میں کا پیش اضطر
وشوق وصال کا اظہار نہایت متانت وخوبصورتی سے ہوتا ہے
اپنے تصنیف کردہ اشعار سناون ہوری وغیرہ بھی لکھتا ہے اور
ہر خط میں تصویر کی مانگ ہوتی ہے اور اس کا تقاضا ہوتا ہے کہ
اپنی اصلی حالت ظاہر کرو۔ افتخار ہر ہر جملہ کا جواب ترکی بترکی
دیتی ہے مگر مصلحتاً اصل مطلب کو ٹال جاتی ہے دونوں کے خطوط
میں ظرافت ومذاق وشوخی کا بھی برتاؤ ہونے لگا ہے القاب میں
افتخار فرخ کو میرے پیارے ڈاکٹر لکھتی ہے اور فرخ افتخار کو میری
پیاری مستفسر حال لکھتا ہے۔ فرخ کا دل بھی ہاتھ سے جاتا رہا
موتت واہمہ والتصور نے بمصداق نواب خاص محل مرحومہ متخلص
بعالم کے اس مشہور مطلع کے فرخ کی حالت بنائی ہے۔

زلف پر پیچ میں دل ایسا گرفتار ہوا۔ چھٹنا دشوار ہوا ہٹنے سے ہٹا پیار ہوا
نیا عشق کا آزار ہوا۔ کیسا لاچار ہوا۔ اب نہ اس کا ڈسینسری میں
دل لگتا ہے نہ اپنے مکان میں دوستوں کی صحبت کا مزہ کھاتی ہے
تنہائی طپش دل بڑھاتی ہے بقول شاعر ے باغ میں لگتا نہیں
صحرا سے گھبراتا ہے دل ؛ اب کہاں لیجا کے بٹھائیں ایسے دیوانہ
کو ہم۔ اس کیفیت وحالت میں چار مہینے گزر گئے اس عرصہ مدت
میں اس ناول کے اشخاص پر دو حادثے بھی گزرے فیض آباد
میں فرخ کے والد نے بعارضہ وبا چند گھنٹوں کی علالت میں اس

جہان فانی سے ملک جاودانی کو سفر کیا اور افتخار کی بڑی بہاج
نے بعد رضیہ پیچش ہفتہ عشرہ علیل رہکر حیدرآباد میں رحلت کی
اپنے اپنے ہاں کے حادثہ کی اطلاع ایک نے دوسرے کو دے کر
اور بھی ہمدرد ایک نے دوسرے کو بنایا خانگی انتظامات کی
غرض سے فرخ کچھ دنوں کے لئے لکھنؤ اور فیض آباد بھی جاکر ہو
آیا مگر خطوں کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ باپ کے مرجانے سے
فرخ اور بھی آزاد ہوگیا ہے لیکن آمدنی کا مستقل اور بڑا ذریعہ
مفقود ہوجانے سے مشوش و متفکر رہنے لگا ہے۔ افتخار کو فرخ
کی جانب سے بہر نوع اطمینان ہوگیا ہر طرح سے ٹھونک بجاکر
دیکھا اپنی محبت میں اوس کو مستقل ارادہ میں مستحکم اپنے خیال
و مذاق کے موافق پایا۔ اسی اثنا میں بیحد پریشانی کی حالت میں
ایک خط لکھا جس کا سرنامہ یہہ لکھا ؎ ہوش ربا ستمگر ماہ لقا
تو کون ہے ؟ صبر و قرار لیگیا سچ تو بتا تو کون ہے۔ اور حسب
معمول کوئی مذاقیہ مضمون اس دفعہ مطلق نہیں لکھا۔ مضمون
خط یہ تھا اگر واقعی تم کو میری محبت ہے تو میری جان تمھیں عزیز ہوگی
میں اپنی جان کی تم کو قسم دیتا ہوں کہ نقاب پُر اسرار اپنے پیارے
چہرہ سے اوٹھاؤ اور اصلی حالت میں ظاہر ہوجاؤ پہلیاں اور معمے
بوجھنے کی حلاوت اب مجھ میں باقی نہیں رہی میرے غمدیدہ و
محزون دل کو زیادہ نہ ستاؤ والدمرحوم کا سایہ سر سے اوٹھ جانیکی

وجہہ سے جو مصیبت کا پہاڑ مجھہ پر گرا ہے اوس نے میرے دل کو پاش پاش کر دیا ہے مجھے ایک سچے ہمدرد و ہمدم کی بیحد ضرورت ہے ورنہ میری صحت کی خیر نہیں ممکن ہے میری بشمہ بھر جان کی بھی نہو۔ جہاں تک تاب برداشت تھی صبر وضبط سے کام لیا میں تمھاری جان عزیز کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ عجب الجھنوں میں مبتلا ہوں بعض وقت ایسا دم خفگی کرنے لگتا ہے کہ خودکشی کرنے کو آمادہ ہو جاتا ہوں مگر تمھارے ملنے کا خیال ہی ایک ایسا خیال ہے جو مزاحم ہوتا ہے ۵ مجھ سے ملنے کی اب کرو تجویز ہ ورنہ دیدوں گا اپنی جان عزیز۔

ہاں خوب یاد آیا تم نے اپنے کسی خط میں اس امر کی طرف اشارہ کیا تھا کہ حیدرآباد اگر میں آجاؤں تو سب کام بآسانی طے ہو جائینگے یہ بتاؤ تمھارے اغزہ میری پریکٹس میں کسی قسم کی اعانت کر سکتے ہیں۔ میں وہاں فروغ پانے کی توقع کر سکتا ہوں" یہ خط جبکہ افتخار کو ملا وہ بیٹھی کسی کو خط لکھ رہی تھی اُسے چھوڑا اس خط کو تمام وکمال پڑھا اور آبدیدہ ہوئی کچھہ سوچی اس کے بعد ایک طویل خط فرخ کو لکھا اور محی الدین بی کو بلا کر کہا کہ اسے ڈاک میں تم خود جا کر ڈال آؤ۔

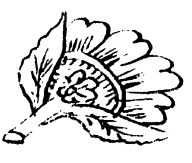

دسواں باب

ایک عرصہ دراز کے بعد میں اس قصہ کے ناظرین کو پھر کلکتہ کی ہوا کھلاتا ہوں۔ اپریل کا مہینا ہے گرمیاں زوروں پر ہیں شام کے چھ بج چکے ہیں مگر اب تک ہوا گرم چل رہی ہے ہمارا عاشق مزاج فرخ بیلکنی پر آرام کرسی پر بیٹھا کچھ سوچ رہا ہے ہاتھ میں اس کے ایک اخبار بھی ہے لیکن نظر اس کی اس وقت اخبار پر نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ پڑھتے پڑھتے اکتا گیا ہے یا اخبار ختم کر چکا ہے اس لئے پڑھنا موقوف کر کے کچھ سوچنے لگا۔

مدت مدید کے بعد اس وقت اُس کے چہرہ سے بشاشت ٹپک رہی ہے۔ قرینہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شے جس کی دستیابی کے لئے وہ جان کھپا رہا تھا اس کے ہاتھ آگئی ہے اسی اثنا میں اوس کا یار غار غازی الدین احمد آیا اور بہت ہی گرمجوشی سے ایک دوسرے سے ملے اور باتیں کرنے لگے۔

فرخ۔ معلوم ہوتا ہے تمہاری بڑی حیات ہے ابھی دل میں تم کو میں یاد ہی کر رہا تھا یہ تو بتاؤ تم غائب کہاں ہو گئے تھے۔ دس گیارہ روز سے سارا کلکتہ چھنوا ڈالا تمہارا کہیں پتہ نہ ملا۔ تمہارے

۱؎ برساتی کی کھلی چھت۔

تائبد (محرر)[1] سے صرف اسی قدر معلوم ہوا کہ سیالدہ اسٹیشن سے صبح کی ٹرین میں تم کہیں گئے تھے۔ شاید آج چوتھا یا پانچواں دن ہے بین سے بھی میں نے دریافت کیا تھا مگر اوھوں نے بھی لاعلمی ظاہر کی۔ جب سے مجھے بڑی وحشت تھی خدا کا شکر ہے تم مع الخیر واپس آگئے یہ تو کہو گئے کہاں تھے یا یہ کوئی راز سربستہ ہے جس کا اظہار نامناسب سمجھتے ہو"

احمد۔ (مسکراکر) ہاں ایسا ہی کچھ ہے اچھا یہ تو کہو آج تک میں نے کوئی بات تم سے پوشیدہ رکھی ہے یہ سمجھ لو جتنا اعتبار مجھ پر اپنا ہے اتنا تمھارا بھی ہے۔ غائب ہونے کا ماجرا سنو۔

ہفتہ پیوستہ کی رات کے نو بجے رائے بہادر کرسٹو چندر دت کا ارجنٹ ٹیلیگرام (ضروری تار) مجھکو ملا جس میں یہ لکھا تھا کہ فوراً روانہ ہو صبح ہوتے ہی بندہ درگاہ روانہ ہوگئے اس لئے مجھکو مہلت تم سے ملنے یا تم کو اطلاع دینے کی نہیں ملی اور گھر پر میں نے مصلحتاً کسی پر ظاہر نہیں کیا کہ کہاں جاتا ہوں اور یہاں گھر پر ملازموں کے سوا کوئی ہے بھی نہیں تم کو معلوم ہے کہ ہماری میم صاحبہ اندون اپنے میکے میں ہیں اور یہ ایک ایسا امر ہے تاوقتیکہ کوئی مفید نتیجہ نہ نکلے اپنی کوشش کا حال بیکار ظاہر کرنے سے فایدہ ہی کیا ہے۔ خدانہ کرے حسب دلخواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا تو سننے والے مضحکہ

[1] وکلاء و بیرسٹروں کے محرر کو بہار و بنگالہ کی اصطلاح میں تائبد کہتے ہیں

اوڑاتے ہیں البتہ جو ہمدرد ہیں رنجیدہ ہوتے ہیں مگر ہمدرد و وفادار دوست نصیبوں سے کسی کو کوئی ملتا ہے بقول شاعر ؎ ریاض دہر میں ڈھونڈھو تو کیا نہیں ملتا ؎ وہ گل کہ جس میں ہے بوئے وفا نہیں ملتا۔ کسی کے منھ پر کچھہ تعریفاً کہنا عموماً خوشامد میں داخل ہوتا ہے مگر اس وقت میرے دلی جذبات مجھے اس امر کے اظہار کرنے پر مجبور کر رہے ہیں کہ میرے جتنے دوست ہیں تو بہ غلط کہا دوست کہاں سے ہوتا ہے جتنے ملاقاتی ہیں اُن میں سے تم کو میں نے بہر نوع صادق الخیال و مخلص و ہمدرد پایا حاضر و غائب تمہارا طرز عمل اپنے ملنے والوں کے ساتھہ یکساں و قابل اعتبار ہے اسی لئے تم سے کوئی بات چھپاتا نہیں۔"

فرخ۔ "میری نسبت جو کچھہ تمہارا خیال ہے وہ تمہارے حسن ظن کا نتیجہ ہے مگر میں تمہارا مفہوم مطلق نہیں سمجھا وہ کون سا امر ہے اور کوشش کیسی اور یہ رائے بہادر دت کون صاحب ہیں جنھوں نے تم کو بلایا تھا۔"

احمد۔ "تم بھی عجب چیز ہو کس قدر جلد بھول جاتے ہو۔ ابھی دو ہفتے بھی تو نہیں ہوئے ملنے تم سے کہا تھا کہ کاشی پور کے راجہ کے پاس چیف ججی کی خدمت کے لئے جو تقرر طلب ہے درخواست بھیجی ہے اسی کے متعلق رائے بہادر کرسٹو چندر دت نے جو راجہ صاحب کے دیوان ہیں مجھکو تار دیکر بلوایا تھا۔

فرخ۔ "ٹھیک کہتے ہو اب یاد آیا تم نے مجھ سے کہا تھا مگر کرسٹو چندر دت کا نام اس وقت پہلی دفعہ سنا۔ یہ تو کہو نتیجہ کیا نکلا"

احمد۔ "کچھ بھی نہیں۔ رائے بہادر نے مجھے دیکھنا اور غالباً میرا امتحان لینا چاہتے تھے اسی لئے مجھے طلب کیا تھا اُن کی باتوں سے یہ تو پایا گیا کہ وہ مجھ سے ملکر خوش ہوئے انھوں نے کوشش کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ کاشی پور سے تو تم کو ذاتی واقفیت ہے۔ گزشتہ مہینے میں تم وہاں کسی مریض کی طلبی پر گئے تھے مگر ہاں کرسٹو چندر دت اسوقت دیوان نہیں تھے جانزہ لیکر انھیں صرف دو ہفتے ہوئے سرکار انگریزی کے وظیفہ یاب ڈپوٹی کلکٹر ہیں بظاہر آدمی تو معقول ہیں"

فرخ۔ "ہاں کاشی پور سے میں خوب واقف ہوں مہیش چندر مکرجی وہاں کے ایک بڑے زمیندار نے مجھے بلایا تھا۔ ہاں خوب یاد آیا ہز اونر لفٹنٹ گورنر کو جو تم نے درخواست دی تھی اس کا کیا نتیجہ ہوا"

احمد۔ "شاید میں تم سے ذکر کرنا بھول گیا میری درخواست اوسی زمانہ میں نامنظور ہوئی وہ اس بنا پر کہ از روئے قاعدہ ڈپوٹی کلکٹری کی خدمت کے لئے امیدوار کی عمر ۲۴ سال سے متجاوز نہیں ہونی چاہئے اور مابدولت کو (مسکراکر) ماشاءاللہ چھبیسواں سال ہے اسی خیال سے میں نے مستعفی کے لئے بھی کوشش نہیں کی البتہ سینیر بیرکیٹنگ بیرسٹروں کو اعلیٰ خدمات مثلاً ہائیکورٹ کی ججی وغیرہ کے ملنے میں یہ قید مانع نہیں ہے بیچارے جونیر بیرسٹروں کو ہر طرف سے وقت کا سامنا

آخر مجبور ہوکر کاشی پور میں جو درجہ سوم کی دیسی ریاست ہے نوکری کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ گو چھوٹی سی ریاست ہے مگر کلکتہ کا قرب اور خوش آب و ہوا مقام ہونے کی وجہ سے مجھے پسند ہے بشرطیکہ نوکری مل جائے۔"

فرخ۔ ہاں تو مجھے اسی میں کلام ہے۔ چیف ججی کا عہدہ ایک اعلیٰ اور برتر قرار ماہوار کی خدمت ہے اسپر کسی کو مقرر کرنا دیوان کا کام نہیں ہے ان کے اقتدار سے باہر ہے اگرچہ کوشش کرنے کا انہوں نے وعدہ کیا ہے مگر مجرد اُن کی کوشش جہانتک مجھے وہاں کے حالات کا علم ہے مجھے شک ہے کہ منزل مقصود تک پہنچائے اسکی وجہ یہ ہے کہ اس تقرر کا تعلق راست راجہ سے ہے اس لئے حواشی کے لوگوں کا ہموار کرنا ضروری امر ہے اور ان حضرات کا ہموار کرنا کارے دارد۔ تاوقتیکہ انھیں امید یا بیم نہ ہو صرف اس خیال سے کہ تم قابل و اہل و مستحق کسی خدمت کے ہو وہ تمہارا کام کردیں این خیال است و محال است و جنوں حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات عموماً معمولی طبقہ کے اشخاص ہیں اس پر سے جاہل محض پھر اُن کے اخلاق کا کیا پوچھنا بقول شخصے ایک تو کریلا کڑوا اس پر چڑھا نیم اور چڑھا ہوگا۔ چاپلوسی یا سازشی چالوں کی بدولت موجودہ مدارج اعلیٰ پر پہنچے ہیں۔ بلکہ جہانتک اُن کا بس چلے گا تمہارے حق میں بس بوئیں گے۔ حتی الوسع متدین و قابلیت مآب عالیخاندان

بجیب الطرفین اشخاص کے قدم جمنے نہیں دیتے کیونکہ ان صفائکا
آدمی دلالی و مکاری کے داؤ پیچ سے ناواقف ہوتا ہے اس لئے
مثل پانی کے اُن کے رنگ میں مل نہیں سکتا۔ اون سے امداد کی
توقع جب ہی ممکن ہے یا تو اُن کو اس کا یقین ہو جائے کہ اگر وہ
تمھاری مدد نکرینگے تو اون کا وجود خود معرض خطر میں آجائے گا
یا نفع کثیر اون کو حاصل ہو گا غرض وہی دو صورتیں امید یا بیم۔
ماسوا اس کے ایک اور شکل بھی تمھاری کامیابی کی ہو سکتی ہے
وہ یہہ کہ خود راجہ صاحب تک کوئی زبردست سفارش پہنچاؤ ورنہ
کس نمی پرسد کہ بھیا کون ہو ؛ ایک ہو کہ ڈیڑھ ہو کہ پون ہو۔
تھوڑی دیر کے لئے یہ بھی فرض کرلوں کہ تمھارا تقرر ہو بھی گیا مگر
بقول شاعر لوگ کہتے ہیں چاہ مشکل ہے پر غلط ہے نباہ مشکل ہے
یعنے تمھارا ملکنا وہاں دشوار ہو جائے گا وہاں کی حالت اور تمھارے
مزاج و خیال کی ترکیب سے میں خوب واقف ہوں تم سے بتذل
لوگوں کی چوکل کے بنئے آج کے سیٹھ بنے بیٹھے ہیں خوشامد ہونے
سے رہی تم کو اپنی عزت و وقار کے تحفظ کا اور اپنی عالی خاندانی کا
بڑا خیال ہے دوسرے یہہ کہ کھری طبیعت کے سیدھے سادھے
آدمی ہو کسی سازشی پارٹی میں شریک ہونے کا اور نہ سازش
پیدا کرنے کا تم میں مادہ ہے اور نہ سر سہلا کر بھیجا کھانا آتا ہے اس لئے
تم وہاں کے لئے کسی طرح موزوں نہیں ہو گو راجہ صاحب اپنی

ذات سے بہت اچھے ہیں"

احمد۔ "اُن باتوں کے سننے سے میرا جی چھوٹ گیا۔ یہ تو سچ کہتے ہو ان میں سے کوئی بات بھی مجھے حاصل نہیں ہے اور نہ مجھ سے یہ ہو سکے گا کہ کمر بندم و با مردمک سلام کنم۔ مگر یہ تو سنو، جب تم وہاں دو چار قدیم الاقامتیوں کو بھی دیکھا جو انگلستان میں میرے معلم تھے دریافت سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ بڑی بڑی خدمتوں پر ممتاز ہیں یا تو کیا یہ مغربی تعلیم یافتہ اشخاص بھی ایسی زشت حرکتوں کے مرتکب ہوتے ہوں گے پھر اون کو نوکریاں کیونکر ملیں کیا سب دیسی بھائیوں کی یہی حالت ہے؟"

فرخ۔ "بلحاظ قانون قوت کشش الارض دریافت کردہ سر آئزک نیوٹن جس کا اصول یہ ہے کہ زیادہ تر قوی شے اپنے سے کمتر قوی چیز کو اپنی جانب کھینچ لیتی ہے یا یوں سمجھو کہ ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد یہ بیچارے بھی انہیں میں مل گئے ہوں گے اور جو نہ ملے ہوں گے اون کا تعصبوں میں دم ہوگا اور اون کو نوکریاں جو مل گئیں اوس کی کیفیت بھی مجھکو معلوم ہے بعض تو راجہ صاحب کے پاس زبردست سفارش لائے اور بعضوں کے چچا پھپا سسرے وغیرہ نے جو کسی نہ کسی طرح بڑی بڑی خدمتوں پر پہنچ چکے ہیں۔ اپنے گہرے اثرات سے کام لیا اور اُن کو برسرکار کیا تم پر نوکری کی ہوس اگر ایسی ہی غالب ہے اور سرکار انگریزی میں بوجہ زیادتی

عمر کے نوکری ملتی نہیں تو ویسی ریاستوں میں سے کسی بڑی ریاست میں شیا لگاؤ مثلاً حیدرآباد دکن یا میسور یا بڑودہ یا گوالیار جہاں تنخواہیں بھی معقول ہیں اور بوجہ حکمرانوں کی روشن خیالی کے یہ سب دقتیں بھی پیش نہیں آنے کی ماسوا اس کے۔ خاک از تو وہ کلاں بردار کا اصول ملحوظ رکھکر کام کرو۔ سب دیسی یا تو نوکی ایسی حالت کیوں ہونے لگی البتہ بعضوں کی ہے"

احمد۔ تمھاری قوت مشاہدہ کا اور مادہ استخراجیہ کا میں قایل ہوں تم نے جو کچھ وہاں دیکھا اور سنا اوس سے جو نتیجہ نکالا ضرور صحیح ہوگا میں آج ہی درخواست کی واپسی کے لئے خط لکھوں گا بھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹے کان۔ میں ایسی نوکری سے درگزرا جس سے میرے اخلاق و اطوار میں فرق آئے یا میری خودداری میں بل آئے میری مالی حالت تم سے پوشیدہ نہیں۔ پریکٹس کے میدان میں خصوصاً کلکتہ جیسے شہر میں جہاں بلحاظ کثرت تعداد و قابلیت و تجربہ اصحاب وکالت پیشہ نہایت سخت تقابل ہے اُن کی پریکٹس کے تیز رفتار گھوڑوں کے آگے میرا ذہبی رفتار کا ناتجربہ کار ٹٹو چل نہیں سکتا اور دایرۂ ملازمت کا دروازہ میرے لئے معینہ عمر سے میری عمر متجاوز ہونے کی وجہ سے بند ہے ویسی ریاستوں کا جو نقشہ تم نے کھینچکر دکھایا اوس نے میرے ہوش دنگ کردئے پھر کروں کیا خوشامد کروں تاکہ مجھ کو ہمیشہ کے ذلت

وبق بق سے نجات ملے اور میرے گندے وجود سے دنیا پاک ہو۔ بقول شخصے خس کم جہاں پاک۔

فرخ۔ "تم کیسی باتیں کرتے ہو۔ جی نہ ہارو۔ مشکل نیست کہ آسان نہ شود + مرد باید کہ ہراسان نہ شود۔ ہمت بلند رکھو۔ بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد + اگر خارے بود گلدستہ گردد۔ میں نے ابھی تم سے کہا کہ سب دیسی ریاستوں کی ایسی کیفیت کیوں ہونے لگی جن بڑی بڑی دیسی ریاستوں کا نام لیجئے اُن میں سے کسی ایک میں جاکر قسمت آزمائی کرو خصوصاً حیدرآباد دکن کے فرمانروا کی میں نے بڑی تعریف سنی ہے کہ بہت روشن خیال کریم النفس اولوالعزم بلند حوصلہ رئیس ہیں وہاں جاکر کوشش کرو۔"

احمد۔ "اچھا تو اس کے متعلق ذرا غور کرنیکے بعد سلسلہ جنبانی کرونگا مگر یہ تو بتاؤ آج ایک عرصہ کے بعد ماشاء اللہ تم کو فراشگفتہ پاتا ہوں"

فرخ۔ "میں تم سے اپنی بشاشت کا سبب خود ہی کہنے والا تھا کہ تم نے ٹوک دیا جس ستم ایجاد کا بے نام خط سن کر تم نے کہا تھا کہ کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں اور جس ستمگر نے ایک عرصہ تک برقعہ پر اسرار اوڑھکر اپنی دلفریب طبیعتداری کے تیر لگا لگا کر مجھے گھایل کر دیا تھا جس کی وجہ سے مجھے کسی کروٹ اور کسی پہلو قرار نہ تھا آخر اوس ستم پرور کا پتہ لگ گیا"

احمد۔ (مارے خوشی کے اوچھلکر) واللہ ہاتھ لانا اُستاد کیا کہنا

مانتا ہوں۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ کیونکر ڈھونڈ نکالا کیا محکمہ خفیہ پولیس سے امداد لی۔ معلوم ہوتا ہے اس رفعہ اپنے والد مرحوم کی وفات کے بعد تم جو لکھنؤ گئے تھے تو وہیں کوئی ترکیب تم نے لڑائی فرخ۔ (متبسم ہوکر) جستجو شرط ہے ڈھونڈھے سے کیا نہیں ملتا مثل مشہور ہے جوینده یابنده۔ نہ خفیہ نہ ظاہر کسی پولیس سے مدد نہیں لی خدا اوس کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتا ہے میرے تجسس نے یہ عقدہ حل کیا یا تمہیں کو کہ میری زبردست قوت ارادی یا قوت تصور کا یہ نتیجہ ہے یا میری آہ پر تاثیر کا اثر ہے کہ ستم پرور مہ پیدا و رنگیا"

احمد۔ جو کچھ تم نے کہا اپنی جگہ پر سب صحیح و درست ہے مگر دنیا عالم اسباب ہے ظاہری سبب کیا ہوا وہ تو کہو۔ خدا وہ دن لائے تو دیکھنا کہ بھابی صاحب کی میں کیسی خبر لیتا ہوں جیسا اونھوں نے تمھیں دق کر ڈالا تھا اس کا بدلا انشاء اللہ میں ہی نکالوں گا"

فرخ۔ تم بھی عجب ذات شریف ہو کیوں بیچاری کو گالیاں دیکر مشغول الذمہ ہوتے ہو غیب کی باتیں عالم الغیب ہی جانتا ہے مصرعہ۔ دگرگوں حال ہو جاتا ہے دم بھر میں زمانہ کا۔ جب تک کوئی بات وقوع میں نہ آئے اسے شنیدہ نہ سمجھنا چاہئے۔ خدا ہی کو معلوم ہے کونسی خدا کی بندی تمھاری بھابی ہونے والی ہے اچھا اب اس کے ظاہر ہو جانے کی کیفیت سنو۔ میں عادتاً ہمیشہ صدق دل سے

اپنے خالق سے طالب امداد رہتا ہوں۔ شہنشاہ حضرت اقلیم کی بھی
مجھے پرواہ نہیں ہے جس کی مدد کے شہنشاہاں عالم حاجت مند
و محتاج ہیں یہ بندۂ درگاہ بھی اسی بارگاہ کا محتاج ہے۔ میرا ہر کام
منجانب اللہ ہوتا ہے مصرعہ۔ وسے از غیب بروں آید و کارے
بکند۔ یہاں تو یہ حساب ہے۔ پھر ایسے مسلک کا آدمی خفیہ سے
کیا استعانت چاہے گا اور کسی کٹنی سے کیا مدد لیگا کل امو
مرھون باوقاتھا جب تک مقسوم میں جکلی سہتی تھی سہی وقت
مقررہ راحت کا جب آگیا تو خود اُن بیگم صاحبہ کو ہدایت منجانب اللہ
ہوی۔ آج جو خط اون کا آیا ہے اوس میں ساری حقیقت کھولدی گئی
احمد۔ (ذرا عجلت کیساتھ) کہاں ہے وہ خط دیکھوں"
فرخ۔ خط تو دیکھاتا ہوں مگر یہ یاد رہے کہ کسی کے سامنے ہو کر
اس کا تذکرہ نہ کرنا ممکن ہے کہ میں اونھیں سے شادی کروں
تم ہندوستان کے رسم و رواج سے واقف ہو قبل شادی کے اس
قسم کی مراسلت کرنے والی لڑکی کو لوگ بداطوار خیال کرتے ہیں
اگر یہ بات مشہور ہو گئی تو میرے لئے بدنامی کا باعث ہوگی" یہہ
کہکر فرخ نے بیرا کو بلا کر اوس سے اپنا قلمدان منگوایا اوس میں
سے ایک خط نکال کر غازی الدین کو دیتے لگا غازی الدین احمد
نے کہا تمہیں باآواز بلند پڑھو اُن مہربان بیگم صاحبہ کی شان
خط کے تم عادی ہو گئے ہو تم بآسانی پڑھ سکو گے میں اتنا کہکر

پڑھوں گا اس سے لطف جاتا رہے گا۔ چنانچہ فرخ نے باآواز بلند یہ خط پڑھا"

خط

جستجو عنقا کی ہے ناوک لگانیکے لئے
ڈھونڈتے ہو بے نشانوں کو نشانہ کیلئے

کاچھی گوڑہ
حیدرآباد دکن
۱۲ اپریل
۱۸۹۵ء

اے میرے پیارے ڈاکٹر!

جس وقت آپ کا ۷ اپریل کا خط مجھکو ۱۱ اپریل کو تقریباً ایک بجے ملا میں دہلی اپنی ایک سہیلی کو جو رشتہ میں میری بھتیجی بھی ہوتی ہے خط لکھ رہی تھی۔ چونکہ وہ متواتر کئی خط بھیج چکی ہے اور مجھ نہجول القلم نے ایک کا بھی جواب نہیں دیا تھا اس لئے اخیر خط میں ٹرپا دینے والا سرنامہ یہ تھا۔ یا دم نمی کنی و زیادم نمی روی با عمرت دراز باد فراموشگار من۔ اور بے انتہا منفعل کر دینے والے پیارے پیارے شکایت آمیز طعنوں کے بعد یہ لکھا تھا کہ تمہارا نوٹ ملا کر دگستاخ۔ چونکہ اوس کے خط میں سچی محبت کا اظہار شکایت کے پیرایہ میں کیا گیا تھا اس لئے مجھے بھی اس کا جواب سوچ سمجھکر اسی ترکیب کا مگر پیرایہ بدل کر دینا پڑا میں نے جواب میں جو خط لکھا ہے اس کی ہیڈنگ میں یہ شعر لکھا ہے ؎ پھر ترے کوچہ میں جاتا ہے خیال دل گم گشتہ مگر یاد آیا۔ غرض اس خط کے لکھنے میں گھنٹی

ہوئی تھی کہ دفعتاً آپ کا کرمت نامہ آیا جسنے فی الفور بیقراری ..... کا
خط ناتمام چھوڑا کر اپنی طرف مشغول کر لیا - ہیہے ہیہے اگر میں کہیں
اسکو یہ لکھدوں کہ تم سے باتیں کرنے میں ڈاکٹر صاحب مخل ہو گئے
تو پھر دیکھو کیسا لڑتی ہے چونکہ ہے طبیعت دار لڑائی بھی ایسی
پیاری لڑے کہ دیکھنے اور سننے والے بھی بے اختیار کہہ اوٹھیں
لڑائی صلح آمیز آپڑی ہے ؎ ملا ہے دل تو آنکھ اون سے لڑی ہے
خیر اب اوس کے جواب کو تو تھوڑی دیر کے لئے بالائے طاق رکھتی
ہوں اور آپ سے دو بدو ہوتی ہوں - پہلے میں اوس حافظ حقیقی
کا شکریہ تہ دل سے ادا کرتی ہوں جس نے اپنے بے انتہا فضل
وکرم سے میرے منتظر کانوں کو آپ کی خیریت کی خوشخبری سے
عین حالت انتظار میں مسرور و شکور کیا اور امید کرتی ہوں کہ
آیندہ بھی وہ مجھکو اسی طرح مطمئن رکھے گا - بیشک یہ قول ؎
تو گفتی ہر انکس کہ در رنج و تاب ؎ دعائے کند من کنم مستجاب بہت
صحیح ہے - اب کے آپ کا خط میرے لئے خاصہ مژدہ تھا - آپ کے
حکم کی تعمیل تو میرے لئے واجب ہو چکی ہے اس لئے بلا توقف
آپ کا ارشاد بجا لاتی ہوں اور اپنی اصلی حالت ظاہر کرتی ہوں
آپ کی بیشہ بھر جان کا نگہبان حقیقی اگرچہ خدا ہے مگر بظاہر اب آپکے
اس کی حفاظت اور رکھیا بہت ضروری ہے کیونکہ بقول آپ کے
جیسا ایک خط میں آپنے لکھا تھا کہ وہ کسی کی نذر ہو چکی ہے (خدا جانے

کس کی) اور میں سستا چھوڑا اس لئے اب آپ اس کے مالک نہیں ہیں صرف محافظ و امین ہیں اور از روئے قاعدہ مالک سے زیادہ امانت کا خیال ہوتا ہے پس آپ کا فرض منصبی ہے کہ اسکی حفاظت تدین کے ساتھ کریں اور جب آپ کے پیچھے حفاظت کا جنجال لگ گیا تو سستے کہاں چھوٹے وہ تو اور گھر سے پھنسے۔

آپنے اپنے ایک خط میں مجھے جمیلہ بیگم بھانجا ہے یہ بیچاری جس قدر کانٹوں میں گھسیٹی گئی وہ حضرت ہی کی عنایت کا نتیجہ ہے۔ اُن غریب کے واسطے تو بالکل ایسا ہی ہوا۔ خوبی بھی کبھی آفت جان ہوتی ہے صاحب یوسف پہ ہوئے حسن سے بیداد بہت سے

آپنے مجھے ایک خط میں غیرت یوسف کے الفاظ سے مخاطب کیا ہے آپ کے حسن ظن کا شکریہ ادا کرتی ہوں مگر یہ کسی پری جمال کے لئے زیبا ہے۔ نبوت عطا کرنے کا بھی شکریہ قبول ہو اوس کو اپنی آخری کامیابی (قیامت کی) مبارک فال اور تسکین بخش یقین کوئی سمجھتی ہوں۔ کیا ساقی محشر کے سامنے بھی اسی خیال کے ساتھ اپنے دادا (حضرت علی) کے ہاتھ سے آپ کو ترسے پانی پیرا کر دو گے آپ کے ساتھ مراسلت قایم رکھنے کا زیادہ تر اگر کوئی خیال محرک ہوا ہے تو وہ آپ کا آل رسول ہونا ہے مجھ کو خاندان کی مختصر کیفیت یہ ہے میرا نام افتخار النساء ہے عرف ... میری والد سلطان میرزا صاحب جن کو خاندان تیموریہ سے تعلق ہے

۱۸۷۷ء میں دلی سے وارد حیدرآباد ہوئے اور اپنے حقیقی بہنوئی نواب حفیظ الدین خاں صاحب کو بھی یہیں بلوالیا جب سے ہم سب یہیں رہ پڑے ہیں۔ خدا حضور پرنور نظام دکن خلد اللہ ملکہ کو سلامت رکھے کہ اونہوں نے اپنے وسیع دسترخوان سے میرے والد اور بہوپاجانکو بطور منصب فی کس ماہ ۵ ماہوار مقرر کردی ہے سرکار انگریزی سے بھی ۵ ماہوار میرے والد کو ملتی ہے باقی خاندانی حالات وغیرہ حافظ عنایت اللہ خانصاحب سے آپ دریافت کرسکتے ہیں اپنے منھ آپ میاں مٹھو کیا بنوں اُن کے سمجھ جانے کے لئے کافی پتہ دیدیا ہے آپ حافظ صاحب کو اس طرح لکھیں کہ میرے ایک دوست جو حیدرآباد کے امیرزادوں میں ہیں اور لندن میں میرے ہم سبق تھے اُن کو میں نے لکھا تھا کہ حیدرآباد میں کوئی شریف الخاندان تعلیم یافتہ لڑکی ہو تو میری نسبت ٹھہراؤ چنانچہ انھوں نے سلطان مرزا دہلوی کی لڑکی کے لئے لکھا ہے آپ اون سے واقف ہوں تو کل ضروری اموراون کے حسب نسب و ذریعہ معاش وغیرہ کی نسبت لکھہ بھیجیں ان کے پاس سے جواب آنے کے بعد بہتر ہوگا کہ حیدرآباد آجائیں اور اونھیں کے ذریعہ سے میرے بھوپاجان کو پیغام بھیجیں یوں تو ابا جان سے بھی حافظ صاحب سے ملاقات ہے لیکن بہوپاجان سے بہت گہرا ربط ہے والد تو بالکل گوشہ نشین ہیں کبھی کبھار کسی سے مل لیتے ہیں۔ میری پیدائش ۱۸۷۷ء کی ہے میری عمر کوئی چھہ مہینے کی

ہوگی جب ہم سب حیدرآباد آئے۔ اب مجھے سترہواں سال ختم ہونیکو ہے۔ میں بہت کم سنی میں اپنی خالہ جان کے پاس دلی بھیجدی گئی تھی دلی کے مشن اسکول سے ۱۹۲۲ء میں فرسٹ ڈویژن میں میٹریکیولیشن کا امتحان پاس کیا اور ایک تمغہ بھی پنجاب یونیورسٹی سے مجھکو ملا انگریزی وعربی کا درس اب بھی جاری ہے۔ گاہے ماہے ایک آدھ ٹوٹا پھوٹا شعر بھی کہہ لیتی ہوں نگہت تخلص ہے تصویر کے لئے تو آپنے تقاضوں کا سلسلہ باندھ دیا میں اپنی تصویر ہرگز بہت بچند وجوہ بھیج نہیں سکتی۔ میرے والدین کا یہ احسان کیا کم ہے مجھکو اون کا بیحد مشکور ہونا چاہئے کہ خلاف رسم ہندوستان اونھوں نے مجھکو اس قدر آزادی دے رکھی ہے کہ بوقت انتخاب اپنی رائے بھی پیش کروں آپ کیا ہندوستانی عام حالت بھول گئے ہیں کہ دولہن کو دولہا اور دولہا کو دلہن کے مزاج ومذاق ولیاقت تو درکنار نام سے بھی واقفیت نہیں ہوتی اس پر بھی خوش خوش اُتونا تہہ بیاہ لاتے ہیں اگر خدا نے مجھے اس بلا سے نجات دی ہے تو کیا بالکل اس کی مصداق بنجاؤں مصرعہ

لگا یا منہ تمہیں صابر ذرا تم پیار میں آئے ۔ ماسوا اس کے حیدرآباد میں میرا کوئی عزیز فوٹوگرافی کا جاننے والا نہیں ہے۔ میری خالہ زاد بہن کے ایک بیٹے اس میں کچھ دخل رکھتے ہیں مگر میں کہاں وہ کہاں وہ تو دلی میں ہیں۔ اجی ڈاکٹر صاحب تصویر لیکر کیا کروگے سوائے اس کے اور کیا حاصل ہوسکتا ہے؟ میں ہوں مشتاق سخن اور سخن

گویائی نہیں۔ میرا شمار سیر چشمان عالم میں تو ہے نہیں پس ایک کنجی کہیں کا
آدمی ہوں ہاں اتنا ضرور ہے کہ آپ سے اگر اچھی نہیں تو آپ سے بری
بھی نہیں ہوں لیکن اگر آپ اصرار ہی کرتے ہیں تو بہتر لیجئے ہم آپ کو ایک
ایسی تصویر دیتے ہیں جو ہر وقت آپ کے پاس رہے اور ہر حال میں جہاں
چاہیں ذری گردن جھکاتے ہی دیکھ سکیں۔ آئینہ میں لکھے ہے تصویر یار + جب ذرا گردن
جھکائی دیکھ لی۔ اب ذرا آنکھیں بند کر لیجئے اور جو جو میں کہتی جاؤں بائیں جانب دیکھ کر آئینہ
میں اسکو جگہ دیتے جائیے دیکھئے وہ سامنے سترہ سالہ لڑکی بڑے سانہاک و دلچسپی
کے ساتھ بیٹھی کچھ لکھ رہی ہے اس وقت اوس کا لباس بالکل ایسا
ہی سیدھا سادھا ہے جیسے شریف بہو بیٹیوں کا گھر میں ہونا چاہئے
یعنے آسمانی رنگ کے اطلس کا تنگ پاجامہ اور پیازی رنگا ہوا ململ کا
لمبی آستینوں کا کرتہ پہنے اور اوسی رنگ کا باریک ململ کا چنا ہوا دوپٹہ
جس میں آسمانی رنگ کا ریشمی رین (فیتہ) ٹکا ہے اوڑھے ہوئے ہے
سر کے بال ماتھے کے دونوں جانب اپنی خلقی پیچیدگی کی وجہ سے
کسی قدر پریشان ہیں اور یہ پریشانی اوس حالت میں بھی قایم رہتی
ہے جبکہ تازہ سر گندھا ہوا ہوتا ہے اس وقت اوس کی ناک میں تو
کسی قسم کا زیور نہیں ہے البتہ کانوں میں طلائی ایرنگ ہیں جن میں
فیروزے جڑے ہیں ہاتھوں میں کرتوں کے کفوں کے آگے ایک طلائی
منقش بریسلٹ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے زیادہ زیور پہننے کا لڑکی کو
شوق نہیں ہے۔ یہ لڑکی میانہ قامت سے نکلکر کشیدہ قامت میں گنی جاتی ہے

بدن چھریرا چہرہ کی قطعہ آفتابی ہے پیشانی نہ بہت بلند نہ تنگ بھویں
بالکل کمان نہیں تو کمان نما ضرور ہیں آنکھیں بڑی اور رسیلی ہیں
ناک بلند اور سوتوان ہے۔ دہانہ اگر بالکل ننھا سا نہیں تو متوسط
حالت سے ضرور گھٹا ہوا ہے ہونٹ اوس پر موزون گردن صراحی دار
رنگت کے لحاظ سے اوس کے بھوپی زاد بھائی قلاقند کا ٹولا کہا کرتے
تھے مگر اب اس عمر کے کثرت کے ساتھ نکلنے والے مہاسوں نے رنگت
ذری کم کر دی ہے۔ اس لڑکی کی مجموعی حالت بہت زیادہ دلفریب
و دلکش نہیں مگر خاندانی لحاظ سے اس کے چہرہ سے جبلی متانت اور
جھوٹی سچی شرافت ضرور ٹپکتی ہے لیجئے اب آنکھیں کھول دیجئے اور پھر
ذرا ادھر متوجہ ہو جائیے۔ میرے نام میری عمر میری لیاقت میری
صورت سے تو جناب کو آگاہی ہو گئی اب تو آپ کے دل کا داغ
و اضطرار دور ہوا یا اب بھی کوئی امر تشنہ رہ گیا ہے۔ حیدرآباد
میں آپ کی پریکٹس کو فروغ ہو سکتا ہے یا نہیں اس کا جواب
میں کیا دوں اس کو آپ مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہیں یہ تقدیری امر
ہے رہا یہ کہ میرے اخراجات اس بارہ میں آپ کی مدد کرینگے یا نہیں یہ
سوال ہی لاحاصل ہے جو کچھ ان کے امکان و قدرت میں ہے اس سے
تو وہ دریغ نہیں کر سکتے لیکن کیا پدری اور کیا پدری کا شوہر۔ میرے
عزیزوں میں گنتی کے ڈھائی آدمی یہاں ہیں اور وہ بھی کوئی بارسوخ
و با اثر نہیں۔ بہت باتیں کیں آپ اکتا گئے ہوں گے۔ خدا حافظ۔ خط

سابق کے پتہ سے لکھیئے۔

آپ کی خیر نیت کی طالب

افتخار

غازی الدین احمد نے سارا خط غور سے سن لینے کے بعد کہا۔ "لو مبارک ہو۔ للہ الحمد ہر آن چنیر کہ خاطر میخواست ۔ آخر آمد زپس پردۂ تقدیر بیرون جو جو خدشے تمہارے دل کو تھے وہ سب رفع ہو گئے۔ تمہاری خواہش کے موافق اللہ میاں نے غیب سے سامان کر دیا اور ایسا پھڑکتا ہوا جوڑا ملایا ہے کہ شاید و باید۔ یہ بھی اس لڑکی کی ذہانت کی دلیل ہے جب اچھی طرح ٹھونک بجا کر اپنا اطمینان کر لیا تب اپنی اصلی حالت کھولی۔ طرز تحریر کس قدر نفیس زبان شستہ مضمون پاکیزہ کس کس بات کی میں تعریف کروں مجھے تو بڑا لطف ملا جس خانہ سے تم نے یہ خط نکالا اوس میں تو بہت سے خط ہیں ایک آدھ اور پڑھو"

فرخ۔ "جانے بھی دو اور باتیں کرو میری وحشت بڑھتی ہے"

احمد "کیا خوب۔ اس کی بھی ایک ہی ہوئی یوں کہو کہ وحشت گھٹتی ہے مثل مشہور ہے (ذکر العیش نصف العیش) اب باتوں میں نہ اوڑاؤ تم نے وعدہ کیا تھا کہ اس معاملہ کی صورت خاطر خواہ نکل آئے تو ایک جلسہ دو گے یہ بتاؤ کہ جلسہ کب دیتے ہو"

فرخ۔ "تم کو تو جلسوں ہی کی پڑی رہتی ہے۔ بیشک میں نے وعدہ کیا تھا مگر یہ تو خیال کرو جہاں تھوڑا بہت خوشی کا سامان پیدا ہوا والد مرحوم کی

وفات کی وجہ سے جس قدر رنج و تفکرات میں میں مبتلا ہوں اس کا
اندازہ ناممکن ہے یہ سانحہ نہ ہوا ہوتا تو ایک کیا کئی جلسے دیتا۔"
احمد۔ "ہاں بھائی یہ تو ٹھیک کہتے ہو واقعی تمہاری حالت قابل تاسف
ہے۔ اچھا ایک آدھ اور خط تو سناؤ۔"
فرخ۔ "تم نے تو زچ کر دیا لو سنو۔" یہ کہکر فرخ نے ایک خط نکالا اور اسے
پڑھنا شروع کیا۔

خط

کاچھی گوڑہ حیدرآباد دکن
۱۸ مارچ ۱۸۹۵ء

میرے پیارے ڈاکٹر۔

آپ کا ۱۴ مارچ کا ظرافت نامہ ایک عجیب محویت و مزیدار انتظار
کی کیفیت میں کل پیر کو مجھکو ملا۔ آپ کا قاعدہ تو یہ ہے کہ خط کی آمد و رفت
اور جواب لکھنے کی مدت پر دو دن اور رکھ لیتے ہیں اور میں خیر سے
دو دن اور گھٹا کر پہلے ہی سے انتظار کرنا شروع کر دیتی ہوں اگرچہ آپ ہی
کہتی بھی ہوں یہ کیا دیوانگی اور بے صبری ہے ایسے حساب سے تو
اور تکلیف اور ٹھانی پڑتی ہے مگر کچھ خود بخود آنکھیں لگ جاتی ہیں
خیر اپنے اسی قاعدہ کے موافق میں نے اتوار کے دن سے انتظار کرنا
شروع کیا دل نے کہا راہ دیکھو یا کچھ کر و خط تو آج آتا نہیں کل آئے گا
اب کل کی سنئے صبح سے بارہ بجے تک تو انتظار رہا جب بارہ بج گئے تو

مایوس ہوکر دولائی اوڑھ (خلاف معمول) لیٹ گئی دولائی کے اندر نہ پوچھئے کہ کیا ہو رہا تھا کبھی تو کوئی کان میں آکر کہہ دیتا تھا کہ ناحق ٹوٹی کھٹواٹی لئے پھری ہو خط کی جانب سے آج بھی سنّہ دھور کھو کبھی اللہ سائے نام کی دو کوڑیاں مانی جاتی تھیں پھر کہتی تھی نہیں ایک پیسہ دو گی اللہ میاں اچھی بات نہیں ہے دیکھو آج تو خط ضرور آجائے غرض اسی کشاکش و انتظار کی حالت میں سوا گھنٹہ گذرا کیونکہ ایک پر پندرہ منٹ آئے تھے کہ سچ مچ آپ کا خط میرے ہاتھ میں آگیا۔ اس دفعہ آپ کے خط نے بھی مجھکو دو دفعہ رلایا ایک تو آپ کے اس شعر نے ؎ دم نکلے ہم غم سے کیونکر۔ کچھ پھیر پھیر چپٹے تو راستہ ہوا اور وہاں کی تھوڑی عبارت نے دوسرے حضرت حافظ کا قول بلکہ قسم سن کر ایک سکوت کی حالت میں یہ شعر ؎ لو عشق مجازی سے حقیقی کو ملی راہ۔ اس بت کو جو دیکھا تو خدا یاد آئی۔ جو پڑھا تو بے اختیار آنسو نکل پڑے (اس کی وجہ نہ دریافت کرنا میں ہرگز نہ بتاؤں گی) درد دل کی نسبت جو آپ نے کہا میں اس سے گھبراتی نہیں کیونکہ کوئی راحت ایسی نہیں جس کے پہلے تکلیف نہ ہو اور وہی مبارک و قابل قدر بھی ہوتی ہے علاوہ ازیں یہ تو اب جان کے ساتھ لگا ہوا ہے مصرعہ ؎ درد میرا ایسا ہے کہ مر جائے تو جائے۔ دل اگر ہے تو درد بھی ضرور ہے ؎ اوٹھاتی کون سکتا تھا گران بار محبت کو

لہ خدا کرے میں نہ کاٹوں انگلیاں کھالیں کیونکہ میں اپنی زندگی میں یہ سنا نہیں چاہتی

بنایا ہو فقط اسی واسطے ہی ایک انسان کو۔ ؎ درد دل کے واسطے پیدا کیا
انسان کو ؛ ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں ؛ خدا ٹھہرے ایک
شعر اور سناتی ہوں۔ نہیں معلوم کیا راز محبت اس میں رکھا ہے ؎
ہوا پامال دل دیکھا جہاں سرو خراماں کو۔ درد محبت کی دلیل ہے۔ ؎
محبت کے لئے پیدا ہوا دل ؛ محبت گر نہ ہوتی دل نہ ہوتا۔ بھلا نقش
کالحجر بھی کہیں مٹائے مٹتا ہے مگر اس وقت جو میں نے گھبرا کر لکھدیا
تھا اس سے مراد کچھ اور تھی جس کا اظہار اگر خدا کو منظور رہا تو کبھی
کروں گی۔ آپ نے جو یہ شعر لکھا تھا۔ اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔ کچھ عجب طرح کی چٹکی میرے دل
میں لیکر نیا سامان آنکھوں کے آگے مہیا کر دیا۔ غالب کا یہ شعر مرقع عالم کے
اس سین کی سرخی ہے جس میں عصمت مآب دوشیزہ وفادار حسینہ کا
شرمندہ تکمیل اختر سے دفعتہً ملکر فی المعنی اس کی شادی کر لینے اور وعدہ خلافی
کا رو رو کر گلا کرنا اور لڑنا دیکھایا گیا ہے۔ فی الحقیقت حسینہ ہی کا دل تھا
جو اختر جیسے بیوفا مرد کی صورت دیکھی مجھے تو واللہ نفرت ہوگئی لاحول ولا
قوۃ مرد وا ہو کر ڈوبا ایسا بھی بیچارہ کیا شرم کی کلھیا تھا جو شرم ہی شرم
میں جھٹ دلہن بھی بیاہ لائے اور پھر مزا یہ کہ حسینہ کی محبت کا بھی نام
خدا دم بھرتے ہیں معقول! ہماری جان گئی آپ کی ادا ٹھہری۔ اس
ناول کا تو نہ مجھے پلوٹ پسند آیا اور نہ طرز بیان مگر ہاں نتیجہ اچھا نکالا ہے
یعنے مارے باندھے کی شادیوں سے ایسے خراب نتیجے نکلتے ہیں اور عورتوں

اعلیٰ درجہ کی تعلیم دینی چاہیئے اور آفت کا پرکالہ عورتوں سے جو آسمان پھاڑیں اور تھگلی لگائیں بچنا چاہیئے مخصوص بھولی بھالی لڑکیوں کو خدا دام تزویر سے بچائے مابدولت کی قدر شناس سرکار سے بہت انعام ملتے ہیں، جی بجا بہت درست ذرا عنایت کر کے اتنا اور بتا دیجئے وہ کون سی مشکل خدمت ہے جسکے بجا لانے سے آپ کی قدر شناس سرکار سے ہمیں انعام ملنے کی توقع ہے، اگر خدمت کی نوعیت بتانے میں کوئی عذر ہو تو نہ بتائیے میں قسمت آزمائی کروں گی مگر انعام کس قسم کا ہوگا وہ تو کہئے تاکہ خدمت کرنے کو دل بڑھے مگر یہہ یاد رہے جو انعام منتخب کیا جائے وہ میری حالت کے مناسب و موزوں ہو ورنہ عطائے تو بلقائے تو کا مصداق بنا کر الٹا منھ پر مار دونگی"

بہت اچھا یہاں ناک کی سیدھ نکال کر مطلب نکال لو اور بات بنا لو مگر آگے کہاں جاتے ہو کیوں نہ کہئے گا کیا ذرا سے انچھر ہیں آپ کے منھ سے تعریف کروا کر اپنے دعوے (اپنے منھ آپ ہی دھن ہا گنا) کا ثبوت قایم کر لیا۔ مگر نہیں نہیں خفیف نہ ہوئے آپ کی خفت میرے سر آنکھوں پر۔ خیر یہہ بھی آپ نے نہیں میں نے ہی کہا اب آنکھیں اونچی کر لیجئے آنا شرمندہ نہ ہوئے۔ میں اس سے پہلے تصور کی قوت سے بیزار ہوتی تھی اور سمجھی ہوئی تھی کہ یہہ صرف اہل تصوف ہی کے کام کی چیز ہے کیونکہ اس سے اصلی نقشہ کھینچکر پورا انہماک پیدا ہو جاتا ہے مگر اب معلوم ہوا کہ اعتدال کے ساتھ یہہ قوت ہر حالت میں اچھی ہے اگر

منظور ایزدی ہے تو آپ کو میری اس قوت سے شاید کچھ مدد ملے مگر آپ نے بھی خوب خیالی پلاؤ پکایا اور ہوا پر قلعے تعمیر کئے۔

اجی میری کچھ نہ پوچھو میں تو تمام دنیا میں اوڑی اوڑی پھرتی ہوں کبھی ابنائے باسفورس کے کنارے قسطنطنیہ کے قہوہ خانوں اور وہاں کے قدرتی مناظر کی بہار لوٹتی ہوں کبھی جاپان کی ہونہار ترقی دیکھتی ہوں کبھی جزیرۂ ہوائی میں جا دہکتی ہوں کبھی بحرہ ہند کے جزیروں کی سیر کرتی ہوئی سویز میں سے کہیں کی کہیں جا پہونچتی ہوں غرض مغربی و مشرقی ساری نئی اور پرانی دنیا کو گھڑی بھر میں اپنے تصور میں چھان ڈالتی ہوں مگر مطلب کو لئے ہوئے جس طرح میں نے شاخ نبات کے لئے آپکو تنگ کر ڈالا تھا آپنے بھی اسی طرح چوری کر کے سرزوری اختیار کی ہے میرا ناک میں دم کر دیا ہے کبھی دھمکاتے ہو ڈراتے ہو کبھی چمکارکر منت سے پوچھتے ہو مطلب تو یہ ہے کسی طرح میں وہ چوریاں بتا دوں میں بھی اپنے نام کی ہوں میں تو ہرگز نہیں بتانے کی چاہے آپ کچھ ہی کیجئے مگر صرف شاخ نبات کا گلہ اتارنے کو خفیہ چوری کا مطلب اتنا ہی کہتی ہوں محفل میں کس کو آپنے دل میں چرا لیا۔ انمنوں میں کون چور ہے آپ خود پہچان جائیے اب بھی تجاہل باقی رہگیا ہو تو یوں سنو میرا دل گم گیا اس بزم میں اسے ہمنشیں دیکھو ہو اور دیکھو ہو اور دیکھو ابھی تو نہیں ہے وہ انہیں کے پاس ہے جو چپکے چپکے مسکراتے ہیں وہ انہیں کے ہاتھ دیکھو جیب دیکھو آستین دیکھو مگر خاطر جمع رکھو میرا مال کوئی بے ذوق کا تو ہے نہیں جو چپکے سے ہضم ہو جائے

میں بوٹی دیکر بکرا لیتی ہوں عنقریب میں اپنے مال کو مع چوسہ یہیں دہر گھسیٹتی ہوں۔ آپ کے سر کی قسم آپ کا یہ جملہ ایسا الزام و فگاح پڑ کر اتنا بھی تو سوچ نہیں ہوا جتنی اُڑد پر سفیدی۔ البتہ گھبراہٹ تھی تو آپ کی پریشانی کا خیال کر کے جس کی وجہ سے اوسی وقت آپ کو جواب لکھا حالانکہ مزاج کسی قدر کسلمند تھا۔ وہاں کے انتظام کے خلاف زبردستی آپ کو اپنے ساتھ رکھوں گا۔ انشاء اللہ مصرعہ رہیگا فرق پر دامن کسی کا اس سے بڑھکر میرے۔ لئے کیا کامیابی ہو سکے گی کہ جنت بھی ملے اور خاندان اہل بیت میں سے ایک شخص کی خدمتگزاری کا بھی فخر حاصل ہو وہ بھی اسکی زبردستی سے۔ آل احمد پہ فدا ہوں یہ دعا ہے میری۔ ؎

سایۂ قامت حسنین رہو جنت میں نصیب ہو نہیں خواہش کہ ملے سایۂ طوبیٰ خالی

میرے سیانہ پن کا ثبوت پیش کرنا ہوگا پناہ بخدا!

بس توبہ کر کے اور گنہگار ہو گئی۔ اچھا صاحب وہ وقت بھی اللہ لائے گا۔ ایک ادنی سا ثبوت تو ابھی لیجئے۔ میں نے جو نصیحت پر عمل کیا آپ کے چھونتہ ہی کی تاثیر تھی۔ یہ بھی آپ کے سیانہ پن کی دلیل ہے اب بکواس اپنی ختم کرتی ہوں۔

راقم

ایک مستفسر حالات

احمد:- واللہ غضب کی طبیعتدار اور قابل لڑکی ہے حالانکہ عمر ابھی سترہ یا اٹھارہ ہی سال کی ہے مگر وسعت معلومات و پختگی خیالات بلا کی ہے تمہارے جس خط کے جواب میں یہ خط آیا ہے کاش کہ اسکا مسودہ بھی اس وقت موجود ہوتا تو لطف دوبالا ہو جاتا کیونکہ بہت سے فقرے تمہارے خط کے جو منقول کئے ہیں وہ ادھورے اور صرف کنایۃً و اشارۃً مسطور ہیں جن سے تمہارے اوس وقت کے خیالات و مافی الضمیر کو پوری طور پر سمجھنا تم دونوں کے سوا کسی دوسرے کے لئے بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے ؎

میان عاشق و معشوق رمزیست ؛ کراماً کاتبین را ہم خبر نیست۔

تاہم جس قدر میں سمجھ سکا بہت محظوظ ہوا۔ علمی قابلیت بھی اچھی حاصل کی ہے۔ اس پر سے قیامت خیز طبیعت داری سونے پر سہاگہ ہے نہیں معلوم صورت کیسی ہے۔ خدا کرے حسین ہو کیونکہ تم حسن پرست آدمی ہو"

فرخ:- "تمہاری تو وہی کیفیت ہے ساری رامائن پڑھ گئے پر معلوم ہوا سیتا کس کی جورو اہلیہ تو غریب نے لکھدیا ہے جس سے ناک نقشہ قد و قامت رنگ و روپ سب کی حالت معلوم ہوتی ہے بتیک صورت دار بھی ہے"

احمد:- "مگر رنگ کے متعلق تو کچھ بھی نہیں لکھا ہے"

فرخ:- "واہ! (خط ہاتھ میں لیکر) دیکھو میں وہ مقام سناتا ہوں میرے بھولی زاد بھائی قلا قند کا ڈلا کہا کرتے تھے اب اس عمر کی کثرت

کے ساتھ نکلنے والے بہاسوں نے رنگت ذری کم کردی ہے اس سے کیا رنگ کا حال نہیں کھلتا مگر بہاسوں نے رنگ ذرا کم بھی کردیا ہو تاہم گھٹنے پر بھی سبزہ رنگ تو ضرور ہوگا قلاقند کہ قدر سفید ہوتا ہے۔

احمد ۔ قلاقند کیا چیز ہے؟

فرخ ۔ تم بھی عجب بدھو ہو تمھیں قلاقند نہیں معلوم کیا تمہارے صوبہ بہار میں بنتا نہیں ہے ایک قسم کی مٹھائی ہے۔ بڑی برفی اب تو تمھارا اطمینان ہوگیا۔ میرے خیال میں سبزہ رنگ سے بھی کھلا ہوا رنگ ہوگا۔ بڑی چنبیلی تناسب اعضاء ہے اور نقشہ کی لینے ناک آنکھ بہوں دہانہ رخسار وغیرہ کی مناسبت ہے۔ گورا رنگ جیسا اپنی جگہ پر اچھا ہے اسی طرح سبزہ۔ گندمی۔ گھونا۔ چنبیلی۔ سانولا خصوصاً سانولا اور چنبیلی رنگ نہایت پائیدار اور ملیح ہوتا ہے بشرطیکہ ہاتھ پانوں سڈول ہوں نقش کھڑا ہوا اور اوس میں بانکپن اور نمک ہو پھر کیا کہنا بقول میر حسن مرحوم سانولے رنگ سے بھاگو حسن کیا تمہیں تمہارا جاتا ہے ایسے دہندلکے بیچ مسافر مفت میں مارا جاتا ہے۔ سانولے پن کیلئے دہندلکے کا لفظ کیا خوب مستعمل ہوا ہے۔ گورے رنگ کو دن سے سیاہ کو شب سے تشبیہ دیتے ہیں اس لحاظ سے سانولے رنگ کو چنبیلی وقت سے تشبیہ دی ہے جبکہ دن ختم ہونے کو ہوتا ہے اور رات کی اندھیری شروع ہوتی ہے واقعی وہ ایسا وقت ہے کہ مسافر راہ بھٹکتا ہے چنبیلی رنگ بھی پیارا رنگ ہے میر مونس صاحب مرحوم میر حسن

مرحوم کے بوتے نے چنپئی رنگ کی تعریف میں یہ شعر لکھا ہے ؎
اُس پری رو کا عجب حال ہوا ہے کہ شراب
چنپئی گال دمکنے لگے کندن ہو کر

سبزہ رنگ بھی گھائل کرنے کو کم نہیں ہے چنانچہ ایک شاعر صاحب لکھتے ہیں ؎ سبزہ رنگش بخط سبز مرا کرد اسیر
دام ہمرنگ زمیں بود گرفتار شدم

گورا رنگ اچھا ہوتا ہے مگر پائیدار نہیں ہوتا البتہ اوس میں یہ بُری صفت ہے کہ بُرا نقشہ بھی کھپ جاتا ہے اکثر یورپینوں کا نقشہ درست نہیں ہوتا مگر سرخ و سپید رنگ کی وجہ سے اس قدر بدنما معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ سیاہ رنگ کریہہ ہوتا ہے مگر بعض عیاش طبع اصحاب اوسے بھی پسند کرتے ہیں۔

احمد۔ "تمھارے ہاتھ کوئی مضمون آجانا شرط ہے وہ بال کی کھال کھینچتے ہو کہ پناہ بخدا رنگ کی خوب دھجیاں اوڑائیں اور باتیں کرو یہی کہا ہے تمھاری عاشق صفت معشوق نے تم کو حیدرآباد بلایا ہے اس بارہ میں تمھارا کیا خیال ہے۔"

فرخ۔ "سچ پوچھو تو میرے لئے جیسا کلکتہ ویسا حیدرآباد۔ جب انسان نے اپنا دیس چھوڑا تو کوئی پردیس ہو پردیس ہے البتہ کسی مقام کی غربت الوطنی بوجوہ خاص کسی دوسرے مقام غربت پر لائق ترجیح ہو۔ میں نے اس مسئلہ پر بہت غور کیا آخر یہی فیصلہ کیا کہ حیدرآباد جانا قرین مصلحت ہے کیونکہ اس سے بیشتر بھی کئی دفعہ اس بارہ میں کنایتہً اونہوں نے کہلا تھا

کر اون کی بتلائی ہوئی حالت کی تصدیق و تحقیق پہلے حافظ صاحب کے ذریعہ سے کرلوں اس کے بعد جاؤں مگر میرے خیال میں بے سود و باعث طوالت ہوگا مجھکو یقین ہے وہ لڑکی جھوٹی نہیں ہے جو کچھ لکھا ہے صحیح لکھا ہے اور جس قدر اوس نے لکھا ہے اس سے تحقیق طلب امور کے متعلق میری تشفی ہوگئی ایسی حالت میں حافظ صاحب کو زحمت دینا تحصیل حاصل ہے۔

احمد۔ "حیدرآباد جو جاؤ گے تو کیا نسبت مقرر کرکے واپس چلے آؤ گے یا وہیں رہکر پریکٹس کرنے کا قصد ہے"

فرح۔ "تمھارا کیا خیال ہے نسبت مقرر کرکے چلا آؤں یا وہیں رہکر پریکٹس کروں"

احمد۔ "وہاں رہنے کی تو میں ہرگز صلاح نہ دوں گا یہاں میں اکیلا ہو جاؤں گا۔ تمھارے سوا میرا کوئی ہمدرد یہاں نہیں ہے۔ پھر مجھے بھی کلکتہ چھوڑنا پڑے گا"

فرح۔ میری نسبت جو کچھ تمہارا خیال ہے اُس کو میں تمہارے حسن ظن سے منسوب کرتا ہوں اور اوس کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتا ہوں۔ اگر درحقیقت تمھارا ایسا ہی خیال ہے تو ایک رائے تمہیں دیتا ہوں بشرطیکہ میرے مشورہ کو خود غرضانہ نہ سمجھو وہ یہ ہے کہ ابھی تم سے میں نے کہا ہے اگر نوکری کرنی ہے تو بڑی دیسی ریاستوں کو ٹٹولو منجملہ جن کے حیدرآباد کا درجہ سب سے بڑھا ہوا ہے اور بچند وجوہ اس کو دوسری

دیسی ریاستوں پر ترجیح ہے۔ میں بھی چلتا ہوں تم بھی اللہ کا نام لیکر اوٹھ کھڑے ہو پہلے پریکٹس شروع کرو رہ سہکر ملازمت کا بھی کوئی اسلوب نکل ہی آئے گا میرے خیال میں بفضل ایزدی تمہاری پریکٹس چل نکلیگی گو وہاں بھی تم ایک اجنبی ہوگے مگر وہ فضل خدا سے اسلامی ریاست ہے وہاں کے باشندوں کو تمہارے ساتھ کچھ تو ہمدردی ضرور ہوگی دوسرے یہہ کہ کلکتہ کی طرح وہاں کا بار اسقدر پُر نہوگا اور نہ ایسے کہنہ مشق و قابلیت مآب اشخاص کا سامنا ہوگا مجھے تو اس کا ذاتی علم نہیں ہے اور نہ اس بارہ میں میری رائے کوئی چیز ہے ہمنے تمہیں لوگوں سے سنا ہے کہ مقابلہ مدراس والہ آباد و بمبئی کے کلکتہ کے بیرسٹر و وکلا زیادہ تر قابل ہیں اور تعداد میں بھی زیادہ ہیں اس لحاظ سے حیدرآباد جو ہند میں چوتھا شہر مانا جاتا ہے وہاں کا بار بھی بچھے درجہ کا ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ تمہارا انگلش اسٹرکچر بہت اچھا ہے اور باعتبار زبان دانی تمہاری تحریر و تقریر دونوں عمدہ ہے مگر یہ ذرا نہ ماننا فی البدیہہ انگریزی میں تقریر کرنے میں ذرا ہچکچاتے ہو برعکس اس کے اردو میں تقریر کرنے میں مطلق نہیں رکتے ہو اور میں نے سنا ہے کہ حیدرآباد میں وکلا اردو ہی میں تقریر کرتے ہیں پھر تو بازی تمہارے ہاتھ ہے بعض اوقات بخیال مصائب سفر سقر ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی ہے السفر وسیلۃ الظفر حرکت سے برکت اللہ دیتا ہے۔"

احمد "تمہاری اس وقت کی گفتگو نے میرا دل ایسا بڑھایا کہ بس ہوں تو ابھی

اڑ جاؤں تم نے جو کچھ کہا بہت ٹھیک۔ کہا ضرور میری وکالت کو وہاں فروغ ہوگا۔ انشاء اللہ ضرور جاؤں گا اور بیچ کہیت جاؤں گا بلکہ ڈنکے کی چوٹ جاؤں گا۔ حال ہی میں میرے والد کے ایک بڑے دوست ایک وکیل پٹنہ کے حیدرآباد کسی اعلیٰ عدالتی خدمت پر مقرر ہوکر گئے ہیں۔ میں اون کو لکھتا ہوں والد کی رائے اس بارہ میں بیکار ہے۔

فرخ۔ "میں سمجھا تمھاری غرض حسین بخش خان سے ہے گزشتہ مہینے میں اون کا تقرر ہوا۔ کلکتہ ہائیکورٹ نے اون کا انتخاب کیا تھا۔ تم اون کو ضرور لکھو بلکہ ممکن ہو تو انھین کے ہاں ابتداً قیام بھی کرو جس کا اثر پبلک پر بہت اچھا ہوگا مقدمات کا مدار جو عہ بہت جلد ہونے لگے گا۔"

احمد۔ "تمھارا قصد وہاں جانے کا کب تک ہے اور کہان فروغ ہونیکا ارادہ ہے؟"

فرخ۔ "میں اسی خط کا منتظر تھا جو آج آیا۔ اس دفعہ جو میں لکھنؤ گیا تھا تو حسن اتفاق سے میرے والد مرحوم کے دوست حافظ عنایت اللہ خانصاحب بھی تقریب رخصت اپنے وطن لکھنؤ آئے ہوئے تھے میں نے اون سے اس بارہ میں گفتگو کی۔ نسبت کا تذکرہ تو قصداً نہیں کیا۔ مگر ایک معقول عنوان سے گفتگو کی۔ اون سے صاف لفظوں میں کہا کہ والد کے انتقال کی وجہ سے آمدنی بہت کم ہوگئی ہے اور پریکٹس کو کلکتہ میں فروغ پانیکے لئے عرصہ دراز کی ضرورت ہے اس لئے میرا قصد حیدرآباد آنکر قسمت آزمائی کا ہے آپ میری کچھ مدد کرینگے یعنے وہاں امرا اور عہدہ داروں سے ملائیں

اور مجھ سے اون کا علاج جاری کروانے میں اونہوں نے میرے خیال کو پسند کیا اور بہت دلاسا اور تشفی دیکر کہا کہ اس بارہ میں پورا اطمینان رکھو اس لئے پہلے انھیں کے ہاں جاکر ٹھہروں گا اگر رنگ جم گیا تو میں بھی جم جاؤں گا ورنہ بسنبت مقرر کر کے بیرنگ واپس آجاؤں گا۔ نکاح کا تو نام لینا سردست گناہ ہے میری آمدنی کی حالت تم کو معلوم ہے۔ گاڑی گھوڑا تو کوک کمپنی کے حوالہ کردوں گا۔ وہ نیلام کر کے بعد وضع کمیشن باقی روپے حیدرآباد روانہ کردیں گے اور ڈسپنسری کے اسباب بھوپندر بھائی مترا اینڈ کمپنی کے حوالہ کر دیتا ہوں میرے جانیکے بعد بذریعہ نیلام اسباب فروخت کر کے رقم مجھکو بھیجدینگے۔

انونٹری (فہرست) تو کل ہی کروا دیتا ہوں۔

احمد۔ "دن تاریخ بھی کوئی مقرر کی ہے؟"

فرخ۔ "انشاء اللہ آجکے جو تھے روز ۱۰ بجے کی صبح کی ٹرین میں قصد روانہ ہونے کا ہے۔

احمد۔ میں بھی تیار ہی ہوں تمھارے جانے کے ہفتہ عشرہ کے بعد میں بھی آتا ہوں۔ حسین بخش خان کو خط آج ہی لکھتا ہوں"

گیارھواں باب

جہاں سیف آباد بیرون بلدۂ حیدرآباد فرخندہ بنیاد کے محلوں میں بوجہ صفائی ستھرائی پہر چھے پن کے اور بلحاظ خوش منظر و خوش آب و ہوا و پر رونق ہونیکے شہرت عامہ رکھتا ہے دوسرے لفظوں میں اوس کو فرحت آباد کہیں تو بجا ہے وہاں عنایت منزل کو بھی بہ سبب رفعت و شان و وسعت مکانیت و بخیال خوش وضعی اور اندرونی سجاوٹ کی طرحداری اور بیرونی صحن کی چمن بندی و آراستگی کے امتیاز خاص حاصل ہے اس لئے بالفاظ دیگر فرحت منزل کہنا روا ہے۔ یوں تو حیدرآباد جیسے خدا رو برشان شہر ہیں (قادر مطلق حیدرآباد کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور مہر آرائے کشور دکن کا ہمیشہ بول بالا رکھے جس کے زیر حمایت و سایۂ عاطفت میں ہر فرد روح شادان و فرحاں نظر آتا ہے اور فرمان روا کی بیدار مغزی و معدلت گستری و انصاف پسندی کے سبب ڈیڑھ کروڑ بندگان خدا چین و امن کے ساتھ بیفکری کی زندگی بسر کر رہے ہیں مالک حقیقی حیدرآباد کو اور اوس کے مالک مجازی کو ہمیشہ چشم زخم سے محفوظ رکھے! آمین!! ثم آمین!!!) حویلیاں کوٹھیاں بنگلے مینشنس خوبصورت و عالیشان سر بفلک عمارتیں ایک سے ایک بڑھکر عرض و طول میں ہیں جو قدیم و جدید فن تعمیر کے بہترین نمونے ہیں مگر سیف آباد بھر میں بلحاظ خصوصیتوں کی وجہ سے عنایت منزل اپنی نظیر آپ ہے۔ یہ

کوٹھی اور اوس کی آراستگی حافظ عنایت اللہ خاں کی اولوالعزمی و عالی حوصلگی و نفاست مذاق و بلند خیالی کی بین دلیل ہے ساتھ ہی ان اوصاف کے حافظ صاحب مہمان نواز بھی بہ لے درجے کے ہیں جب دیکھو وہ جا مہمان دور و دراز مقامات سے آئے ہوئے حافظ صاحب کے وسیع دسترخوان سے مہینوں مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔ آئے دن اقسام کی دعوتیں بھی ہوتی رہتی ہیں کبھی اٹ ہوم ہے کبھی ٹی پارٹی کبھی گارڈن پارٹی کبھی ڈنر کبھی برکفیسٹ کبھی لنچ کبھی میوزیکل ایوننگس غرض کچھ نہ کچھ ہوتا ہی رہتا ہے۔ آج بھی عنایت منزل کا ڈائننگ ہال مہمانوں سے گرم ہے۔ بوجہ ایک با اثر و مقتدر و اعلیٰ عہدہ دار ہونے کے ممالک محروسہ میں حافظ صاحب کا طوطی بولتا ہے تمام دھاک بیٹھی ہے چاروں طرف سے (ابھی) بڑے بڑے جلیل القدر امرا اور عالی مرتبہ عہدہ داروں کا تانتا بندھا ہے اس میں یورپین حضرات بھی ہیں اور ہندی بھی ہیں کھانے سے فارغ ہو چکنے جب ڈزرٹ یعنے میووں پر مہمانوں نے حملے شروع کئے تو حافظ صاحب نے کھڑے ہو کر باواز بلند کہا۔ حضرات اپنے اپنے ٹمبلرس (گیلاس) زرا کم مشروبات سے پُر کریں کسی نے سوڈے سے کسی نے لیمنیڈ کسی نے جنجر بیر بعض یورپینوں نے وہسکی سے گیلاسوں کو لبریز کیا۔ حافظ صاحب نے مودبانہ طریقہ سے مختصر و پر تعظیم الفاظ میں اعلیحضرت حضور پر نور بندگانعالے و شہزادگان بلند اقبال و والا منزلت کے جام صحت و سلامتی کے پینے کی تحریک کی۔ سب مہمانوں نے نہایت جوش و خروش و مسرت کے ساتھ تعمیل

طریقہ سے اس تحریک کی تائید میں اپنے اپنے خیالات ظاہر کئے۔ اس کے بعد حافظ صاحب نے انگریزی زبان میں تقریر شروع کی جس کا ترجمہ یہ ہے

مسٹر جسٹس کیدوریہ لیٹ پریذیڈنٹ نواب صاحبان و جنٹلمین

ڈائننگ ہال میں داخل ہونے کے قبل میں سرسری و مجملی طور سے اپنے معزز مہمان نواب زادہ ڈاکٹر سید ظہیر حسن صاحب کا تعارف آپ حضرات سے کرا چکا ہوں۔ دعوتی کارڈوں سے بھی آپ کو بخوبی معلوم ہوا ہوگا کہ ڈوکٹر ایم۔ ڈی۔ ایس۔ ایل۔ ایس۔ ایس۔ ایس

ہوں یا اور علوم کی ہوں حاصل کرنا دل بھات کا نوالہ نہیں ہے کہ ملایا
اور نگل گئے بلکہ لوہے کے چنے جانے ہیں کیونکہ لندن یونیورسٹی کے امتحانات
بلحاظ نصاب تعلیم و سختی سوالات مشکل ترین ہیں ایسے مشکل ترین امتحانوں
میں کامیابی اور وہ بھی اس کم عمری میں یہ فرخ میرزا ہی کا حصہ تھا (چیرز)
جس طرح سے کہ امتحانات میں کامیابی حاصل کرنے میں اُن کی فطرتی ذکاوت
وجودت نے اون کی مدد کی ہے اسی طرح عملی تجربہ حاصل کرنے میں بھی
اون کی طبعی رسائی ذہن کام آئی ہے۔ ان کو طبابت شروع کئے ہوئے
ابھی کامل ایک سال بھی نہیں ہوا ہے لیکن اس قدر کم مدت میں انھوں
نے اس قدر تجربہ حاصل کر لیا ہے کہ معمولی ذہانت کے آدمی کو دس برس
میں بھی حاصل ہونا مشکل تھا۔ فرخ میرزا صاحب کو حیدرآباد تشریف لاکر
آج سات روز ہوئے۔ اس قلیل عرصہ میں دو کیس بھی آپ کو ملے۔ ایک
تو میرے نواسہ کا معالجہ انھوں نے کل ہی کیا اور حیرتناک کامیابی کیساتھ
کل تیسرے پہر کو ایک بچہ کا فراج بگڑ گیا بیٹھے بیٹھے غش کر گیا۔ اتفاق
سے فیملی ڈوکٹر بھی موجود تھے انھوں نے یہاں کے ایک نامی گرامی
ڈوکٹر کو میری اجازت لیکر فوراً طلب کیا اور دونوں کے مشورہ سے
نسخہ مرتب ہوا جس کی دو تین خوراکیں دی گئیں مگر جب غش سے افاقہ
نہیں ہوا تو میں بہت وحشت زدہ ہو گیا اور ڈوکٹر فرخ میرزا سے میں نے
کہا کہ آپ مرض کو اگر سمجھ گئے ہوں تو کوئی نسخہ لکھئے انھوں نے فوراً
ایک نسخہ لکھا جو بچہ کو دیا گیا آپ حضرات یقین کریں کہ پہلے ہی خوراک میں

دوا پلانے کے دس بارہ منٹ کے بعد بچہ کی آنکھیں کھول دیں گھنٹہ بھر کے بعد ایک اور خوراک دوا کی دوسری خوراک پی کر آدھا گھنٹہ بھی نہیں ہوا ہوگا کہ بچہ ماشاء اللہ اونٹ کھڑا ہوا آج چوتھا روز ہے کہ میرے مکرم دوست نواب مدبر الدولہ بہادر کی صاحبزادی کا علاج بھی ڈاکٹر صاحب نے شروع کیا حسن اتفاق سے نواب صاحب اس وقت شریک ڈنر بھی ہیں وہ میرے کلام کی تصدیق کرینگے کہ اس چار روز میں اس قدر نمایاں فایدہ نظر آرہا ہے کہ خود نواب صاحب کو حیرت ہے کیونکہ نواب صاحب کی صاحبزادی صاحبہ کی علالت کا سلسلہ عرصہ دراز سے جاری ہے اور امراض میں پیچیدگیاں پیدا ہوگئی ہیں بمبئی و مدراس بھی مریضہ کو بھیجا کر معالجہ کروایا گیا بعیوض افاقہ کے روز بروز مرض بڑھتا ہی گیا الحمد للہ ڈاکٹر فرخ میرزا کے چار روز کے علاج نے اس قدر فایدہ دکھایا ہے کہ بہت جلد صحت کامل ہونے کی امید بندھی ہے ان دونوں نشانوں سے ظاہر ہے کہ کس قدر جلد امراض کی تشخیص صحیح طور سے کی گئی۔ پیشہ طبابت میں بڑی چیز تشخیص ہے اور ایک عرصہ دراز کے تجربہ کے بعد یہہ بات طبیب کو حاصل ہوتی ہے مگر میرے نوجوان دوست کی غیر معمولی ذکاوت کا یہہ نتیجہ ہے جو بھی سے اس درجہ خداداد اونکو حاصل ہوئی مجھے امید کامل ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ تھوڑے عرصہ کے بعد دور دور مقامات میں اون کا مثل نہیں ملے گا یہی وجہ تھی کہ میں نے باصرار اون سے کلکتہ چھوڑوایا اور حیدرآباد میں مطب

کھولنے اور طبابت کرنے پر اون کو مجبور کیا تاکہ اس اسلامی ریاست کو ایک گوہر نایاب مسلمان ڈاکٹر سے فائدہ پہونچے۔ ان کے والد مرحوم خدا غریق رحمت کرے نواب فریدون میرزا بہادر میرے بچپنے کے دوست تھے اس لئے مجھے اون سے ایک خاص الفت و دلچسپی ہے۔ ان کی بہبودی و ترقی کو میں عین اپنی ترقی سمجھتا ہوں اور سمجھوں گا۔ میں آپ حضرات سے بھی امید رکھتا ہوں کہ آپ حضرات بھی ان کی اعانت و امداد میں ہرگز دریغ نہ فرمائیں گے۔ چونکہ سردست میرے مکان میں کئی مہمان فروکش ہیں مہمانوں کے لئے جو کمرے مخصوص ہیں عنایت ایزدی سے وہ سب بامو ہیں اس لئے میں نے ان کو بحیثیت اپنے مہمان کے نظام کلب میں اتار رکھا ہے۔ یہ عنقریب کوئی بنگلہ یا کرایہ لے لینگے۔ یہ امر ابھی زیر غور ہے کہ کس محلہ میں جہاں کی صحت بھی درست ہو اور اندرون بلدہ کی آبادی سے دور بھی نہ ہو اون کی سکونت اور ڈسپنسری کے لئے کوئی مکان لیا جائے بہرحال یہ سب تو ہوتا ہی رہے گا اس وقت میں دلی مسرت کے ساتھ ملتجی ہوں کہ آپ حضرات میرے نوجوان ہونہار قابل قدر ڈاکٹر کا جام صحت نوش فرمائیں۔"

جملہ حاضرین نے اپنے اپنے گلاس اپنے منھ سے لگائے اس کے بعد ڈاکٹر فرخ میرزا نے کھڑے ہو کر جملہ حاضرین کا خصوصاً حافظ صاحب کا مختصر و مناسب الفاظ میں شکریہ ادا کیا اس کے بعد جملہ حاضرین ڈائننگ ہال میں سے ڈرائینگ ہال میں داخل ہوئے جہاں ایک بین کار اور

اور ایک مرد دیا اور دو گوے حاضرین کی تفریح طبع کے لئے پہلے سے موجود تھے۔ تھوڑی دیر گانے بجانے کی صحبت رہی۔ اُن گویوں نے خوب خوب اپنے کرتب دکھا کر مہمانوں کو محظوظ کیا۔ بارہ بجے کے قریب صحبت برخاست ہوئی۔

بارھواں باب

فرخ مرزا نے یوں تو کلکتہ سے روانہ ہونے کے وقت ہی اپنی روانگی کی اطلاع افتخار کو دے دی تھی حیدرآباد پہنچکر جو پہلا کام فرخ نے کیا وہ یہہ تھا کہ حیدرآباد مع الخیر پہنچنے کی اطلاع بذریعہ لوکل پوسٹ (ڈاکخانہ مقامی) افتخار کو دی جس کے جواب میں افتخار نے مسرت دلی کا اظہار کیا اور یہہ رائے دی کہ ہفتہ عشرہ گذر جانے کے بعد حافظ عنایت اللہ خاں کے توسط سے نواب حفیظ الدین خاں سے فرخ تعارف پیدا کرے اور اون کے ذریعہ سے افتخار کے والد سلطان مرزا سے ملے اور یہہ چند روز کی آمد و رفت کے بعد نسبت کی تحریک کرے چنانچہ فرخ نے افتخار کے مشورہ کے موافق عمل کیا اور تخمیناً پچیس یا تیس روز میں یہہ کل مراتب و مراحل نہایت آسانی و خوبصورتی سے طے کئے عقد نکاح کا ہونا آیندہ مہینے کی گیارہویں کو قرار پایا تھا۔ اس قرارداد کے چوتھے روز

افتخار نے اپنے ایک خط میں یہہ لکھا کہ اوس کے بڑے بھائی کی نسبت یکایک دلی میں ٹھہری ہے اس لئے ہفتہ عشرہ میں سارے خاندان کا دلی جانا لازمی ہے اور اپنی شادی کی نسبت یہہ تحریر کیا کہ دلی سے واپسی کے بعد ہوگی کیونکہ اس کے بڑے بھائی کی شادی کی تیاری سے کسیکو مہلت نہیں ہے کہ اوس کی شادی کی تیاری میں کوئی مصروف ہو۔ ساتھ ہی اس کے بہت سے کلمے تشفی دہ و اطمینان بخش لکھکر اپنی وفاداری و صادق القولی کا اظہار کیا افتخار کے اس خط نے فرخ کو بیحد پریشان و مضطرب کر دیا۔ نواب حفیظ الدین خاں نے بھی فرخ سے ملکر عقد کے ملتوی ہونے اور اوس کے اسباب کے متعلق گفتگو کی اور فرخ کو اس کا اطمینان دلایا کہ دلی سے واپسی کے بعد خود افتخار سے بھی فرخ کو بہت کچھہ اطمینان دلایا لیکن فرخ کی پریشانی اور اضطراب کی انتہا نہیں فرخ جب سے حیدرآباد آیا ہے حافظ عنایت اللہ خاں کی عنایت و شفقت اس غریب الوطن پر بے غایت ہے۔ عمایدین و اعلیٰ عہدہ دار اوسے اپنے ہمراہ لیجا کر اوس کو ملاتے ہیں اور ہر شخص کے سامنے اوسکی تعریف و توصیف کرتے ہیں اور اوس کی امداد کا وعدہ لیتے ہیں تاکہ فرخ کی پریکٹس بہت جلد فروغ پائے اور وہ حیدرآباد کے قیام سے اکتا نہ جائے۔ نظام کلب میں دو ہفتے قیام کرنیکے بعد متوسط درجہ کا ایک بنگلہ لب سڑک محلہ کنٹہ گوشہ محل میں ماہانہ سترہ روپیہ کرایہ کا فرخ نے

لے لیا ہے جس کو شیخ آدم اینڈ کمپنی سوداگران سکندر آباد کے کارخانہ کے فرنیچر (اسباب خانہ داری) سے آراستہ بھی کیا ہے مگر اب تک ڈسپنسری نہیں کھولی بعض آدمیوں کی رائے ہے کہ محلہ افضل گنج میں ڈسپنسری کھولی جائے بعضوں کی صلاح ہے کہ مکان مسکونہ کے ایک حصہ میں ڈسپنسری بھی رہے تاکہ مردستہ دو مکانوں کے کرایہ اور مصارف سے بچے۔ کچھ تو حافظ صاحب کی خاطر سے اور کچھ فرخ کی خود طرز عمل اور ملنساری کی وجہ سے اس قلیل مدت میں اکثر معاملہ فہم شہر فرخ کے گرویدہ ہو گئے ہیں اور ابتک لوگوں کے ہاں اس کی دعوتیں ہوئی ہیں ان دعوتوں کی وجہ سے علاوہ لطف صحبت کے تبادلہ خیالات بھی ہوتا ہے جو ایک بڑا ذریعہ فرخ کی دلبستگی و دلچسپی کا ہو گیا ہے ورنہ ایک اجنبی مقام میں جن افکار و خیالات میں وہ گرفتار ہے متعرف ہے اوس کا دم گھٹنے لگتا اور اوس کی زندگی دشوار ہو جاتی۔

تیرھواں باب

آیئے ناظرین میں آپ کو کاجی گوڑہ کی سیر کراتا ہوں۔ اہا ہا کیا خوشنما خانہ باغ ہے صفائی ستھرائی نے اور بھی اوس کو دلکش بنا دیا گویا سونے پر سہاگہ دیوانخانہ تو مختصر سا ہے مگر زنانہ مکان اچھا خاصہ وسیع ہے اس میں آرائش کا سامان تو بہت کم نظر آتا ہے لیکن ضروری

اور آسائش کے اسباب نہایت خوش سلیقگی اور قرینے سے سجائے گئے ہیں۔ ناظرین آپ کو یاد ہو نہ ہو پہلے ہی باب میں یہہ مکان میں آپ کو دکھا چکا ہوں مگر اوسوقت شاید گہری نظر سے آپنے نہ دیکھا ہو اس لئے اس دفعہ ذرا غور سے دیدے پھاڑ کر دیکھئے۔ کچھہ معلوم ہوا اس وقت آپ کہاں ہیں یہہ وہی حیات شریف خانساماں کا مکان ہے جسمیں اس ناول کی ہیروین رہتی ہے۔ خوش قسمتی سے اسوقت کوئی سامنے نظر بھی نہیں آرہا ہے۔ آگے بڑھکر ذرا اندر کا حال تو چل کر دیکھئے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ ذرا قدم دبائے ہوئے آئیے ایسا نہ ہو کوئی آہٹ پا جائے۔ پھر تو۔ یا بدستے دیگرے دست بدستے دیگرے کا حساب ہو جائے گا۔ یہہ افتخار کی نشست کا کمرہ معلوم ہوتا ہے ایلیجئے وہ خود موجود بھی ہے پشت کھڑکی کی جانب کئے کرسی پر بیٹھی آہستہ آہستہ کچھہ باتیں کر رہی ہے۔ کرسی سے لگی فرش پر جو عورت بیٹھی ہے وہ عمدہ خانم اوس کی مصاحب ہے۔ بس یہیں ٹھہر جائیے یہاں سے دونوں کی باتیں بخوبی سنائی دیتی ہیں۔

عمدہ خانم۔ واقعی میں جس قدر نہ تم پریشان ہو کم ہے اب اس سفر میں دو مہینے سے کیا کم لگیں گے۔ مگر ڈارس رکھو جس خدا نے یہاں تک سامان غیب سے مہیا کیا ہے ڈاکٹر صاحب سلامتی سے حیدرآباد چلے آئے اور خدا کا شکر ہے نسبت بھی مقرر ہو چکی ہے یہہ دو مہینے خدا نے چاہا تو باتوں میں نکل جائیں گے مجھے حیرت تو اسپر

آتی ہے کہ ادہر ڈاکٹر صاحب کا آنا اور ادہر بڑے میاں کی نسبت کا
لگ جانا اور پھر بیٹی والوں کا اسقدر شدید تقاضا کہ آیندہ مہینے میں
عقد بھی ہو جائے خدا کی شان ہی شان نظر آتی ہے"

افتخار "حقیقت حال یہ ہے کہ جب سے بھائی جان نے انتقال
کیا ہے بڑے بھائی کو بڑی دہشت رہتی ہے ضابطہ بہت ہیں منہ سے
کچھ کہتے نہیں مگر دل ہی دل میں گھٹا کرتے ہیں ابا جان سے اونکی
یہہ حالت دیکھی نہیں جاتی اس لئے قیصر زمانی خالہ کو کئی خط ہم لکھے
اور اون کو جتلایا کہ اگر اپنے بھانجے کی جان کی خیر چاہتی ہو تو جلد کرنا
معقول نسبت ٹھہراو قیصر زمانی خالہ نے یہہ نسبت ٹھہرائی ہے چونکہ لڑکی
کا سن زیادہ ہو گیا ہے اس لئے لڑکی کے والدین چاہتے ہیں کہ جلد عقد
ہو جائے مہینا شعبان کا مبارک ہے اب بڑے بھائی کی خاطر سے
ہم سب کو دلی جانا ضرور ہے تاکہ دولہن والوں کی خواہش کے موافق
اگلے مہینے میں شادی ہو جائے شاید پچیس کو عقد ہونے والا ہے
عرصہ ماہ کا زمانہ بھی مبارک ہوتا ہے سنتے ہیں نسبت بہت اچھی
خاندان اون کا بھلا ایک ہے اس لئے نسب کی تحقیق کرنے کی
ضرورت نہیں ہے لڑکی پڑھی لکھی گن ڈھنگ کی بھی سگھڑ ہے
کمانے کو بھی اللہ نے چار پیسے دیے ہیں حال حالت اونکی ہم سے
کہیں اچھی ہے ایسی نسبت قسمتوں سے ملتی ہے مگر میرا خیال ہے کہ جاتا ہے
ڈاکٹر صاحب کے حیدرآباد آنے کی خبر جب مجھکو ملی تو کیا کہوں کس قدر

خوشی مجھکو ہوئی اتنی ادھر میری نسبت مقرر ہوئی ادھر دلی سے خط آیا
اور ابا جان نے میری شادی وہی کرکے بھائی جان کی شادی کی
تیاری اور سفر کی تیاری کا حکم دے دیا بس میری حالت اس شعر کے
مصداق ہوگئی ؎ سجدہ شکر نہ کی تا شہید
کیسی پھر لو اولٹ گئی تقدیر یا یوں کہوں کہ ؎
یہی تھا خیال ہمیں دمبدم کہ بہار دیکھیں گے اب کے ہم
جو چھٹے اسیر قفس سے ہم تو سنا کہ خزاں کے دن آگئے
عمدہ خانم "تم گھبراتی کیوں ہو میرے خیال میں دو مہینے سے ہرگز زیادہ
عرصہ دلی میں نہ لگے گا۔ یہاں آتے ہی پنجتن پاک کے صدقہ میں تمہاری
شادی ہوجائے گی"
افتخار "تمہارے لئے یہ کہدینا کہ گھبراتی کیوں ہو بہت آسان ہے مگر
جس پر گذرتی ہے وہی جانتا ہے ؎ سوز پروانہ بھلا مرغ سحر کیا جانے
غیر کے دل کی لگی کوئی بشر کیا جانے ؛ تمہیں کیا معلوم کہ میرے دماغ
میں کیا کیا ہوا ہے گزرتے ہیں دلی جانے کے بعد کیا کیا افتادیں پیش
آتی ہیں اس کو خدا ہی جانے۔ اول تو انسان کی زندگی کا کیا بھروسا ہے
بقول شاعر ؎ کیا ٹھکانا ہے زندگانی کا ؛ آدمی بلبلا ہے پانی کا۔
دوسرے یہ کہ انسان حوادث کا کیڑا ہے۔ حوادث کی تبدیلی سے اسکے
دماغ و خیالات حتی کہ مذاق متاثر ہوتا ہے اور نئے حوادث کے لحاظ
سے کاربند ہوتا ہے بعض اوقات مذہب تک بدل دیتا ہے جس چیز کو

بیحد عزیز رکھتا ہے اس سے متنفر ہو جاتا ہے۔ انھیں ڈاکٹر صاحب کو
مثالاً میں پیش کرتی ہوں جن کو اس وقت میری چاہت کا لحاظ ہے
کہ کالے کوسوں صرف میرا خیال انھیں کھینچ لایا ایک عرصہ تک اگر یہ
مجھکو نہ دیکھیں اور میری کیفیت نہ سنیں اور کوئی پریزاد معشوق انکو
مل جائے اور وہ اپنی محبت جتانے لگے پھر کیا مجال کہ کبھی بھولے سے
بھی افتخار اون کو یاد آئے ازین قبیل بہت سی ایسی باتیں ہیں جو اسوقت
میرے دماغ میں جوش زن ہیں۔ نہیں معلوم ہیں ناشاد و نامراد ہی
دنیا سے جانے والی ہوں جو عین وقت پر یہ ڈھیل پڑ گئی (ذرا مسکرا کر)
مجھے خوشی اس کی ہے کہ دنیا سے جاؤں گی بھی تو اس طرح جاؤنگی ؎
چشم گریاں سینہ بریاں شعلہ برجاں میروم ۔ میروم زین شہر اما خوش نباشاں میروم
مگر اتنی نصیحت میری یاد رکھنا ؎ پھلے پھولے چمن میں دفن کر دینا مجھے خانم
کہ ہوں ماری ہوئی ایک نوجواں گبرو کے جوبن کی ۔ سچ پوچھو تو
میرا مرنا مرنے میں داخل نہیں ہے کیونکہ ؎
ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ۔ ثبت است در جریدۂ عالم دوام ما
عمدہ خانم ۔ معاذ اللہ! صاحبزادی یہہ کیا واہیات خیالات
تمہارے دماغ میں سمائے ہیں خدا کے لئے اون کو دور کرو یہ شگون
کی باتیں زبان سے نہ نکالو۔ مزن فال بد کاورد سال بد۔ چار دن
اور تکلیف کے ہیں وہ بھی ہنسی خوشی سے گذر جائیں گے۔ جناب باری
پھر دائمی راحت عطا کرے گا (آنکھوں میں آنسو بھر لاکر) تمہاری باتوں سے

میرے دل کو پاش پاش کر دیا دشمنوں کے کان بھرے خدا مجھ بندی کو
دو دن ..... نہ دیکھا ہے کہ ....."

افتخار "تم نے اس حباب آسا زندگی کو سمجھا کیا ہے صرف سانس
کی آمد و شد کا کھیل ہے دو ہچکیوں میں انسان کا سارا کام تمام ہوتا
ہے ایسی بے ثبات زندگی کو نادانوں نے خدا جانے کیا سمجھ لیا ہے
سب شور و شغف اہل جہاں کا کیا ہے یہ دو روزہ کو نافہموں نے سمجھا کیا ہے۔
تم یہ سچ جانو کہ میں اپنی زندگی کو نہایت کم حقیقت چیز سمجھتی ہوں اور
حضر آخرت کے لئے ہر وقت تیار رہتی ہوں کیونکہ ابھی ابھی جس
لہلہاتے چمن میں پھولوں اور پتیوں سے لدے ہوئے درختوں کے
نیچے کھلکھلا کر ہنس رہے تھے جن کی ڈالیوں پر مرغان خوش الحان
چہکار رہے تھے کسی جانب بیٹھے پی کہاں پی کہاں کا شور مچا کر
عاشق مزاجوں کے شیشۂ دل چور کئے دیتے تھے کسی درخت کی شاخ
پر کوئلیں کو کو کر رہی تھیں کسی جانب بانی کی چادریں چھوٹ رہی تھیں
کہیں سورجھوم جھوم کرنا چتے اور چلاتے تھے ایک طرف دلفریب
معشوقوں کا جھرمٹ تھا کوئی ماہ وش جھولے ڈالکر ملار گاتی تھی یہ سب
چشم زدن میں اُجڑ کر خاک کا پیوند ہوگئی۔ جہاں گل تھے ایک خار بھی
واں نہیں ہے۔ اُجاڑے خزاں نے چمن کیسے کیسے۔ ایک عبرتناک
قطعہ تمہیں سناتی ہوں ؎

چمن کے تخت پر یکدن شگوفہ کا محل تھا۔ ہزاروں بلبلوں کے چہچہے کا شور تھا غل تھا۔

خزاں کی فصل جو آئی تو بولا باغباں رو رو کہاں ہیں ڈھونڈنے جاؤں یہاں کیا گھر چمن کا
گل تھا۔ وہ تاجدار ان گردن کش جو خدائی کا دعوی کرتے تھے جنکے
ایک اشارہ پر ہزاروں سر گردنوں سے اوڑھ جاتے تھے آج کہاں ہیں
قاقم و سنجاب پہننے والے بڑے بڑے ایوانوں اور قصروں میں رہنے
والے جرار فوجیں رکھنے والے کیا ہوئے بقول شوق ؎
اونچے اونچے مکاں تھے جنکے ؛ آج وہ تنگ گور میں ہیں پڑے
و بقول حضرت سعدی ؎ بس نامور بزیر زمین دفن کردہ اند
کز ہستیش بروے زمیں ایک نشان نماند۔ وہ نازنینان پری
جمال جنھیں نزاکت زمین پر قدم نہیں رکھنے دیتی تھی جن کے بستروں پر
گل افشانی ہوتی تھی عطر حنا اور سہاگ کے عطر سے تکیے لسائے جاتے
تھے وہ بھی اس وقت تو وہ خاک کے نیچے فرش زمین پر سو رہے ہیں
اللہ اکبر اصل یہ ہے کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال
والاکرام پھر ایسی زندگی کا کیا بھروسا اور اس سے ڈرنا کیوں اسی
لئے بزرگوں کا قول ہے۔ کار امروز را بفردا مگذار۔ نہیں معلوم دل
سے کب آنا ہوتا ہے اور خدا جانے کیا کیا باتیں اوس وقت تک
پیش آتی ہیں۔ دگرگوں حال ہو جاتا ہے دم بھر میں زمانہ کا۔ مجھے یقین
ہے میں حسرت بھری دنیا سے جاؤں گی۔ ؎
شجر خشک تو ہر سال ہرے ہوتے ہیں ؛ جنکے یہ عمر جوانی تو نہیں آتی ہے
(بقول زوق ؎ ٹھنڈی سانس بھر کر)

ہائے رنج حسرت و بیداد مری ہائے کو بھی لکھتے ہیں ہائے وحشی سے کتابت والے
میں اپنی کیفیت کا اظہار لفظوں میں نہیں کر سکتی اگر گویم مشکل وگر نہ
گویم مشکل ؎ ہمہ اوست در دلیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دارم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد۔
درد ہوتا ہے میرے سینہ میں بیٹھا ہوا ہجر کے پھوڑے میں قیامت کی ٹیک ہوتی ہے
آسمانو تکو نہ کر دے تہ و بالا یہ کہیں آہ عاشق جو رواں ہوئے فلک ہوتی ہے
پھونکدے دم میں نہ یہ آگ میرا جسم تمام ہے اب تپ غم کی میرے دل میں دھک ہوتی ہے
میری اچھی عمدہ خانم بس یہ دعا کرو کہ میرا خاتمہ بخیر ہو۔ میں تو نہیں سمجھتی
کہ اس جہان میں میری کوئی آرزو نکلیگی اور یہ بیل منڈھے چڑھیگی
بقول امانت ؎ ایک ہمیں ہیں کہ گرفتار محبت ہیں سدا
عشق کے نام کو بیٹھے ہوئے کرتے ہیں دعا۔
عمدہ خانم۔ تمہیں میری جان کی قسم للہ ایسی باتیں زبان پر نہ
لاؤ خدا تمہارے سب ارمان نکالیگا تم جگ جگ جیو پھولو پھلو تمہارے
دشمن کے دشمن بھی ناشاد نہیں رہیں گے تم مجھ سے بہتر سمجھتی ہو جو کام
دیر سے ہوتا ہے اچھا ہوتا ہے۔ دیر آید درست آید۔ بس وقت کا
انتظار ہے تمہاری آرزوؤں کے نکلنے کا زمانہ قریب آن پہونچا۔
ذرا دل کو قابو میں رکھو۔
افتخار۔ (ایک آہ سرد بھر کر) کیا کہوں شیشۂ دل میں میرے کیا رکھا ہے
ہائے ارمانوں کا خون اس میں بھرا رکھا ہے۔ بھلا میرے ارمان نکلینگے

مریض لاد واہوں مرض بھی ہے لاد وا اپنا یہ سراپا درد ہوں لیکن نہ چارہ نہ درماں ہے
میری حالت بعینہ اس شعر کی ہے ؎ غم بہ نالہ کشیدن نمی شود آخر بہ
شبم زنیج دمیدن نمی شود آخر۔ انسان بالکل عاجز و بے بس ہے
جو کر مقصود خدا ہے وہی مقسوم میں ہے۔ ایک اور دقت ہیں یہ بھی
ہیں ڈاکٹر صاحب بار بار میری تصویر مانگتے ہیں۔ میں نے اب تک
اپنی تصویر کھنچوائی نہیں بھیجوں تو کیا بھیجوں اور نہ اپنی صورت تصویر
اتروانے کے قابل سمجھتی ہوں اس لئے حیلے حوالے کر کے ٹال رہی ہوں
انھوں نے ہمارے تقاضوں کے مجھے اکسا کر دیا اور آج دھیڑ ڈالا ہے"
عمدہ خانم "سنئے بیبی سے کیوں نہیں تصویر اتروا لیتی ہو اول تو
نواب میں اچھا خاصہ دخل ہے اون کے پاس تصویر کشی کا سامان ہو چکا
ہے۔ کئی دفعہ اپنے ہاتھوں کی اتاری ہوئی تصویریں بھی تمہیں لا کر
دیکھائی تھیں"
افتخار "میں نے ابھی نہیں کہا کہ میں اپنے تئیں اس لائق کبھی
سمجھتی ہوں تم تو ڈاکٹر صاحب کو دیکھ چکی ہو بھلا اون کی صورت کے
مقابلہ میں میری صورت کیا چیز ہے مجھے یہ بھی خدشہ ہے کہ میری صورت
دیکھکر کہیں اون کا خیال جو میری صورت کی نسبت ہے بدل
نہ جائے"
عمدہ خانم "ہاں میں نے ڈاکٹر صاحب کو اچھی طرح دیکھا ایک
میں نے کیا سارے گھر بھر نے دیکھا جس نے دیکھا پسند کیا نام خدا!

عجب صورت ہے ؎ میں نے دیکھا نہیں زمانہ میں ؎
اس متانت کا اس وجاہت کا۔ مگر واری جاؤں میری آنکھوں میں
خاک تم کیا بُری ہو جو تمہاری تصویر اون کو پسند نہ آئے گی ؎
خدا بچائے قیامت کے ہیں تمہارے دن ؎ یہ پیاری پیاری جوانی یہ پیارے پیارے دن
اس اثنا میں محی الدین بی آئی اور اوس نے کہا کہ امیر دولہن صاحب
آپ سے ملنے آئی ہیں چلئے بیگم صاحب یاد فرماتی ہیں۔ افتخار یہہ
سُنکر فوراً اوٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی ماں کے پاس چلی گئی۔

چودھواں باب

ستمبر کے مہینے کی سنائیسویں تاریخ ہے بارش کا موسم ختم ہونیوالا ہے
حیدرآباد میں اس دفعہ جس طرح جاڑے غضب کے بڑے گرمیاں
بھی ستم کی ہوئیں اور بارش بھی قیامت ڈھانے والی ہوئی۔
برسات کا یہہ اخیر زمانہ ہے مگر اپنا نام کر رہا ہے۔ اسوقت شام کے
پانچ بجے ہیں کئی روز کی لگاتار جھڑیوں کے بعد ذرا مینھ تھما ہے
لیکن گھٹا گھنگھور چھائی ہے پہار پڑ رہی ہے اسی وجہ سے
کئی روز سے فرخ نہ کہیں جاسکا نہ اوس کے ملنے والوں میں
سے کوئی آسکا۔ فرخ پھاٹک کے سامنے کے برآمدہ میں ایک قیصر

پہنے ہوئے آرام کرسی پر بیٹھا کوئی کتاب دیکھ رہا ہے ایک گاڑی پھاٹک کے اندر داخل ہوتے دیکھائی دی فرخ اس خیال سے کہ اوس کے نئے ملنے والوں میں سے کوئی آرہا ہے جلدی لپکا ہوا اندر گیا تاکہ ڈریسنگ گون (قسم لبادا) پہنکر آئے چنانچہ دو منٹ میں ڈریسنگ گون پہنکر واپس آیا تو دیکھتا کیا ہے کہ اوس کی آرام کرسی پر جو اس کے اندر جانے کی وجہ سے خالی ہوگئی تھی مسٹر غازی الدین احمد ٹانگیں پھیلائے بیٹھے کچھ گنگنا رہے ہیں جس کو دیکھتے ہی فرخ باغ باغ ہوگیا جیسے خشک دھانوں میں پانی پڑگیا۔ دونوں آپس میں بڑے جوش و خروش کے ساتھ ایک دوسرے کے گلے ملے پھر باتیں شروع ہوئیں۔

فرخ۔ "یہ تو کہو تمہارا حیدرآباد کیونکر آنا ہوا اور کب آئے"

احمد۔ "تمہارے اس بجا بل عارفانہ کے قربان۔ کیا بھولے بنتے ہو۔ جیسے کچھ جانتے ہی نہیں ۵ وہی پوچھتے ہیں کہ کسنے ستایا؟ کہیں کیا کہ کس کے ستائے ہوئے ہیں۔

میرا حیدرآباد دار دہونا جناب ہی کے وعظ و پند کا نتیجہ ہے بقول شخصے۔ اے صبا ایں ہمہ آوردۂ تست۔ تمہارے مشورہ اور ترغیب دینے سے تو میں حیدرآباد آیا اور تمہیں پوچھتے ہو کہ میرا حیدرآباد کیونکر آنا ہوا۔ بڑا سبب تو یہ ہے کہ تم نے کلکتہ چھوڑا اور حیدرآباد آدھمکے میں نے بھی کلکتہ کو خدا حافظ کہا اور اب

تمہارے دم قدم کے ساتھ ہوں جہاں تم وہاں میں میرا تو مقصد تھا کہ تمہارے ساتھ اوسی ٹرین میں آؤں جس میں تم آئے اسی خیال سے تمہاری روانگی کے دو دن پیشتر ہی کلکتہ کو خیرباد کہا تاکہ ایک دن اپنے وطن مالوف نگرنہہ شریف میں قیام کرکے دوسرے دن وہاں سے چلوں اور بیگم پور اسٹیشن سے تمہارے ساتھ ہو جاؤں پھر تو راستہ بھی اس قدر نہ کھلتا اور بڑے لطف سے یہ طویل سفر ختم ہوتا تو یہ کیا لمبا راستہ ہے ٹرین میں بیٹھے بیٹھے ناطقہ بند ہو گیا دم ناک میں آگیا۔

نگرنہہ پہونچکر عجیب عذاب میں مبتلا ہو گیا وہ رگڑے جھگڑے رہے کہ پناہ بخدا عزیزوں میں کوئی بھی اس کا روادار نہ تھا کہ میں حیدرآباد میں پریکٹس کروں خصوصاً میری میم صاحبہ تو بالکل تھے سے اکھڑی ہوئی تھیں نہ منائے منتی نہ سمجھائے سمجھتی تھیں روٹھے دھوئے سے انھیں فرصت نہیں میری سنتا کون دو شب و روز تو الیغیر آب و دانہ کے خدا کی بندی نے گزار دیئے سارا گھر سمجھا رہا تھا مگر وہ جاہلانہ مزاج پایا ہے کہ توبہ ہی بھلی بہزار خرابی میں نے جب بہت سی قسمیں کھا کر وعدہ کیا کہ ایک مہینے میں آن کر لیجاؤں گا تو وہ چپ ہوئیں اور میرا پیچھا چھوٹا ورنہ وہ تو ساتھ آنے پر تلی بیٹھی تھیں جب اون سے خدا خدا کر کے نجات ملی تو والد کا مزاج ناساز ہو گیا سترہ اٹھارہ روز اون کی تیمارداری میں کٹے اس لئے یہ

اس قدر عرصہ ہوا۔ آج صبح کی ٹرین میں حیدرآباد پہونچا تمہاری رائے کے موافق والد کے دوست کے ہاں پٹنہ کے وکیل حسین بخش خاں جو یہاں ایک اعلیٰ عدالتی عہدے پر مامور ہیں مقیم ہو گیا ہوں۔ اگرچہ سے کئی خط والد نے اُن کو لکھے۔ اونہوں نے بھی بہت خجستانہ و مہربانہ جواب دئے اون کی ہدایت کے موافق میں نے ایک تار بھی بوقت روانگی اُن کو دے دیا تھا۔ اسٹیشن پر میرے لینے کے لئے خود بھی آئے اور یہاں کے چند عہدہ داروں کو بھی اپنے ہمراہ لائے تھے۔ یہہ جوڑی اور گاڑی جس پر اینجانب اسوقت تشریف لائے ہیں انہیں کی ہے۔ خان صاحب صبح سے اس قدر خاطر و تواضع میں مصروف ہیں کہ بیان سے باہر میرے خیال میں متعدد متواضع و با اخلاق ہیں۔"

فرخ۔ "خاں صاحب کو سوا آجکے پہلے بھی تمنے کبھی دیکھا تھا؟"

احمد۔ "نہیں۔ دیکھا تو کبھی نہیں تھا البتہ والد سے اون کا نام و ذکر اکثر سنا کرتا تھا کیونکہ میرے یہاں کے مقدمات وہی کرتے تھے۔"

فرخ۔ "پھر یہہ چند گھنٹوں کی ملاقات و شناسائی میں تم نے خانصاحب کو با اخلاق کیونکر مان لیا؟"

احمد۔ "اس لئے کہ جس وقت سے میں نے اُن کے مکان میں قدم رکھا ہے میرے ہر قدم پر آنکھیں بچھا رہے ہیں۔"

فرخ۔ تمہارا یہی مطلب ہے نہ چونکہ اونھوں نے تمھاری آؤ بھگت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اس لئے تم خانصاحب کو با اخلاق سمجھتے ہو تم پر کیا موقوف ہے میں دیکھتا ہوں لفظ اخلاق کے مفہوم کے متعلق علی العموم غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے اگر کوئی شخص دوسرونکو بہت جھک کر خمیدہ ہو کر فرشی سلام کرے اور دست بستہ ہو کر مزاج پرسی کر کے بجا و درست کہتا رہے اور ہر ادنی و اعلی کے اوٹھنے بیٹھنے پر خود بھی اوٹھے بیٹھے یا اپنے مہمان کی خاطر و تواضع کرے خواہ کیسا ہی بدچلن کیوں نہ ہو عام طور سے ایسا شخص بڑا با اخلاق و خلیق مجسم سمجھا جاتا ہے اس میں کلام نہیں کہ یہہ باتیں بھی اخلاق کے سطحی اجزا میں داخل ہیں۔ مگر محض ایسی طرز عمل کے انسان پر اطلاق با اخلاق کا نہیں ہو سکتا ہے اخلاق کے اصلی مفہوم میں تم کو بتلاتا ہوں۔ اخلاق حقیقی تہذیب کا جز لاینفک ہے۔ جب کسی شخص یا قوم میں تہذیب آتی ہے تو اخلاق کا آنا لازمی امر ہے۔ اخلاق کے دو حصے ہیں ایک تو وہ جس کو مذہب سے تعلق ہے دوسرا وہ جس کو معاشرت سے تعلق ہے۔

مذہبی حصہ اخلاق سے مراد نماز و روزہ و حج وغیرہ یعنے اصول دین کی پابندی۔ معاشرتی حصہ اخلاق کا دایرہ بہت وسیع ہے جھوٹ سے پرہیز کرنا دوسروں کے حقوق تلف نہ کرنا کسیکی غیبت نہ کرنا کینہ حسد وعیب جوئی سے پرہیز کرنا خودستائی و خودبینی و خودپسندی سے بچنا

ہر طرح کے ایثار نفسی سے کام لینا۔ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ اور ہمسایہ والوں کے ساتھ حسن سلوک رکھنا حق کے تحفظ کے لئے جان و مال کی قربانی دینا اور خطرات کا مقابلہ کرنا انسان کو با اخلاق بناتا ہے۔ با اخلاق ہونیکے لئے سب سے بڑا جوہر خود کو پہچاننا ہے۔ انگلستان کے مشہور شاعر پوپ کا قول ہے اے ضعیف انسان پہلے اپنے تئیں پہچان اُس کے بعد خدا شناسی کا نام لے ہمارے ہاں کے اہل تصوف حضرات کا بھی یہی مسلک ہے اسلئے انسان کو لازم ہے کہ پہلے اپنے ہی عیوب و نقایص اور کمزوریوں کا ادراک و احساس پیدا کرے اور خود پسندی سے جو بیحد خطرناک مادہ ہے اور بوجہ خلقی مادہ ہونیکے تھوڑا بہت ہر انسان میں موجود ہے بچے۔ اگر انسان اپنی طبعی کمزوریوں پر نظر غایر ڈالیگا تو خود پسندی جو خلقی مادہ ہے خود بخود کم ہوتے ہوتے غایب ہو جائیگا۔ خود پسندی سے بڑھکر انسان کا کوئی دشمن نہیں ہے یہ نفس امارہ سے پیدا ہوتا ہے اسکے زہریلے اثر کے بے گنتی بندگان خدا شکار ہوتے ہیں علی الخصوص ہند کے اکثر امرا زادے جنکو دس پانچ خود غرض پلید خلقت کے مصاحبین ہر وقت گھیرے رہتے ہیں بات بات میں جھوٹی تعریفوں کا پل باندھتے رہتے ہیں۔ امرا زادوں کے ہر نقل کو چاہے کیسا ہی لغو و مہمل کیوں نہو لایق تحسین و آفرین بتا بتا کر یہ امر نقش کالحجر کر دیتے ہیں کہ جو حرکت اُنسے سرزد ہوتی ہے وہ معقولیت سے مملو ہوتی ہے جب مادہ خود پسندی کا زہر اپنا کام کر جاتا ہے تو خود پسند شخص کے دماغ میں ہیجو

من دیگرے نیست کا بالیخولیا پیدا ہو جاتا ہے اور فرعونیت اسقدر بڑھ جاتی ہے کہ خود پسند شخص ہر نخوت و پندار میں ڈوبکر اپنی مٹی تو پلید کرتا ہی ہے دوسروں کے لئے بھی اُسکے حرکات و اعمال باعث منفرت و دشکنی ہوتے ہیں۔ خود پسند شخص کو اگر کوئی شخص از راہ ہمدردی نیک و معقول صلاح دے تو اُسپر وہ ہرگز عمل نہیں کرتا بلکہ نیک صلاح دینیوالیکو اپنا بدخواہ و دشمن سمجھتا ہے اور اپنی بیہودہ رائے کو دنیا بھر کی رائے سے افضل سمجھتا ہے۔ مسلمانون کی قومی تباہی کے جہان اور اسباب ہیں یہ بھی ایک سبب ہے۔ خدا مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ خود پسندی ترک کریں۔ عموماً جیسے جیسے دولت و ثروت و قدرت بڑھتی جاتی ہے مادہ خود پسندی بھی ترقی کرتا ہے ہاں اگر تربیت و تعلیم و صحبت اچھی ہو تو یہ مرض خود کم ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں صاحب اخلاق ہونیکے لئے یہ شرط بھی لازمی ہے کہ انسان اپنے ساتھ عدل کرے یعنے جتنا بھروہ درحقیقت ہے اتنا ہی اپنے تئیں ظاہر کرے جھوٹی شیخیاں نہ بگھارے اور زیٹ کی نہ لے مثلاً کسی کام مین دو ہزار صرف کئے ہیں تو دس ہزار نہ بتلائے جاہل ہے تو ایسی باتیں اور ترکیبیں نکرے کہ جس سے پایا جائے کہ صاحب علم ہے یا ایک معمولی خاندان کا رکن ہے تو اپنی عالیخاندانی نہ جتائے بخیل ہے تو اظہار سخاوت نکرے یا خود ایک مصرعہ بھی موزون نہیں کرسکتا ہے تو دوسروں سے اشعار کھلوا کر اپنا تخلص ڈالکر نہ پڑھے افسوس اسکا ہے کہ اس قسم کے عیوب ہم مسلمانون میں زیادہ تر پائے

جاتے ہیں۔ بااخلاق شخص ہمیشہ نفس کش ہوتا ہے خود غرضی اسکو چھو نہیں جاتی ہے اور اسکا ظاہر و باطن ایک ہوتا ہے نفاق نام کو نہیں ہوتا افسوس اسکا ہے کہ مسلمانوں میں عموماً خود غرضی اور نفاق باہمی کا مادہ بکثرت پایا جاتا ہے یہ ایسے عوارض ہیں جو ہمیں بحیثیت قوم پنپنے نہیں دیتے۔ کہاں تک تمثیلیں دوں مختصر یہ کہ اخلاق چاہتا ہے کہ صاحب اخلاق اپنی عظیم و لاانتہا ذمہ داریوں کا احساس کرے غرض بااخلاق ہونا آسان امر نہیں ہے اور دو چار گھنٹوں کی ملاقات سے کسی شخص کی اصلی حالت ظاہر نہیں ہو سکتی ہے ممکن ہے کہ تمہارے میزبان خانصاحب میں بھی یہ صفتیں ہوں اور وہ بھی بااخلاق شخص ہوں مگر تمہارا فیصلہ مجرد تمہاری خاطر و تواضع کرنیکی بنیاد پر بہت قبل از وقت ہے۔"

احمد۔ "تمہاری گرفت اونٹ کی پکڑ سے کم نہیں ہے۔ اسطرح پنجے جھاڑ کے پیچھے پڑ جاتے ہو کہ خدا ہی تمسے بچا چھوڑائے منطق کے دھرے اوڑا دیتے ہو تم تو ہر چیز کی بال کی کھال کھینچتے ہو مینے تو خانصاحب بیچارہ کو جیسا پایا ویسا کہا۔ میرے حسابوں بااخلاق کے جو معنی ہیں وہی لئے۔"

فرخ۔ "مگر اب اپنے حسابوں کو آپ بدل ڈالئے اور اخلاق کے جو معنی مینے ابھی بتلائے ہیں انکو ذہن نشین کیجئے تاکہ آیندہ کسی کو سوچ سمجھکر بااخلاق کا لقب دیجئے۔ خیر یہ تو سب ہوا یہ تو کہو میرے مکان کا پتہ تمکو کیونکر معلوم ہوا۔"

احمد۔ "یہ بھی کوئی مشکل بات تھی مینے خانصاحب سے تمہاری کیفیت دریافت کی میرا بڑا جی خوش ہوا جبکہ تمہارے ذکر پر انہوں نے تمہاری تعریفوں کا پل

بادہ و یا معلوم ہوتا ہے تمنے اپنی ذکاوت و قابلیت کا سکہ اُس پر بھی جما دیا ہے
جب ہی تو وہ تمھاری خداداد لیاقت و ذہانت کے بڑے معترف ہیں۔ بہرحال
انہوں نے حافظ عنایت اللہ خاں کو رقعہ لکھکر تمھارا پتا دریافت کیا جس کے
جواب میں حافظ جی نے اپنا ایک چپراسی بھیجدیا جو اسوقت میرے ہمراہ میرا
ہمزاد بنا ہوا ہے۔ تمھاری باتوں میں اصل مطلب تو میرا فوت ہی ہوا جاتا ہے
جس دُھن میں تم یہاں تک آئے اُسکا کیا حشر ہوا اپنی معشوق ستم شعار
سے بھی ہم آغوش ہوئے کلیجہ سے لگا کر دل ٹھنڈا کیا"

فرخ "کیوں گنہگار ہوتے ہو تمنے اچھا اندازہ میری معشوق کا کیا۔ ایک
عفت مآب دوشیزہ کی نسبت اس قسم کا خیال فاسد کرنا جو ہتھان بازی کی حد
تک پہنچتا ہے ہرگز لازم نہیں ہے۔ بغیر عقد نکاح کے اس منزل تک پہنچنا
کیونکر ممکن ہے۔ الحمد للہ بڑا مرحلہ قرار داد نسبت کا طے ہو چکا ہے مگر ساعتی
ایک قیامت برپا ہو گئی ہے کیا بتاؤں عجب ضیق میں جان ہے"

احمد "تم بھی عجیب آدمی ہو مینے دل لگی سے تمھارے چھیڑنے کو
ہم آغوشی وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے۔ مگر یہ تو بتاؤ وہ قیامت
کونسی برپا ہو گئی ہے"

فرخ "یہ سب میری گردش تقدیر کا پھیر ہے۔ بھر زمیں کہ رسید ہم
آسمان پیدا۔ جس کی تلاش میں اور جسکے لئے حیدرآباد آیا وہ خود حیدرآباد
سے جا رہا ہے ان کے بھائی کی شادی پر جانے کے لئے سارا
خاندان دلّی جانیکے لئے پابرکاب ہے۔

قسمت تو دیکھئے کہ کہاں ٹوٹی ہی کمند ✣ دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہگیا
یا تو میری شادی ہفتہ عشرہ میں ہونیوالی تھی یا یکدفعہ سامان ہی دوسرا ہوگیا
دلّی سے کوئی خط آیا اور یہ حشر برپا ہوگیا"

احمد۔ (ذرا چونک کر) "یہ تو عجیب خبر تمنے سنائی۔ تو پھر یہ کیوں نہیں کرتے
اُن لوگوں سے کہو کہ پہلے تمھارا عقد نکاح کردیں اُسکے بعد دلّی جائیں"

فرخ۔ "یہ کیونکر ممکن ہے کہ دو چار روز میں ساری تیاریاں ہوجائیں علاوہ ازیں
بہن کا بھائی کی شادی میں شریک ہونا لازم ہے دو روز کی بیاہی دولہن کا
دلّی جانا پھر میرا جانا بھی ضروری امر ہوجائیگا اسمیں بڑے بکھیڑے ہیں اور
اسپر وہ آمادہ بھی نہیں ہیں"

احمد۔ "کیا وہ لوگ امروز فردا میں جانے والے ہیں"

فرخ۔ "ہاں۔ ابتو دو چار روز ہی روانگی کو رہگئے ہیں"

احمد۔ "خیر تو جہاں اسقدر کاہشیں اور صعوبتیں تمنے برداشت کیں تھوڑی
اور سہی میں تو سمجھتا ہوں بہت جلد وہ لوگ واپس آجائینگے"

فرخ۔ "اسکا علم تو خدا ہی کو ہے انسان چاہتا کچھ ہے ہوتا کچھ ہے اگر انکا
ارادہ بھی جلد واپسی کا ہو تو بغیر مرضی معبود ناممکن ہے کہ وہ اپنے ارادہ کو
عمل میں لائیں۔ کلکتہ کی لگی لگائی جمی جمائی پریکٹس پر خاک ڈالکر یہاں آیا
جس مقصد کے لئے آیا وہ معرض التوا میں پڑگیا یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ
واپس چلا جاؤں یا یہیں رہجاؤں بظاہر تو نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن
نہیں معلوم اور کبتک انتظار کی گھڑیاں جھیلنی اور گھڑیاں گننی پڑتی ہیں"

اوچھلتا ہے کلیجہ ڈوبتا ہے دل خدا حافظ + سمندر پیرنا ہے جھیلنا ٹھہرا ہجراں کا

احمد ۔ "حراساں نہو۔ خدا پر بھروسہ رکھو۔ تاخیر کے اسباب منجانب اللہ ہوئے ہیں اسمیں کوئی مصلحت ہوگی قطعہ نظر اسکے یہ تو تم اچھی طرح جانتے ہو ہر ایک کام کے لئے خاص وقت مقرر کیا گیا ہے کُلِّ اَمرٍ مَرھُونٌ بِاَوقاتِھا ۔ بس اب وقت مقررہ کا انتظار ہے ۔ ؎

تا در نہ رسد وعدہ ہر بار کہ ہست + سودے نہ دہد یاری ہر یار کہ ہست

میرے خیال میں ابتو تمھارا یہیں رہنا مناسب ہے ۔ جب تمنے اپنا وطن لکھنو چھوڑا تمہارے لئے کلکتہ جیسا ویسا حیدرآباد وہ بھی پردیس یہ بھی پردیس"

فرخ ۔ "یہ سب دلکو سمجھانے کی باتیں ہیں مگر انسان ہر حال میں مجبور ہے جہاں اسقدر انتظار کیا تھوڑا اور سہی مقبول شخصے جہان مردہ پر سو من مٹی وہاں ایک من اور سہی ۔ اللہ کا نام لیکر یہیں پریکٹس شروع کرتا ہوں جسقدر مقدر میں ہے جہاں رہونگا ملیگا"

احمد ۔ "اسوقت کا کیا پیارا موسم ہے اور کیا سہانا سماں ہے یہ تو کہو وسکی یا برانڈی کچھ تھوڑی بہت ہے"

فرخ ۔ "تمکو تو معلوم ہے اس بارہ میں میں زاہد خشک ہوں اور ٹاکٹر ہوں اس ظالم کی مضرتوں سے واقف ہوں پھر ایسی مضرت بخش چیز کا گذر میرے ہاں کیونکر ہوسکتا ہے"

احمد ۔ "جی ہاں یہ تو معلوم ہے کہ اس مادہ میں تم ہمیشہ کے منحوس ہو بات

یہ ہے کہ میکشی کا مزا تو کیا جانے + ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں۔
ورنہ ساری مضرت وضرت بھول جاتے مگر تمھارے ہاں رہتی تو تھی"
فرخ "کلکتہ کی بات اور تھی تم لوگونکی خاطر سے مجھے رکھنا پڑتی تھی۔
یہاں مجھے اسکی ضرورت نہیں کہ خواہ مخواہ منگا کر رکھوں اور وہ بھی کسکے لئے
جن لوگون سے مجھسے ملنے کا اتفاق ہوا ہے ابھی انسے اسقدر بے تکلفی نہیں
ہوئی ہے کہ جس سے ظاہر ہو کہ اس مخرب اخلاق کا فرکا کوئی عادی بھی ہے
یا نہیں کہو تو تمھارے لئے منگاؤں"
احمد "خاص میرے لئے منگوانیکی ضرورت نہیں مگر کیا افسوس ہو ایسے
موسم میں انسان محروم رہے بقول غالب ؎

غالب چھٹی شراب پہ اب بھی کبھی کبھی + پیتا ہون روز ابر و شب ماہتاب میں
جسنے چھوڑ دی تھی اسکا تو یہ قول تھا یہاں تو بندۂ درگاہ نے چھوڑی نہیں ہے
ایسے ہی موسم میں لطف میکشی ہے دوستو + ننھی ننھی بوندیاں ہیں ہلکا ہلکا ابر ہے
علاوہ اسکے کی فرشتون کی راہ ابر نے بند + جو گنہ کیجئے ثواب ہے آج۔
تم اسکو مخرب اخلاق کہتے ہو اور ایک بڑے حکیم کا خیال اسکی نسبت یہ ہے۔
چیست دانی بادہ گلگوں مصفا جوہرے + عشق را پروردگارے حسن را پیغمبرے
اسیواسطے حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎

بدہ ساقی مئی باقی کہ در جنت نخواہی یافت + کنار آب رکن آباد گلگشت مصلےٰ را۔
فرخ "میں نہ ان خیالات کا پابند نہ انسے متفق ہوں معقولاً ہی نہیں بلکہ
معقولاً ہی اس سے بدتر کوئی چیز نہیں۔ ام الخبائث جب ہی اسکا نام ہے۔

اور شارع علیہ السلام نے بھی اسے حرام بے سبب نہیں کیا ہے"
احمد ۔ "تمنے بھی کہاں کا حرام حلال نکالا ہے ۔"
غذائے روح و مدبادہ رفیق الحق + کہ رنگ بوش زند بوی گل را دق
حلال گشتہ بفتوائے عقل بروانا + حرام گشتہ بفتوائے شرع براحمق
حقیقت حال یہ ہے ؎
مئی کہ بدنام کند اہل خرد را غلط است + بلکہ مئی میشود از صحبت نادان بدنام
فرخ ۔ "تمنے تو اس خانہ خراب کی تعریف میں دریا بہادئے مجھ سے بھی چند بند ایک مسدس کے اس کی مذمت میں سنو"
زہر قاتل کا پیالہ ہے نہیں جام شراب + خودکشی و مفلسی و ضعف ہے انجام شراب
کوئی چھٹا ہی نہیں جس سے دو ہی جام شراب + سخت ناقابل برداشت ہیں آلام شراب
پیکے ہو جاتے ہیں مجنوں جو ہنگام شراب
عقل رکھتا ہی تو لینا نہ کبھی نام شراب
دام دیدے کہ خریدے جو کوئی خود آزار + ہے سمجھ بوجھ پہ اس شخص کے افسوس ہزار
نور سمجھے ہیں جسے وہ تو حقیقت میں ہے نار + آتش می سے نہیں بچتا ہی قلب میخوار
شعلۂ نار جہنم ہے نہیں جام شراب
عقل رکھتا ہی تو لینا نہ کبھی نام شراب
دشمن عقل ہی ہے دشمن جاں دشمن مال + دوستی دشمن جانی سے تو ہوتی ہی محال
قابل رنج و تاسف ہے جو میخوار کا حال + چاہیئے اسکے مضرت کا ہر اک آن خیال
جسنے تباہی نہیں دیکھا کوئی انجام شراب
عقل رکھتا ہی تو لینا نہ کبھی نام شراب

احمد۔ (گھڑی دیکھکر) اُف ہو ساڑھے سات ہو گئے آٹھ بجے خانصاحب کے کہانیکا وقت ہے اب مجھے جانا چاہیئے اُس کی نسبت تم سے پھر کبھی بحث کرلینگے ۔

ابتو جاتے ہیں لو خدا حافظ
پھر ملینگے اگر خدا لایا

(۱۵)

پندرھواں باب

فرخ و غازی الدین احمد کی جس ملاقات کا تذکرہ پچھلے باب میں کیا گیا ہے اُس ملاقات کے پانچویں دن افتخار النساء اپنے والدین اور بھائیوں کے ساتھ دلّی روانہ ہوئی۔ چلتے وقت ایک خط محی الدین بی کی معرفت فرخ کو بھیجا تھا جس میں بعد اظہار اشتیاق ملاقات اپنی مجبوریوں اور معذوریوں کے اسباب لکھکر اپنی وفاداری و ثابت قدمی کا یقین دلایا اور اطمینان بخش و تسکین دہ کلمے نہایت پُرزور الفاظ میں فرخ کی تسلی و تشفی کے لئے لکھے۔ الفاظ کیسے ہی پُرزور ہوں لیکن پُرزور جذبات کے لئے پُرتاثیر بہت کم ہوتے ہیں خصوصاً جبکہ کوئی بلا نصیب اپنے محبوب سے بچھڑ جائے ؎

جُدائی آتش تیز است میسوزد دل جان را خدا ہرگز نصیب کس نسازد داغ ہجران را

جب دل میں تڑپ ہوتی ہے تو سوا دارو ئے وصال کے کوئی دوا کارگر نہیں ہوتی ؎

دل کا کوئی حامی دم بسمل نہیں ہوتا ✦ کمبخت کلیجہ بھی تو شامل نہیں ہوتا

جس دن افتخار کے دلی روانہ ہونیکی خبر فرخ کو ملی بیٹھے بیٹھے یکدفعہ فرخ کو غش آگیا۔ غش سے جب افاقہ ہوا تو زور سے تپ چڑھ آئی اور اس قدر اس کا مزاج بگڑا کہ حافظ عنایت اللہ خاں جو فرخ کی علالت کی خبر سنتے ہی فوراً آگئے تھے بہت متوحش و پریشان ہوگئے حیدرآباد کے چند نامی گرامی ڈاکٹر وں کو طلب کر کے بمشورہ علاج شروع کروایا اور غازی الدین احمد کو فرخ کی علالت کی اطلاع دی۔ وہ بھی افتاں خیزاں فرخ کے مکان پر آیا اور اپنی پریکٹس کے خیال کو بالائے طاق رکھکر شب و روز فرخ کے پاس رہکر تیمارداری میں مصروف ہوگیا۔ ڈاکٹروں نے اس علالت کا سبب کوئی تکلیف یا صدمہ قلبی و دماغی قرار دیا جس کی وجہ سے بیٹھے بیٹھے غش آگیا اور حرارت اسدرجہ بڑھی کہ ٹمپریچر ایکسو پانچ ڈگری ہوگیا۔ تیسرے دن بخار میں ذرہ خفت ہوئی مگر اکیس دن تک تپ نے مفارقت نہیں کی اس طویل ارض مدت میں تپ گھٹتی بڑھتی رہی۔ بخار آنیکے نویں دن ڈاکٹروں نے ٹائپ ہوائیڈ فیور (تپ محرقہ) تشخیص کیا عالم شباب میں خدانکرے ایسی تپ کا سامنا ہو جس سے مریض کی حالت خطرناک ہوجاتی ہے اس قسم کی تپ کی تشخیص بھی آسان ہے اور دوائیں بھی مقررہ ہیں جنھیں ہر ایک ڈاکٹر جانتا ہے لیکن بڑی چیز اس میں تیمارداری ہے۔ ڈاکٹروں نے چاہا تھا کہ دو پیشہ ور نرسیں مقرر کرلی جائیں مگر غازی الدین احمد نے نہ مانا اور خود نرسنگ (تیمارداری) نہایت ہمدردی اور ہوشیاری سے کرتا رہا۔ یہ سچی ہمدردی

اوراس قدرعلم وفہم نرسوں میں کہاں۔غازی الدین ہر روز ڈاکٹروں سے
ہدایات ضبط قلم کرلیا کرتا اور ایک تختہ شبانہ روز کی کیفیت کا مرتب کرتا۔
ٹھرمامیٹرون بھرمیں تین چار بار لگاکر ٹمپریچر معلوم کرکے اسکا اندراج بتعین
اوقات ودرجہ بخار تختہ میں کرتا بدفعات جو دوائیں اور غذائیں دیجاتی
تھیں انکو بھی تختہ میں درج کرکے ڈاکٹروں کو دیکھاتا اور جو کوئی امر دریافت
طلب سمجھتا اسکا ایک نوٹ خانہ کیفیت میں کرلیتا اور ڈاکٹروں سے
دریافت کرتا ان کی نسبت حسب ہدایت معالجین عمل کرتا القصہ نہایت ہمدردی
اور ہوشیاری سے غازی الدین نے تیمارداری کی جس میں وہ اس درجہ
منہمک ہوگیا تھا کہ اپنے وجود کو فراموش کرگیا تھا نہ وقت پر کھانا کھاتا
نہ راتونکو پوری نیند سوتا نہاتا اور کپڑے بدلتا تک اسکے لئے دوبھر ہوگیا تھا
دوستی کا ادعا واظہار بہت آسان ہے لیکن حق دوستی ادا کرنا بہت
مشکل امر ہے یہ ایک بڑا دشوار امتحان ہے جس میں دوست صادق ہی
کامیابی حاصل کرسکتا ہے اور اس زمانہ ناہنجار میں دوست صادق کا
وجود عنقا صفت ہے مگر غازی الدین احمد اپنی شرافت نفسی وطینت کا پورا
ثبوت اس مرحلہ میں دیکر اس امتحان میں کامیاب رہا۔اس میں کلام
نہیں کہ حافظ عنایت اللہ خاں بھی فرخ کی صحت یابی کی تدابیر کی جانب
ہمہ تن مصروف رہے دن بھرمیں دو مرتبہ جو ڈاکٹروں کے آنے کے
اوقات تھے وہ بھی آتے رہے۔چونکہ فرخ خود بھی ڈاکٹر تھا اور ایک
مسافرانہ حیثیت رکھتا تھا بلحاظ آداب پیشہ وبخیال اخلاق ڈاکٹروں نے

مطلق فیس نہیں لی مگر دوا دین اور کیمیکل وار ٹیفشل فوڈس (طبی طریقہ سے ترکیب دادہ اغذیہ) وغیرہ میں جو روپے صرف ہوئے اسکا باتنہا حافظ عنایت اللہ خاں نے اوٹھایا گو بعد حصول صحت فرخ نے بہت اصرار کیا کہ اُس بار کو اپنے اوپر منتقل کرکے حافظ صاحب کو اس سے سبکدوش کردے لیکن حافظ صاحب کی علو ہمتی اسکی مقتضی نہوئی کہ روپے جو انہوں نے صرف کئے تھے واپس لیتے۔ زمانہ علالت میں جس قدر خطوط افتخار نے دلّی سے بھیجے اُسکے جواب غازی الدین سے لکھوا کر فرخ اپنے دستخط ثبت کرکے بھجواتا رہا۔ اسکی علالت کی خبر نے افتخار کو بہت پریشان و مضطر کردیا تھا جیسا کہ اوسکے خطوں سے ظاہر ہوتا تھا۔ گو بخار بائیسویں دن بالکل جاتا رہا لیکن اضمحلال کچھ دنوں تک رہا جب فرخ کی طبیعت بالکل چاق ہوگئی تو پریکٹس کی جانب ذرا متوجہ ہوا اُنہیں دنوں میں ایک شب خواب میں دیکھا کہ فرخ سے افتخار کی شادی ہوگئی ہے دونو خوش بخوش کسی باغ کی روش پر ٹہل رہے ہیں۔ راز و نیاز کی باتیں آپس میں ہو رہی ہیں۔ فرخ کی گردن پر افتخار کا اور افتخار کی گردن پر فرخ کا ہاتھ پڑا ہوا ہے۔ افتخار کے بتلائے ہوئے حلیہ کے موافق جو فرضی اور خیالی فوٹو فرخ نے اپنے دماغ میں قایم کر رکھا تھا بعینہ وہی شکل افتخار کی خواب میں دکھلائی دی۔ صبح کو مضطربانہ حالت میں ایک نامہ تصنیف کیا اور ایک خط میں خواب کا حال لکھکر اس نامہ کو افتخار کے پاس بھیجدیا جس کا جواب ہی کو منتظم نہیں مگر ترکی بہ ترکی اُسنے دیا۔

نامہ

اے طبیب قلوب عاشق زار
اے مسیحائے بیکس و بیمار

اے چمن بند باغ یکتائی
اے نسیم بہار رعنائی

اے سواد ریاض چشم جہان
اے مسیحائے قالب بیجان

اے دُرِ بے بہائے گلزار حسن
اے گُہر خوبی و تلاطم حسن

غنچۂ گلستان صد خوبی
بلبل بوستان محبوبی

آفتاب سپہر حسن و جمال
خوبی وضع میں پری بمثال

نکہت کاکل پری رویاں
عطر رخسارہائے مہرویاں

بعد صد شوق اشتیاق لقا
اب میں لکھتا ہوں روداد لکھا

روز و شب آہ و بیقراری ہے
چشم سے جوئے اشک جاری ہے

رات دن دل کو اضطراب سا ہے
دل محزون کو پیچتاب سا ہے

تیری فرقت میں جان کھوتا ہوں
اشک کے بدلے خون روتا ہوں

بال بکھرے ہوئے ہیں الفت میں
کپڑے میلے ہیں تیری فرقت میں

مضطرب راتدن ہوں میں ناچار
درد و لب اپنے حسب حال اشعار

سدہ نہ کہانیکی ہے نہ پینے کی
رات دن فکر جان دینے کی

مُنہ میں اوڑتی نہیں ہے کھیل اوڑکر
زندگانی ہے غصّہ کھانے پر

بھوک بھی گر لگے تو غم کھاؤں
تشنگی گر ہو اشک پی جاؤں

میں کہاں اور کہاں خود آرائی
بیخودی ہو گئی تماشائی

نرالا رنگ شوق آئینہ کیا
روئے حیران کا معاینہ کیا

اگلی باتیں تمام بھول گئے
شوخی بھی لاکلام بھول گئے

ہر شب غم یہ جوش ماتم ہے
کہ شب عشرۂ محرم ہے

کوئی کہتا ہے جنکا سایہ ہے
یا کہ پریوں کو دیکھنے آیا ہے

کوئی کہتا ہوا ہے خبط اسکو
عقل سے کچھ نہیں ہے ربط اسکو

باؤلا ہوگیا ہے چاہت میں
آگ لگجائے ایسی الفت میں

پھیر ایسا ہے کچھ ستاروں کا
بس ہمارا نہیں ہے کچھ چلتا

جان پامال یاس ہے جوں خاک
سیر مریخ نے کیا ہے ہلاک

ہے وطارد کو اندنوں میں وبال
خط تقدیر مٹ سکے یہ مجال

شب کو مینے یہ خواب دیکھا ہے
آج کی رات کا یہ قصہ ہے

تیری گردن پہ ہے ہمارا ہاتھ
میری گردن پہ تیرا پیارا ہاتھ

روش باغ پر ٹہلتے ہیں
دل کے ارمان مرے نکلتے ہین

دل لگی جو نچلے مذاق ہنسی
باتیں ہوتی رہیں لگاوٹ کی

اتنے میں صبح کا ہوا تڑکا
کھل گئی چشم عاشق شیدا

طبع کا جب سے اور عالم ہے
صرف گریہ یہ دیدۂ نم ہے

نہ طبیعت ٹھہرتی ہے اکدم
زور پر ہے جنون کا عالم

جان دیتا ہون سر کو دھنتا ہوں
تنکے دیوانہ وار چنتا ہوں

سگ گزیدہ کی طرح ہون مضطر
کاٹ کھانیکو دوڑتا ہے گھر

نالہ کے ساتھ دلمیں اوٹھتا ہے درد
آہ کی طرح دست و پا ہیں سرد

کوئی ملنے کی اب کرو تدبیر — آگے جو ہووے خواہش تقدیر
پنج منجھدار میں ہے میری ناؤ — حیدرآباد جلد واپس اؤ
وصل کی گر نکی کوئی تدبیر — مرہی جائے گا زہر کہا کے حقیر
اے حقیر ابتو ختم کر نامہ — لکھ چکا خوب روک لے خامہ

باوجودیکہ افتخار نے وعدہ حتمی کیا تھا کہ دو مہینے میں دلی سے واپس آجائیگی مگر بقول شاعر ؎

ماورچہ خیالیم وفلک درچہ خیال — کاریکہ خدا کرد فلک راچہ مجال

انسان کی خواہش کے موافق سب کام دنیا میں تھوڑا ہی ہوتے ہیں چنانچہ امیرالمومنین حضرت علی ابن ابیطالبؑ نے واجب الوجود کے ثبوت میں فرمایا تھا عرفت ربی بفسخ العزائم مگر انسان بھی عجب ذات بزرگ ہے کہ اس مجبوری وعاجزی پر اس قدر بجز فرعونیت میں غلطان ہے کہ پناہ بخدا۔ اگر بالکل مطلق العنان کردیا جاتا تو شہ زور اور مقتدر اشخاص کمزور وکم قدرت اشخاص کی معلوم نہیں کیا بُری گت بناتے بہرحال افتخار کا غرم وارادہ کچھ کام نہ آیا اور دو مہینے کے عیوض کامل گیارہ مہینے اسکو دلی میں رہجانا پڑا وہ اس طرح سے کہ بہائی کی شادی سے تو اسکو مہینے سوا مہینے میں بالکل فراغت حاصل ہوگئی تھی لیکن اُسکے والدین یکے بعد دیگرے ایسی سنگین علالتوں میں مہینوں مبتلا رہے کہ نقل وحرکت ناممکن ہوگئی تھی اور سفر کرنا تو محالات سے تھا۔ اس طویل عرصہ میں خطوط برابر آتے جاتے رہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ وقت زخمہائے اندمال کرتا ہے جوں جوں زمانہ مفارقت بڑھتا گیا

فرخ کا جوش و خروش فی الجملہ کہٹا گیا اور اوسکے دل کی بیتابی اور تڑپ بھی کم ہوتی گئی - جذبات کے گھٹنے سے عقل صائب پر جو پردے پڑ گئے تھے وہ بھی اوٹھتے گئے اور وہ پریکٹس کی جانب دل و جان متوجہ ہو گیا اُسکی ذہانت و دست شفا کے سارے حیدرآباد میں ڈنکے بجنے لگے اس کا مطب مرجع خاص و عام بنگیا علاوہ اسکے رفاہ عام کے کاموں میں بھی حصہ لینے لگا چونکہ وہ فطرتاً اعلےٰ درجہ کا مقرر واقع ہوا ہے پبلک جلسوں میں اُسکے لکچر اور اسپیچیں نہایت فصیح و پر مغز ہوا کرتی ہیں اب اُسکو ایک سال کامل حیدرآباد میں ہو گیا ہے اسنے بہت سے دوست و احباب بھی پیدا کر لئے ہیں پبلک بھی اُسکی قابلیت و ذہانت خداداد کی معترف و مداح ہے - اُسکے دوست غازی الدین احمد کی بیرسٹری نے بھی اس عرصہ میں شروع پکڑا اُسنے بھی گنڈگوشہ محل میں لب سڑک ایک بڑی سی کوٹھی فرخ کے بنگلہ کے متصل کرایہ پر لیلی ہے اور نہایت کروفر سے رہتا ہے - یوں تو جیسا اوپر بیان کیا گیا ہے افتخار کے پاس سے خیر و عافیت کے اور کچھ دلی کے حالات کے خطوط برابر آتے رہے - دلی سے اخیر خط اسکا گیارہ مہینے چار روز کے بعد جو آیا اسمیں اُسنے یہ لکھا تھا کہ آیندہ ہفتہ کے آخر میں ہم سب لوگ یہاں سے روانہ ہوں گے +

سولھواں باب

اب رات تمام ہو چکی ہے افق میں دھیمی دھیمی سپیدئ صبح نمودار ہے جو تارے جگمگا جگمگا کر اپنی چمک دمک دکھا رہے تھے وہ یکے بعد دیگرے جھلملا جھلملا کر چھپتے جاتے ہیں۔ درختوں کا آپس میں مل مل کر سرگوشیاں کرنا اور پھر تسبیح خواں طیور کا چھکنا اور نواسنجیاں کرنا اور پھر نسیم سحری کے ہلکے ہلکے جھونکوں سے ان کا ایک شاخ پر سے اڑ کر دوسری ڈالی پر بیٹھنا اور نسیم سحری کا اٹھلا اٹھلا کر ہر برگ و گل سے دست و گریباں ہونا عجب لطف دکھا رہا ہے غرض عجب راز و نیاز کا وقت ہے اسوقت کی کیفیت اور سما کا اظہار بالفاظ دیگر میر انیس صاحب علی اللہ مقامہ کے ایک مرثیہ کے ایک بند میں کرتا ہوں۔

بند

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور — دیکھے وہ عرش کرتے ارنی گروہ طیور
پیدا گلوں سے قدرت اللہ کا ظہور — وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طیور
گلشن خجل تھے وادی مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

اسی عالم میں فرخ نے جو کہ حالت استراحت و خواب میں تھا ایک خواب
دیکھا کہ افتخار دلّی سے واپس آگئی ہے اور فرخ اُسکے مکان کے دیوانخانہ
میں جہاں وہ افتخار کے والد سے کئی دفعہ ملا تھا تنہا بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے
میں افتخار اُس دروازہ سے جدہر سے زنانہ مکان میں داخل ہوتے ہیں منہ
پر آنچل ڈالے ہوئے آئی۔ اور فرخ کے برابر ایک کرسی پر جو خالی پڑی تھی
بیٹھ گئی مگر یہ افتخار وہ افتخار نہیں ہے جو اُسکے دل و دماغ میں بس رہی ہے
جو حلیہ اپنا افتخار نے لکھا تھا اُس سے مطلق اسکی صورت مطابقت نہیں
کرتی ہے نہ قلاقند کی سی سفید رنگت ہے نہ بڑی بڑی رسیلی آنکھیں ہیں
نہ مستواں ناک ہے اور نہ کماں نما ابرو ہیں اور نہ دہن ہے غنچہ سوسن نہ اُس
صورت سے ملتی ہے جو پہلے ایکدفعہ خواب میں دیکھی تھی بلکہ بالکل برعکس
اسکے چھوٹی چھوٹی آنکھیں بھدی صورت سیاہ فام بلغمی بدن کی عورت ہے
البتہ لباس کا رنگ گلابی ہے اور وضع بھی لباس کی ملتی جلتی اسی وضع
سے ہے جو افتخار کے خط میں بتلائی گئی ہے۔ گردن نہوڑائے آنکھیں
بند کئے بیٹھی ہے فرخ لاکھ کوششیں کرتا ہے کہ وہ کچھ باتیں کرے مگر وہ
بالکل بُت بنی بیٹھی ہے۔ یہ شکل و شمائل دیکھکر عالم خواب ہی میں فرخ
گھبرا گیا اور اُس کی آنکھیں کھل گئیں اور بیدار ہو گیا پلنگ کے برابر ایک
تپائی پر چھپر رکھتا ہیں اور ایک ٹائم پیس (گھڑی) رکھی تھی اُس نے اُس گھڑی کی
طرف دیکھا تو پانچ بجنے کو دس منٹ تھے اب اوسکو وحشت نے گھیرا بستر پر لیٹے ہی
لیٹے اپنے دل میں کہنے لگا "الٰہی یہ کیسا خواب تھا کیا درحقیقت افتخار ایسی ہی

بدشکل ہے نہیں نہیں ایسی کیوں ہونے لگی خواب کی باتوں کا کیا ٹھکانا ہے
مگر لوگ کہتے ہیں صبح صادق کے وقت کا خواب برابر سچا ہوتا ہے مگر یہ خواب
تو صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے۔ پہلی دفعہ کچھ اور صورت خواب میں دکھائی دی
اسدفعہ کچھ اور (افتخار کے اخیر خط کا خیال کرکے) وہ تو ابھی دلّی سے روانہ ہی
نہیں ہوئی ہیں اور خواب میں دیکھا کہ حیدرآباد واپس آگئی ہیں اسی سے
خواب کی لغویت معلوم ہوتی ہے پھر یوں دعا مانگنے لگا "اے باری تعالےٰ
اے سامع المناجات اے دونوجہاں کے مالک حقیقی اے قاضی الحاجات
اس خواب کو خواب ہی کی حد تک رکھ خدائے پاک صدقہ میں اپنی کبریائی کے
مجھ گنہگار ازلی کی دعا مستجاب کر اور افتخار کی صورت اس دفعہ جو خواب میں
ظاہر ہوئی ہے ویسی نہو۔ اگر خدانکرے کہیں ویسی ہی صورت ہوئی جیسی
خواب میں دیکھی ہے پھر تو میں بے موت مرا اسمیں شک نہیں کہ میں
انہیں کوئی پری چہرہ نہیں سمجھے ہوئے ہوں مگر اس قدر بدہیئت بھی تو نہیں
سمجھتا ہوں" اسی سوچ اور دھن میں وہ اُٹھ بیٹھا اور حوائج ضروری سے
فارغ ہوکر وضو کیا نماز صبح پڑھی جسکا وہ ایک عرصہ سے عادی ہوگیا تھا۔
بعد فراغت نماز تھوڑی دیر تک چمن میں ٹہلتا رہا۔ اسکے بعد مشرق رو برآمدہ
میں آنکر اسی خواب کے ادھیڑبُن میں وحشت زدہ بنا ہوا چہل قدمی
کرنے لگا اتنے میں آفتاب جہانتاب نے گریبان سفیدئ سحر چاک
کرکے اپنا سر نکالا صبحدم روزانہ خاور کہلا ۔ پھر عالمتاب کا منظر کہلا۔
دیکھتے ہی دیکھتے آیا نظر ۔ ایک انگارا آتشین رو سر کہلا

فرخ نے ٹھہر کر آفتاب کے طلوع ہونیکے نظارہ کو بہت غور سے
دیکھنا شروع کیا اور دل میں صانع حقیقی کی قدرت کاملہ کا خیال
کرکے جھومنے لگا اسی وجد کی حالت میں وہ تھا کہ سامنے سے
محی الدین بی نظر آئی جس کو دیکھتے ہی بعوض بیتابانہ خوش ہونے کے
ہکا بکا ہوگیا کچھ عجیب حالت اُسکے قلب و دماغ کی ہوگئی۔ فرخ کو
یہ معلوم تھا کہ محی الدین بی افتخار کے ہمراہ دلّی گئی تھی اب اس خیال
میں ہے کہ کیا واقعی افتخار دلّی سے واپس آگئی جیسا کہ اُسنے خواب
میں دیکھا تھا یا یہ کہ محی الدین بی کو تنہا کسی ضرورت کی وجہ سے اپنے
پیشتر بھیجا یہ اب اپنے دل میں کہہ رہا ہے کہ اللہ کرے ایسا ہی ہو کہ
محی الدین بی تنہا آئی ہو تاکہ اس کا خواب نہ سچا ہو اگر خواب کا یہ حصہ افتخار کا
دلّی سے واپس آجانا صحیح ہوا تو ضرور اوسکی صورت بھی ویسی ہی ہوگی
جو خواب میں نظر آئی۔ اسی حیص و بیص میں فرخ تھا کہ محی الدین بی
قریب آئی اور مسکراتی ہوئی جھک کر سلام کیا۔ فرخ نے سلام کے
جواب میں ہاتھ اوٹھایا مگر کچھ ایسا عالم اُسپر طاری تھا کہ بطور خود ایک لفظ
بھی اُسکے منہ سے نہیں نکلا بالآخر محی الدین بی نے ایک خط دیکر اور یہ
کہکر مُہر خاموشی اُسکی توڑی۔ محی الدین بی "صاحب کا مزاج کیسوں ہے میں
تو ایسا حال کبھی نہیں دیکھی لیجئے مبارک ہو ہم سب کل شام کو حیدرآباد
دلّی سے واپس آئے یہ خط بیگم بادشاہ دے ہیں خیریت خیر صلاح
پوچھے ہیں (ادبی زبان سے زہر مسکرا کر) لائیے میرا انعام دلوائیے ٹیس سے

آتے ہی جلدی جلدی یہ خط لکھ کے میرے کو دے اور بولے محی الدین کو
ابھی جاکر دے آ۔ ڈھونڈھ پڑی سے تو میں اسوقت نکلی گھر بچوں کو
دیکھنے کو جو گئی تو دیر لگ گئی تھکی ہوئی تھی اسلئے گئی اسلئے صبح اٹھتے ہی
بھاگتی ہوئی آپ کے آئی ہوں میں بڑی بیگم صاحب سے پروانگی لیکر
اور بولکر آئی تھی کہ گھر جاتی ہوں صبحکو آؤنگی آپ اپنے خط میں اس کا
حال لکھو کہ میں آج بھیجکو خط لائی بیگم بادشاہ ہمسے خفا ہو جائینگے
وہ بولے تھے کہ خط ابھی جاکر دے آ پھر گھر جانا"

فرخ۔ (خط لیکر باندھتے ہوئے) یہاں میرا مزاج دو چار روز سے خراب ہے
اگر اپنی بیگم بادشاہ سے اسکا ذکر نہ کرنا۔ تو کہو تم سب اچھی طرح
رہیں دل تمکو پسند آئی یہ کہکر اٹھنے خیط پڑھا۔

خط

کاچی گوڑہ

"میرے نینوں کا تارا جگ جگ جیو روز روشن وقت شام

بافضال خدا ہم سب بعافیت تمام ابھی حیدرآباد پہنچے
مینے دلی سے جو اخیر خط بھیجا تھا اس میں یہ لکھا تھا کہ آیندہ ہفتہ کے
آخر میں دلی سے روانہ ہونگے لیکن یہ آپکے جذبات و کشش کا سبب تھا
کہ کہیں پیشتر لینے خط بھیجنے کے دوسرے ہی دن دلی کو خیرباد کہا اصل
سبب یہ ہوا اماں جان ذرا وہمی مزاج کی آدمی ہیں تاریخوں کے سعد و نحس کا
بہت خیال کرتی ہیں کئی تاریخیں مسلسل نحس تھیں اور بعض ان میں سے

نخس اکبر اسلئے یہ تفرقہ پڑا۔
اب میں آپ کے اختیار میں ہوں۔ ماہ رواں رجب ہے اسکے بعد شعبان پھر ماہ مبارک رمضان ہے یہ تینوں مہینے مسعود و مبارک ہیں آپا جان راستہ میں آپا جان سے فرماتے تھے کہ ان تین مہینوں میں سے جب وہ (یعنے آپ) چاہیں عقد کر سکتے ہیں۔ البتہ پندرہ بیس دن تو تیاری سامان شادی میں ضرور صرف ہونگے۔ ہم غریبوں کی تیاری کیا ہے گو آپ کے لائق نہ سہی ہماری حالت موجودہ کے موافق بھی تو کچھ کرنا ضرور ہے اس کی درستی و تیاری میں پندرہ بیس روز صرف ہونگے۔ ابھی دو چار روز تو احباب سفر میں ساتھ آئے ہیں اور جہان تہاں یہاں مقفل پڑے ہیں انکے رکھنے رکھانے میں اور تکان سفر کے مٹنے میں لگ جائینگے۔ وسط شعبان میں کوئی تاریخ فریقین کے اتفاق سے منتخب و مقرر کیجائے آئندہ اختیار بدست مختار و مرضی مولا از ہمہ اولے۔ آپا جان کے سلام کو دو ایک روز میں ضرور آئے غالباً کل اپنی واپسی کی اطلاع وہ خود ہی دینگے۔ اطلاع آنیکے بعد آئے۔ لیجئے میں لکھ چکی اسوقت بہت تھکی ہوئی ہوں سفر وغیرہ کی حالات انشاء اللہ دوسرے خط میں لکھوں گی خدا حافظ امام ضامن نگہبان۔

آپکی افتخار"

اس خط کو پڑھکر ایک کرسی پر جو وہیں قریب تھی سرخ بیٹھ گیا اور چاہتا ہے کہ کچھ منہ سے بولے مگر اُس کی سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا بولے آخر بناوٹ کی

مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

فرخ۔ "واہ محی الدین بی تمہارا کیا کہنا۔ بیشک تمنے انعام کے لائق کام کیا جو آنکے حیدرآباد آنیکی خوشخبری سنائی" یہ کہکر کمرہ کے اندر گیا اور پانچ روپے لیکر آیا محی الدین بی کے ہاتھ میں دیکر بولا۔

فرخ۔ "لو یہ تمہارا مختصر سا انعام ہے اس خط کا جواب کل شام کو بذریعہ ڈاک بھیجدونگا (پھر کچھ سوچکر) اچھا تمہیں ذری تکلیف کرنا کل پانچ یا چھ بجے آؤ تو بقیہ انعام بھی دوں گا اور خط کا جواب بھی دونگا"

محی الدین بی (روپے ہاتھ میں لیکر اور سلام کرکے) واہ صاحب اتنے دن کے بعد پانچ ہی روپے انعام عید کا بلکہ عید کا انعام سب آپ کے جمع ہے"

فرخ۔ "ہمنے کہا نہ کہ بقیہ انعام کل دوں گا۔ جواب تمسے طلب کریں تو کہدینا کہ کل دیا جائے گا"

محی الدین بی سلام کرکے چلی گئی۔ فرخ چائے اور ناشتہ سے فارغ ہوکر ٹہلتا ہوا پدر غازی الدین کے ہاں گیا۔ وہ اپنے آفس کے کمرہ میں بیٹھا تھا چند موکل اہل مقدمہ بھی بیٹھے ہوئے کاغذات دیکھ رہے تھے فرخ کو دیکھکر غازی الدین متحیرانہ لہجہ میں گویا ہوا۔

احمد۔ "خیر باشد اس قدر سویرے کیوں سواری آئی کیا کوئی خاص ضرورت لائی ہے"

فرخ۔ (جس کے چہرہ سے وحشت اور گھبراہٹ برس رہی تھی) "ہاں خیر ہی ہے

اگر ہرج نہو تو ذرا ادہر آؤ۔ دونو ڈرائینگ روم میں چلے گئے اور وہاں ایک سوفے پر دونوں بیٹھکر یہ باتیں کرنے لگے۔

فرخ ۔ میں کیا بتاؤں کہ کس الجھن میں اسوقت تمھارے پاس آیا ہوں یہ تمھارا جو خط افتخار کا آیا تھا مینے تمہیں دکھایا تھا جس میں یہ لکھا تھا کہ آیندہ ہفتہ کے آخر میں دلّی سے روانہ ہونگے۔

احمد ۔ (بات کاٹ کر اور گھبرا کر) ہاں تو کیا خدانکرے کوئی خبر بدکا تار بھی دلّی سے آیا ہے"

فرخ ۔ نہیں۔ گھبراؤ نہیں سنتے جاؤ تو اس خط کے لحاظ سے آج تو انہیں دلّی میں رہنا تھا۔ مینے ایک عجیب خواب آج پچھلے پھر کو دیکھا وہ یہ کہ افتخار دلّی سے آگئے ہیں اور وہ میرے سامنے بیٹھی ہیں شرمائی جاتی ہیں میں لاکھ چھیڑتا ہوں کہ منہ سے کچھ بولیں مگر وہاں ایک چپ ہزار چپ خیر بہانگ تو مضایقہ نہیں مگر افتخار کی صورت جو خواب میں دیکھی وہ نہایت ہی بدشکل تھی جسکو دیکھکر میں بحالت خواب بہت پریشان و متفکر ہوا۔ اتنے میں میری آنکھیں کھل گئیں اب لطف دیکھو کہ اس خواب کے دیکھنے کے دو گھنٹہ کے بعد محی الدین بی آئی۔ (افتخار کا خط جیب میں سے نکالکر اور احمد کے ہاتھ میں دیکر) اور یہ خط لاکر دیا اور زبانی بھی کہا کہ کل شام کو ہم سب حیدرآباد پہنچے اب یہ بتاؤ کہ یہ کیا ماجرا ہے"

احمد ۔ یہ کوئی حیران ہونیکی بات نہیں ہے بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ روحانی تعلقات کی وجہ سے خواب میں وہ باتیں جو وقوع میں آنیوالی ہوتی ہیں

دکھائی دیتی ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تم دونوں میں کس قدر گھر التعلق ہے"

فرخ "اجی گھر سے تعلق کو تو ایک طرف رہنے دو تم میرا مطلب بھی سمجھے جس طرح سے ایک حصہ خواب کا دلّی سے حیدرآباد واپس آنا صحیح نکلا کہیں دوسرا حصہ بھی صحیح نہ ہو یعنے جیسی شکل افتخار کی اس دفعہ کے خواب میں دکھائی دی ہے ویسی ہو پہلی دفعہ جو خواب میں صورت افتخار کی دیکھی تھی وہ اور ہی کچھ تھی اور آج مجھکو جو دیکھی وہ تو ایسی ہی ہے کہ ایسی صورت کے ہاتھ کا کوئی کھٹا پیرنہ کہائے اسوقت بھی میری آنکھوں میں پھر رہی ہے اگر درحقیقت ویسی ہی شکل ہے تو بچہ بڑا مغالطہ ہوا بلکہ سخت دھوکا دیا گیا تمنے تو وہ خط بھی پڑھا ہے جس میں اپنا حلیہ لکھا ہے عجب مشکل میں ہوں کیونکر صورت کی حالت متحقق ہو"

احمد "پریشان کیوں ہوتے ہو خواب کی باتوں پر اسقدر وثوق و اعتبار کیوں کرتے ہو ایک حصہ اگر صحیح نکلا تو کچھ لازم نہیں ہے کہ سارا خواب صحیح ہو تمنے جو تصویر منگوائی تھی وہ آئی"

فرخ "اگر تصویر آجاتی تو پھر کیا بات تھی یعنے تقریباً ہر خط میں تصویر طلب کی مگر وہ برابر ٹالتی رہیں"

احمد "تمھاری حالت تو قبل از مرگ واویلا یا بے آب موزہ کشیدن کی ہے جب تک تحقیق نہ ہو اسقدر گھبراہٹ فضول ہے تصویر سے تو ہاتھ دھو رکھو کوئی سبیل انکے دیکھنے کی نکالو"

ترا دیدہ و یوسف را شنیدہ ✤ شنیدہ کے بود مانند دیدہ

فرخ ۔۔ دیکھنے کے متعلق مینے کنایتہً ایک خط میں خواہش ظاہر کی تھی جسکا جواب بہت برافروختگی کے ساتھ دیا اور دو چار لفظ ایسے جواب میں لکھے کہ مجھے خود منفعل ہونا پڑا"۔

احمد ۔۔ "میرے خیال میں ایک بات آئی ہے وہ یہ کہ محی الدین بی کو اچھی طرح انعام واکرام دیکر اس سے اس بارہ میں مدد لو ممکن ہے کہ وہ کسی ڈھب سے انکو دیکھا سکے پیسہ وہ چیز ہے بقول شخصے "زبر سر فولاد نہی نرم شود" ؎

اے زر تو خدائی ولیکن بخدا ✣ ستار عیوب وقاضی الحاجاتی

فرخ ۔۔ تو یہی صلاح ٹھیک ہے کل شام کو خط کا جواب لینے اُسے بلایا ہے اسکو چھیڑ کر دیکھتا ہوں۔ اب میں رخصت۔ تم بھی جاؤ اپنا کام کرو۔ تمہارے موکل تمہارا انتظار کر رہے ہونگے"۔

اسکے بعد فرخ اپنے گھر آیا اسکی طبیعت ذری ہلکی اس خیال سے ہوئی کہ رفع شک کی ایک صورت نکل آئی مگر رہ رہ کر اقسام کے خیالات اسکو پریشان کر رہے ہیں اسکو اسمیں بھی شبہہ ہوتا ہے کہ شاید محی الدین بی افتخار کو دکھلانے پر رضامند نہوا اور اگر راضی ہو بھی گئی اور افتخار کہیں ویسی بدشکل نکلی جیسی صورت کہ خواب میں دکھائی دی تھی پھر تو بڑا غضب ہو جائیگا غرض انہیں الجھنوں میں اسنے ساراون ساری رات اور دوسرا دن کاٹا ایسی پریشانی میں محی الدین بی کو دینے کے لئے افتخار کے خط کا جواب تھی دوسرا دن لکھکر رکھ چھوڑا۔ دوسرے روز افتخار کے والد نے دلّی کی تھوڑی سی مٹھائیاں تحفتہً بھیجیں اور اسی پیلیہ میں دلّی سے واپس آنیکی اطلاع دی ✣

(۱۷)

سترھواں باب

اُسوقت رات کے آٹھ بجے ہیں قمری مہینے کی چھبیسویں تاریخ ہے ماہتاب کا نظر افروز جلوہ نظروں سے غایب ہے شب کی تاریکی کسی کافر ادا کی زلف مشکیں کی سیاہی کی داد دے رہی ہے۔ موسم بارش کی وجہ سے ستاروں کے منور چہرے گرد و غبار کے غازہ سے پاک و صاف ہیں جنکی جگمگاہٹ راہگیروں کی رہنمائی کر رہی ہے اسی عالم میں فرخ چمن کے بیچ کے چبوترہ پر ایک آرام کرسی پر تنہا بیٹھا ہوا کچھ سوچ رہا ہے کبھی آپ ہی آپ باآواز بلند کچھ کہہ بھی اوٹھتا ہے کبھی ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھی بھرتا ہے اسکو اسوقت انتشار اور کسی کا انتظار ہے مگر جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے اسکی بیقراری بڑھتی جاتی ہے انتظار کیسا ہی ہو اور کسیکا ہو ہمیشہ کھلنے والا ہوتا ہے اتنے میں اسکے اردلی چپراسی نے آنکر کہا کہ محی الدین بی حاضر ہے اتنا سُننا تھا کہ انتشار و انتظار کی حالت مبدل بہ تسکین ہوگئی بیتابانہ طور سے بول اٹھا اوسکو میرے پاس بھیجو"

محی الدین بی (بہت جھکر سلام کرنیکے بعد) صاحب معاف کرو میرے کو آنے میں

بڑی ور لگی میں چاہتی تھی بیگی آؤں بیگم بادشاہ نمبج سے اپنے پھولپال کرنے
ملنے کو گئے تھے وہ بیچا ہی نہیں چھوڑتے تھے اوے اب اللہ اللہ کر کے آئے
وے تو جھٹ بیگم بادشاہ کو ڈیوڑی میں چھوڑ کے میں ادھر نکلی بیگم بادشاہ
سلام کہے ہیں اور مزاج کی حال پوچھے ہیں خط کا جواب مانگتے ہیں۔"

فرخ "کل کے خط کا جواب تو آج چار بجے سے لکھا رکھا ہے تمھارے
انتظار میں وہ بھی تمکو یاد کر رہا ہے اور میری آنکھیں بھی تمہیں کو ڈھونڈھ رہی
تھیں بارے تم آگئیں۔ میں تم سے ایک بات کہا چاہتا ہوں مانو تو کہوں
میں تمھیں بہت سا انعام دونگا۔"

محی الدین بی۔ "جس کے منہ میں انعام کا نام سنتے ہی پانی بھر آیا آپ انعام
دینے والے سو اسو برس جیو میرے کئے سری کی کوئی بات ہے تو کرونگی۔"

فرخ "بیشک وہ بات تمھارے کرنیکے قابل ہے اور تمھارے
کئے ممکن ہے۔ ایک طرح سے تم قول ہار چکی ہو اب ہٹنا نہیں وہ بات یہ ہے
کہ اپنی بیگم بادشاہ کو کسی طرح ایک نظر مجھے دکھا دو۔"

محی الدین بی۔ (ذرا چونک کر) "آبا! میں کیسے آپکے سامنے انکو کرونگی میرے
سر میں ایک بال بھی بڑی بیگم صاحب رہنے دینگے۔ یہ تو میرے سے نہیں ہوسکیگا۔"

فرخ "یہ میں کب کہتا ہوں کہ بیگم بادشاہ کو میرے سامنے کرو میری غرض
یہ ہے کہ کوئی ایسی ترکیب نکالو کہ وہ مجھے نہ دیکھیں اور میں انہیں دیکھ لوں۔
پچاس روپے انعام اس صلہ میں تمکو دونگا۔"

محی الدین بی۔ "ہاں یہ تو ہوسکنے کی بات ہے۔ سرکار اور بیگم صاحب دلی میں

بہت بیمار ہوگئے تھے تو میں مشکل کشا کی نیاز مانی تھی۔ آپ جو روپے دینگے
اس میں سے پچیس روپے کی جلابیاں منگا کر رجب کا مہینا بھی ہے
کونڈے بھرونگی (کچھ سوچکر) آپ روپے نہ بھی دیتے تو میں اپنے
پاس سے کرنے کو تھی جب تھوڑا کرتی اب بہت کروں گی بیگم بادشاہ کے
ہاتھ پاؤں پڑ کے اپنے گھر لاؤنگی کہ آپ ہی نیاز دیدو یہ بات جمنے کی ہے
آپ کو پہلے سے آکے لیجاؤنگی جو حجرہ میں بٹھادوں اس میں سے دیکھ لو
پن خدا کے لئے سامنے نکو آجاؤ۔ یہ تو بولے بیگم بادشاہ کو دیکھکر کیا کروگے"
فرخ "بس یہی میرا مطلب ہے۔ واہ کیا ٹھکانے کی سوجھی ہے۔
پچیس روپے تو ابھی لیلو اور نذر و نیاز کا سامان کرو بقیہ پچیس دیکھ لینے کے
بعد دوں گا۔ انہیں دیکھ لینے سے میرا مطلب کیا ہے پھر کہونگا" یہ کہکر
فرخ کمرہ کے اندر گیا اور پچیس روپے اور خط کا جواب لاکر محی الدین بی کو دیا۔
روپے ہاتھ میں لیکر اسنے سلام کیا اور کہا کہ چار پانچ روز کے بعد آپ کو
بلا بھیجوں گی۔ پھر سلام کر کے خوش خوش چلی گئی۔ اس واقعہ کے دوسرے
دن فرخ افتخار کے والد کے ہاں گیا شادی کی مبارکباد دی زنانہ میں بھی
بندگی اور مبارکباد کہلا بھیجی ادھر اودھر کی باتیں کر کے واپس چلا آیا۔ پانچویں
روز محی الدین بی بعد نماز مغرب آئی ایک جھٹکہ میں چادر و نطرف سے پردے
ڈالکر فرخ کو اپنے گھر لیگئی جو افتخار کے مکان کے قریب تھا۔ فرخ اپنی
گاڑی پر اسلئے نہیں گیا کہ کہیں محلہ والوں کی نظریں نہ پڑیں اور بات کھل
نہ جائے۔ محی الدین بی نے فرخ کو اپنے گھر لیجاکر ایک کوٹھری میں بٹھادیا اور

کوٹھری کے دروازے میں باہر سے قفل ڈال دیا۔ اسی کوٹھری کے سامنے ایک چھوٹا سا دالان تھا وہاں اُجلا فرش کر کے ایک دسترخوان بچھایا اسپر چند کونڈوں میں دو پیسے روپے کی جلیبیاں بھر دیں دو شمعدان جو افتخار کے ہاں سے مستعار لائی تھی اُنمیں موم بتیاں روشن کر دیں کونڈوں کے چاروں طرف چنبیلی کا ساگ چھڑک دیا ایک گلی لوبان دان رکھدیا ایک طرف کو ایک قالین جو افتخار کے ہاں سے لائی تھی بچھادیا اُسپر ایک گاؤتکیہ رکھا اسکے بعد افتخار کے ہاں گئی ایک شکرام پر افتخار کو مع عمدہ خانم لائی۔ افتخار جونہی شکرام سے اتر کر محی الدین بی کے مکان کے چھوٹے سے صحن میں داخل ہوئی کہ محی الدین بی نے چٹ چٹ بلائیں لیکر بہت سی دعائیں دیں۔

افتخار کو قالین پر لیجاکر بٹھایا۔ چونکہ پہلی دفعہ اس مکان میں آئی تھی افتخار ذری دیر بیٹھکر اُٹھ کھڑی ہوئی تمام پھر کر دیکھا جس کوٹھری میں فرخ بند تھا اسکو بھی دیکھنا چاہا۔ محی الدین بی نے یہ کہکر ٹالدیا کہ ٹوٹا پھوٹا لکڑی کا اسباب بند ہے اور کنجی اسکی شوہر کے پاس ہے جو نوکری سے ابھی واپس نہیں آیا۔ محی الدین بی نے جو بات بنائی تھی افتخار اُسے سچ سمجھی محلہ والوں کا کچھ حال پوچھکر یہ دریافت کیا کہ تمنے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو مدعو نہیں کیا اسقدر جلیبیاں کون کھائیگا جس کا جواب محی الدین بی نے یہ دیا کہ تھوڑے سے عزیز ہیں وہ بھی گاؤں میں ہیں آپکے جانے کے بعد محلہ کی عورتوں کو بلاکر نذر کی جلیبیاں کھلاؤنگی۔ افتخار نے پانی منگاکر وضو کیا نذری دو چار جلیبیاں افتخار نے اور عمدہ خانم نے کھائیں اور دونو حضرت ہمیشہ

محی الدین بی پہنچانے گئی۔ فرح مقفل حجرہ میں سے باتیں بھی سنتا رہا اور اسکے دروازہ کے سوراخوں میں سے افتخار کو بھی اچھی طرح دیکھا اور قریب قریب وہی صورت دیکھی جو اخیر دفعہ کے خواب میں دیکھی تھی اب فرح کی یہ حالت ہوگئی کہ کاٹو تو خون کا ایک قطرہ بھی اس کے جسم سے نام کو نہ نکلے۔ محی الدین بی نے واپس آکر قفل کھول کر فرح کو باہر نکالا وہ جلدی سے اسی جھٹکے میں سوار ہوکر اپنے گھر آیا وہ رات اسنے بہت بیچینی سے کاٹی۔ صبح ہوتے ہی غازی الدین احمد کے پاس گیا اور شب گزشتہ کی ساری کیفیت دوہرائی جس کو سنکر غازی الدین سر پر ہاتھ رکھکر تھوڑی دیر تو بالکل خاموش رہا پھر بولا

غازی الدین احمد:۔ واقعی تمکو بڑا چکما دیا گیا مگر تم سے بھی بڑی بیوقوفی ہوئی جب تمکو اپنی طبیعت کی حالت معلوم تھی کہ بدشکل عورت سے نباہ ناممکن ہے یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ حسن پرستی کا مادہ تمھارے اب وگل میں ہے۔ اسیوجہ سے کلکتہ میں جب تم ایف اے کلاس میں پڑھتے تھے کئی پیغام لکھپتیوں کے ماں سے آئے اور تمنے قبول نہیں کئے ورنہ انگلستان جانیکے پیشتر ہی تمھاری شادی ہوگئی ہوتی۔ یہ نہ سمجھے کہ دور کے ڈھول سہاؤں ہیں بغیر ہر طرح کا اطمینان کلی کئے ناحق کلکتہ تمنے چھوڑا۔ وہاں ابتدائی حالت تمھاری کس قدر امیدافزا تھی"۔

فرخ:۔ بیشک مجھسے کچھ غلطی یا بیوقوفی کہو ضرور ہوئی۔ کیا بتاؤں میری سمجھ کی آنکھوں پر کیوں پردہ پڑگیا تھا مگر تمنے تو لفظ لفظ اُس خط کا مضمون پڑھا ہے جس میں اپنی صورت وقامت ووضع وترکیب وغیرہ افتخار نے

لکھی ہے اب میں مسورت کا اطمینان اور کس طرح کرتا۔ علاوہ اسکے میں کچھ ایسا
بیخود ہو گیا تھا یا مجھ پر کچھ ایسی نگاہ تھی کہ کچھ بتا نہ سکا نہ بنی میری حالت بعینہ
اس شعر کی تھی ؎

جذب دل از لب گویا نہ گیرد ہیہات ۔ نبض کے رکھتا مسورت تصویر تھا

مکانہ کی امید افزا حالات کا خیال زد پر لیجیے میں جھوٹ کر جن دقتوں کا مجھے اوقت
سامنا ہے وہ اور باتیں ہیں۔ میری ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ دو سال
جو جو خیالی پلاؤ پکائے تھے ان میں راغ لگ گیا میرے دل و دماغ
میں جو خیالات تھے وہ خواب ہو گئے ساری تمناؤں کا خون ہو گیا سارے
منصوبے خاک میں ملگئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو اپنے قلعے تعمیر کئے تھے
جنکو باد فنا کے ایک جھونکے نے ڈھا کر مسمار کر دیا عجب کشمکش دیکھیے میں
ہوں میری تو حالت بعینہ اس مثل کے مصداق ہے سانپ کے حلق میں
چھچھوندر نہ اگل سکتا ہے نہ نگل سکتا ہے۔"

احمد۔ "اَلْاِنْسَانُ مُرَکَّبٌ مِنَ الْخَطَاءِ وَالنِّسْیَانِ" غلطی انسان ہی سے
ہوتی ہے اس معاملہ میں تمسے چوک ہو گئی۔ جو تمسے اچھی طرح واقف ہے تمہاری
فہم و ادراک کا قائل ہے تم ہر بات کے ہر پہلو کو غور و تعمق کے ساتھ دیکھتے ہو
مگر نہ معلوم اس معاملہ میں تمہیں کیا ہو گیا تھا اب سوا اسکے کوئی چارہ نہیں ہے
کہ نسبت توڑ ڈالو چند دنوں کی تکلیف عمر بھر کی تکلیف سے بہتر ہے۔"

فرخ۔ "ہائے کیا جملہ تمنے کہا کہ نسبت توڑ ڈالو ایک نشتر میرے
دل میں لگایا۔ افتخار کو خدا جانے میں کیا سمجھے ہوا تھا۔ تمام خوبیوں کے

عطروں کا مجموعہ۔ ساری نکسوں کا لب لباب شوخی وطبعتداری کا ذخیرہ ذہانت وذکاوت کی پتلی۔ گو حسن کی دیوی نہ سہی مگر جلیہ کے لحاظ سے خوبرو معشوق تو ضرور سمجھے ہوئے تھا اسپر سے اپنا عاشق و فدای اسلئے تمام جہان کی عورتوں کے لئے مایۂ افتخار۔ دو برس سے جس درخت کو خون دل سے سینچکر قریب بار آور ہونیکے کیا اپنے ہاتھوں سے اسکی جڑ کٹنی کی جاسکیگی۔ علاوہ اسکے افتخار کے غرنروں کی نظروں میں ذلیل وخوار ہو جاؤنگا اور رخصار کی طرح پھیکا پڑ جاؤنگا۔ خود افتخار کا کیا حال ہوگا جس کے لئے میں اس شعر کا مصداق بنا ہوا تھا ؎

مرچکے ہوتے غم ہجر میں کہیں اب تک + اسکے ملنے کی تمنا نے جلا رکھا تھا

اب اسکا ملنا مجھے بار خاطر معلوم ہوتا ہے عجب قدرت باری کے کرشمے ہیں"

"اگر یہ اب نشتر یا خنجر تمہارے دشمنوں کو لگے بغیر انقطاع نسبت گزیر نہیں ہے۔ اگر نسبت برقرار رکھتے ہو تو ان خرابیوں کا سامنا ہے۔ دیکھ بھال کر بیاہ لانے کے بعد طلاق دینا تو خلاف انسانیت وشرافت ہے ممالک اسلامیہ ایران وعربستان وغیرہ میں طلاق وخلع تو دال بھات کا نوالہ ہے مگر اس ملک کا رواج اور ہے۔ گو ممالک اسلامیہ میں طلاق وخلع شرع شریف کے احکام کی پابندی کے ساتھ عمل میں آتا ہے مگر کسی چیز کی افراط وتفریط بری ہوتی ہے جو خال حد سے بڑھا وہ مارا جس طرح ضرورت سے زیادہ کثرت کسی چیز کی ہو بری ہوتی ہے اسی طرح قلت بھی

خراب ہے خیرالامور اوسطہا ٹھیک ہے ہند مین ویسی ہی قلت ہے جیسی ایران وغیرہ میں کثرت ہے ہند میں بلحاظ محل و موقع بھی طلاق نہیں دیتے ہیں ۔ مطلقہ عورت کو کلنگ کا ٹیکا لگ جاتا ہے پھر کوئی اس سے نکاح نہیں کرتا ۔ ممکن ہے کہ مطلقہ عورت کی نسبت بدکرداری کا خیال ہو مگر غضب تو یہ ہے کہ جسکے شوہر کی موت بحکم خدا ہوئی اور جس میں عورت کا کوئی قصور نہیں بیوہ سے بھی کوئی نکاح نہیں کرتا اور نہ بیوہ کے ماں باپ یا والی وارث نکاح کر دینا پسند کرتے ہیں بعض اوقات جلوہ کی شب کی اور چوتھی کی دولہنین رانڈ ہو گئی ہیں مگر کمبختوں کو تمام عمر جلا کر مار ڈالتے ہیں اور اسپر فخر کرتے ہیں کبھی کبھی اسکا نتیجہ نہایت خراب بھی ہوتا ہے جس طرح مرد کو نفس ہے عورت کو بھی ہے جوانی دیوانی مشہور ہے تاب ضبط و حبس نفس ہر عورت سے ممکن نہین ہے ان چیزوں کی اصلاح کی جانب کسی کو خیال بھی نہیں آتا ہے ۔

مختصر یہ کہ طلاق اس ملک میں بہت بدنما و معیوب ہے اور یہ بھی ممکن نہیں کہ اس کی موجودگی میں کوئی دوسری حسین عورت سے جو تمہارے مذاق کے موافق ہو نکاح کرو کیونکہ تمہارے اصول کے خلاف ہے بقول تمہارے کہ دو عورتوں کا مرد تہالی کا بیگن کبھی ادہر لڑھکتا کبھی ادہر لڑھکتا یا دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا دونوں کی لگاہون میں جھوٹا اور بے اعتبار یہ سمجھتی ہے اسکو چاہتا ہے وہ سمجھتی ہے میرا مرد اسکو چاہتا ہے کسی طرح سے لطف زندگی نہیں بقول تمہارے ایک ہی جورو ہو اور زن

دمرداس شعر کے مصداق ہوں ؎

من تن شدم تو جان شدی من جان شدم تو تن شدی ہیچ نا کس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری

درحالیکہ اسکی صورت تمہیں پسند نہیں ہے تو نباہ کی کیا شکل ہوگی اور ازدواجی زندگی کا لطف حقیقی کیوں کر قایم رہیگا علاوہ ازیں ایک کریہہ منظر عورت کو اپنے گھر اور دلکی مالک و ملکہ کیونکر بناؤ گے جبکہ تمہارے پہلو میں بیٹھے گی تو یہ معلوم ہوگا چاند میں گہن لگا ہے میں خوشامد سے نہیں کہتا ہوں اور مجھے اسکی ضرورت کیا ہے چشم بد دور عورتیں تو ایکطرف مرد فکی رنگتیں اب بھی تیرہ شوق و رقابت سے پڑتی ہیں۔ لندن میں جب تم پارٹیوں اور جلسوں میں جاتے تھے تو بجائے اپنے عورتوں کے تمہاری طرف گھورتے ہوئے دیکھا اور انہیں تمہاری خوبصورتی کا ذکر کرتے ہوئے سنا تمہارا جوڑا بھی زیب دہندہ ہونا چاہیے۔ قطع نظر ان باتوں کے جب تمکو یہ خیال آجائیگا کہ اس عورت نے میرے ساتھ چال کی اور دھوکہ دیکر شادی کی تو اس وقت تمہارے دل کا کیا حال ہوگا۔ تم خود ہی ان باتوں پر غور کرو۔ نسبت کا قطع کرنا کوئی انوکھی اور بدنمایات نہیں ہے برائیں دروازوں تک آآکر پھر گئی ہیں اب بھی کچھ نہیں گیا ہے سوا اسکے کہ چند روز تکلیف روحانی تو ضرور ہوگی مگر ایسا ہو خدا نکرے کہ تمام عمر دست تاسف ملنا پڑے اور یہ کہنا پڑے ہائے اب کیا ہوگا چڑیا چگ گئی کھیت"۔

غازی الدین کی یہ تقریر سنکر فرخ کی آنکھوں سے بیساختہ آنسو ٹپک پڑے اور تھوڑی دیر تک خاموش رہکر یوں گویا ہوا۔

فرخ ۔ یہ تمہارا خیال بہت صحیح ہے ۔ میری حالت اس وقت ایسے مریض کی
ہے جو داغی عارضہ میں مبتلا ہے اس لئے میری رائے قابل اعتبار نہیں ہو سکتی
سے میں عجیب گرد شوں میں مبتلا ہوں ۔ کل نہیں پڑتا کہ کیا کروں کس سے
اُس افتخار کو جس کا میں دل و جان سے شیدائی و جویا و خواہاں تھا یکلخت
وہ بلا تکلف و بلا زحمت مزید مجھکو مل رہی ہے میں خود کنارہ کشی کر رہا ہوں یہ
بات ہے جس کے معنی یہ ہوں گے کہ بلا وجہ و بلا تجربہ بے سود دو سال
کامل دنیا بھر کی کاہشوں میں اپنے تئیں خود مبتلا کر کھا یہ تو تمہارا ہی دل کیا کہ
تم قانون دان آدمی ہو ایسا پہلو نکالو کہ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے
احمد ۔ بھائی جان قسمت کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے ؎
تدبیر کرو لاکھ پہ کچھ ہو نہیں سکتا + قسمت میں جو لکھا ہے کبھی وہ نہیں مٹتا
افتخار کی تقدیر میں تمہاری بیوی بننے کا فخر لکھا نہ تھا بلکہ وہ کوئی اور بنے گی
ہو گی جسکو تمہاری بیوی ہونیکا شرف حاصل ہو گا ۔ تمہاری قسمت میں
بقول تمہارے بے سود دو سال پریشانی لکھی تھی ؎
دوشے می کشد آدمی را بزور + یکے آب و دانہ دگر خاک گور
اور حیدرآباد کا آب و دانہ بھی تمہارے اور ہمارے مقسوم میں تھا حیلہ
روزی بہانہ موت روزی کے لئے حیلہ چاہیے پس یہ سمجھ لو کہ یہ معاملہ
یہاں کی روزی کے لئے ایک حیلہ روزنامل میں مقرر کیا گیا تھا وہ
کیونکر ٹلتا ؎
ہمنے افلاک کو سو رنگ بدلتے دیکھا + اپنی قسمت کے نوشتہ کو نہ ٹلتے دیکھا

تعلیم نسبت کے لئے حیلہ وحوالہ کی ضرورت نہیں صاف کہدو کہ جب پیغام بھیجا تھا اسی زمانہ میں اگر عقد نکاح کر دیا جاتا تو میں خوشی سے کرتا سال بھر تک انتظار میں کیوں بیٹھ سکتا تھا دوسری جگہ نسبت ٹھہر گئی ہے اسلئے معذور ہوں"

تسخر "اچھا تو یہی کرتا ہوں"

اخوند "اچھا موقع مجھے اسوقت ہاتھ آیا اب بھی تم تعلیم نسواں کے قائل اور حامی ہو یا کچھ خیال پلٹا۔ اگر افشی رپڑھی لکھی نہ ہوتی تو تمسے نامہ و پیغام کس طرح کرتی اور اُس صورت میں تمکو بلا وجہ یہ زحمتیں نہ اوٹھانی پڑتیں"

فرخ (ذرا تبسم ہوکر) "واہ کیا کہنا کیا خوب موقع ہاتھ آیا ہے پہلا تعلیم نسواں کا تعلق اس معاملہ سے کیا ہے جسنے خواص انسانی و اقتضائے فطرت بشری کا بغور مطالعہ کیا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ عاشقی یا عشق بازی علم یا جہالت پر منحصر نہیں ہے یہ تو قدرتی جذبات میں داخل ہے تھوڑا بہت یہ مادہ ہر نوع روح میں موجود ہے حیوان مطلق بھی اس سے خالی نہیں ہے یہی مادہ اگر معرفت خدا کیجانب منتقل ہوجائے تو ولی کامل انسان کو کر دیتا ہے میں اس کے نکات سے اگر بحث کروں تو طوالت کا اندیشہ ہے بہرحال اسکو علم یا جہالت سے کوئی لگاؤ نہیں ہے بلحاظ عشق حقیقی ہزاروں بندگان وعاصیان خدا باوجودیکہ جاہل محض تھے مگر ولی اللہ ہوئے ہیں اور بلحاظ عشق مجازی لاکھوں اہل دنیا باوجودیکہ جاہل محض تھے اسکے مارے مرے۔ علم ایک ایسی چیز ہے کہ عشق کے جذبات کو بری طرح سے نمایاں و آشکارا ہونے نہیں دیتا عشق حقیقی تینا عشق ہے اسلئے مجذوب ہوتے ہیں اور عالم سالک ہوتے ہیں اسیطرح سے عشق

مجازی میں جاہل عورتوں کے کارنامے نہایت بدنما ہیں۔ جاہل عورت اس تنگ
میں پس وپیش کا خیال نہیں کرتی ننگ و ناموس کا لحاظ نہیں رکھتی ضبط سے
کام نہیں لیتی دامن صبر ہاتھ سے چھوڑ دیتی ہے برعکس اسکے پڑھی لکھی عورت
اپنے نہیں رُکنے والے جذبات پر کسی حد تک قدرت رکھتی ہے بقول شخصی
عیب کردن راہنر باید تو عیب بھی بوجہ علم و فہم کے ہنر کے ساتھ کرتی ہے
ایک ادنے سی مثال تمہیں دیتا ہوں۔ ایک خط میں مینے کنایۃً دیکھنے اور
ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی یہ علم ہی کا سبب تھا کہ افتخار نے صاف انکار
کیا مینے تمسے جسکا ذکر بھی کیا تھا اگر کوئی جاہل عورت ہوتی تو فوراً راضی ہوجاتی
یہ جو کچھ زحمتیں مینے اوٹھائیں وہ بقول تمہارے مقدر میں لکھی تھیں اور ظاہر کہ
سبب جنکا ہند کا کمبخت رواجی پردہ ہے۔ حیدرآباد جب میں آیا تھا اگر دیکھنے کا
موقع ملتا تو نہ پیغام ہیجانہ نسبت مقرر ہوتی اور الٹے پاؤں کلکتہ واپس چلا جاتا
یہ جو تمنے کہا کہ کوئی اور رمہ جبین میری قسمت میں لکھی ہے میں نہیں سمجھتا کہ تمہارا
یہ خیال صحیح ہے بقول عورتوں کے بخشو بی بی بلی میرا طوطا لنڈورا ہو کر رہیگا
مجھے اپنی حالت پر چھوڑ دو اس بارہ میں مینے دو دفعہ اپنی قسمت آزما دیکھی معلوم
ہوگیا کہ متاہل زندگی میرے مقسوم میں نہیں ہے اب شادی کے نام کو
میرا دور ہی سے سلام ہے تنہا دنیا میں آیا اور تنہا ہی جاؤنگا بھی دنیا میں
جو چند روز رہنا ہے تنہائی کے ساتھ کیوں نہ بسر کروں"

احمد "تمہارا دل اسوقت بھرا ہوا ہے۔ شادی کے نام سے جو تمہیں تنفر ہوگیا
ہے وہ ایک عارضی خیال ہے انشاء اللہ شادی تمہاری ہوگی اور حسب منشاء

بیوی بیگی۔ یہ عجیب جہالت تھی اسوقت کہا کہ میری زحمتوں کا سبب پردہ ہے پردہ پاک و شرعی چیز ہے وہ ہرگز واہیات اور تکلیف دہ امور کا باعث نہیں ہو سکتا یہ صرف استخفاف کی تعلیم یافتہ کی کا سبب تھا جو ایذائیں تم نے جھیلیں اس لئے میرا عقیدہ ہے کہ خود عورتوں کو کبھی پڑھانا نہیں چاہیئے بس قرآن شریف پڑھا دینا کافی ہے۔"

حسن صاحب "تمہارا یورپ جاکر واپس آنا اس شعر کا مصداق ہے ؎

خر عیسیٰ اگر بمکہ رود چون بیاید ہنوز خر باشد

معقولی خیال کو قطعہ نظر کرکے منقولی خیال کے لحاظ سے بھی تم نے جو کچھ کہا صحیح نہیں ہے تعلیم ہی شرعی چیز ہے اور ہند کا پردہ مروجہ ہرگز شرعی اور حکم خدا کے موافق نہیں ہے۔ اپنے اس دعوے کو دلایل و براہین سے ثابت کرکے تمہیں قایل نہ کردوں تو جب ہی کہنا۔ اس سے تو کسیکو انکار نہیں ہو سکتا کہ علم اعلےٰ ترین نعمت باری تعالیٰ کی ہے۔ علم ہی کی بدولت اشرف المخلوقات ہونیکا شرف انسان حاصل کرسکتا ہے اور اپنے میں اعلیٰ صفات پیدا کرسکتا ہے علم ہی کی بدولت حوصلے بلند اور خیالات وسیع ہوتے ہیں۔ امریکہ و یورپ میں جو روز افزوں ترقیاں ہو رہی ہیں نئی نئی مشینیں انواع و اقسام کے خوشنما و نفیس چرمی سامان شیشے کے ظروف عجیب و غریب حربے و ہتیار خوش وضع و خوبصورت اقسام کے فرنیچر غرض ہزارہا اقسام کی ایجادیں جو ان ممالک میں ہو رہی ہیں فولادی اور چرمی اشیا جواہرات کے دامنوں جو ملتی ہیں یہ سب علم ہی کا طفیل ہے عقل دنگ کرنے والے سائنس کے کرشمے علم ہی کی

ظہور میں آرہے ہیں۔ علم ہی کی بدولت صرف دنیاوی ہی نہیں بلکہ دینی ترقی بھی انسان کرتا ہے۔ اقسام کے حقوق و فرایض سے واقفیت ہونا اور اس پر عمل کرنا علم ہی سکھاتا ہے۔ موٹی سی موٹی سمجھ کا آدمی بھی علم کو مفید اور ضروری چیز سمجھتا ہے پھر جو چیز کہ مفید ہے مقدر کیوں کر ہو سکتی ہے علم سے مفید ہونے کی سب سے بڑی اور بڑی دلیل یہ ہے کہ علم کی تعریف اس حدیث نبوی سے ظاہر ہوتی ہے اُطلُبُ العِلمَ وَلَو کَانَ بِالصِّین ۔ واقف ہے جو ہدایت لوکان بالصین سے ۔ وہ ساکن عرب ہو تو لے علم چین سے اس حکم میں کسی صنف کسی فرقہ یا کسی گروہ کی نہیں ہے۔ یہ حکم عورت و مرد کے لئے یکسان ہے قوم مرد و عورت دونوں سے ملکر بنتی ہے جس قوم کے دونو صنف تعلیم یافتہ ہیں وہی قوم مہذب و ترقی یافتہ ہے۔ مرد اگر اس قدر علم حاصل کریں کہ آسمان کے تارے بھی توڑ لائیں اور عورتیں جاہل رہیں تو کبھی کوئی قوم سدھر نہیں سکتی۔ یورپ و امریکہ کی ترقی کا راز و سبب یہی ہے کہ دونو صنف لایق و قابل ہیں۔ ایک شخص کی دونو آنکھیں روشن ہیں اور ایک شخص کانا ایک چشمی ہے ان دونو کی بینائی و بصارت کی ایک حالت نہیں ہو سکتی۔ ایک گھر میں زن و مرد دونو لایق و قابل ہیں اور ایک گھر میں مرد تو لایق و روشن خیال ہے اور عورت جاہل پھوہڑ۔ ان دونو گھروں کی تنظیم و سلیقہ وغیرہ ہرگز یکسان نہیں ہو سکتا۔ عورت کے لایق ہونے سے علاوہ خانہ داری کے انتظام کے مرد کو بھی امداد اس کے معاملات میں ملتی ہے۔ یہانتک تو میری بحث تعمیمی تھی اب تخصیصی بحث متعلق باسلام ہنود

دنیا میں جتنے مذاہب ہیں سب سے بڑھکر معقولیت کا جامہ اسلام کے زیب تن ہے اقتضاد خواص فطرت انسانی کا لحاظ جسقدر اسلام کو ہے اور کسی مذہب کو نہیں ہے۔ رسالت مآب صلعم کا جنہوں نے اسلام کو دنیا میں شایع کیا انسانی زندگی کے مختلف شعبوں میں جو فعل ہے معقولیت سے مملو ہے اسلئے قابل تقلید و بہترین نمونہ ہے اسلام کے خدا کی تعریف ہے کہ وہ حکیم ہے یعنے سب سے بڑا فلسفہ داں ہے پس اس کا کوئی فعل خالی از حکمت نہیں ہے۔ چونکہ اسلام معقولیت پسند ہے اس لئے اسنے پہلا اصول کُلُّ مُسْلِمٍ اَخُوْتٌ قایم کیا۔ اسلام نے تیرہ سو سال قبل جو سبق مساوات کا ہمکو دیا تھا وہ امریکہ و یورپ میں اب جمہوریت پسند اشخاص قابل قدر سمجھتے ہیں۔ تمدن و معاشرت کے ہر شعبے میں مساوات کی روشنی دکھائی دیتی ہے۔ اسیواسطے عورتوں کے اور مردوں کے حقوق تقریباً برابر ہیں قبل اشاعت اسلام لڑکی کی پیدائش عربستان میں ایک امر باعث ننگ سمجھا جاتا تھا اور جس طرح ہندو لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے عرب بھی زمانہ جاہلیت کے اکثر لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے۔ مہر عورت کا اسکے باپ کا حق سمجھا جاتا اسلام نے مہر کا صرف مالک ہی عورت کو نہیں بنایا بلکہ مورث کا ترکہ بھی جائداد منقولہ و غیر منقولہ میں دلایا لڑکے سے کم لڑکی اسلئے پاتی ہے کہ اسکو شوہر کی جائداد ملتی ہے زر مہر ملتا ہے برعکس جس کے عیسائی لڑکی کو لڑکے کی موجودگی میں غیر منقولہ جائداد کے پانے کا حق نہیں اور ہندو لڑکی کو تو نہ منقولہ نہ غیر منقولہ جائداد پانیکا استحقاق ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے

کہ ہر انسان گنہگار پیدا ہوتا ہے جس کا باعث عورت ہوئی جسنے حضرت آدم کو بہشت سے نکلوایا۔

برعکس اسکے اسلام کے خیال میں ہر شخص بے گناہ پیدا ہوتا ہے اور اپنی بدکرداری کیوجہ سے گنہگار ہو جاتا ہے اور عورت کا مرتبہ اتنا بڑا ہے کہ ان کے قدموں کے نیچے بہشت ہے علاوہ ازیں خیرکم خیرکم لنسائیکم یعنے نیک وہ ہے جو عورتوں کے ساتھ نیک ہے اسی سے خیال کرو کہ اسلام نے عورت کو کیا مرتبہ دے رکھا ہے۔

انگلستان میں ۱۸۷۲ء میں سنکوحہ عورتوں کی جائداد کی حفاظت کا قانون نافذ ہوا اُس سے پیشتر تو جو کچھ جائداد لڑکی کا باپ دیتا تھا وہ شوہر کی ہو جاتی تھی عورت کسی قسم کی جائداد کی مالک ہو نہیں سکتی تھی نہ کسی قسم کا معاہدہ کر سکتی تھی حتےٰ کہ متفرر ہونے پر فوجداری میں استغاثہ خود نہیں کر سکتی تھی بلکہ منجانب شوہر دائر ہوتا تھا غرض عورت کی کوئی شخصیت ہی نہیں تھی برعکس جس کے مسلمان عورت ہر قسم کی جائداد کی خود مالک تھی اور ہے ہر قسم کا معاہدہ کر سکتی بیع و شرا کر سکتی ہے مختصر یہ ہے کہ جو منزلت و بزرگی و وقعت اسلام نے عورت کو دی ہے کسی مذہب نے نہیں دی جسکا باعث خیال اسلام ایسی حالت میں مسلمان عورت تعلیم سے کیونکر روکی جا سکتی ہے اسی لیئے کہا اُطلُبُ العِلمَ وَلَو کَانَ بِالصِّینِ۔ مرد اور عورت دونوں کے لیئے تاکید فرمائی گئی ہے۔ قطع نظر اسکے اس حدیث کے ذریعہ سے تاکید کی گئی ہے۔ طَلَبُ العِلمِ فَرِیضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسلِمٍ وَّمُسلِمَۃٍ

مسلمان مرد و عورت دونو کا فرض کفیل علم ہے اگر ایسا نہوتا تو ایران و عرب
میں بے گنتی عورتیں عالمہ و فاضلہ نہ ہوئیں امام حافظ ابن عساکر مورخ دمشق نے
جن استادون سے علم و حدیث حاصل کیا تھا ان میں سے اسّی سے زیادہ عورتیں
تھیں۔ اسلام کے مشہور محدث امام ابن جوزی کی تعلیم کا ذریعہ انکی بیبیاں تھیں
علاوہ ایرانی و عرب کے اندلس میں بھی کیسی کیسی قابل و لائق محدثہ و فقیہہ
عورتیں گزری ہیں شاعری و خطاطی و علم طب میں بے گنتی عورتیں مشہور
و معروف تھیں جنکے تذکرون نے کتب سیر مالا مال ہے۔ اسلام نے علم کا دروازہ
عورتون کے لئے ہرگز بند نہیں کیا ہے جب ہمکو شامت اعمال و ادبار نے
گھیرا تو یہ بھی مغالطہ ہمکو دیا کہ عورتیں علم حاصل کرنے سے بے عصمت ہوجاتی
ہیں اسلئے انکو جاہل رکھو علم میں اگر ایسا زہریلا مادہ ہے تو اسکے اثر سے جو
مرد علم حاصل کرتے ہیں یا آیندہ حاصل کرینگے وہ بھی محفوظ نہیں رہ سکتے۔ یہ صرف
مردونکی من گھڑت ہے جس کا سبب نفسانیت ہے۔ عورتوں کو جاہل و نامعقول
رکھنا اسلئے پسند کرتے ہیں کہ وہ بیچاریاں اپنے حقوق سے ناواقف رہیں
اور جو مظالم اونپر ہوں شہد کے گھونٹ کی طرح پی جائیں اور منہ سے اُف
نکریں، میری اس تقریر سے بہتر روشن ہوگیا ہوگا کہ تعلیم نسوان شرعی فعل ہے
اور عورتوں کے لئے ہرگز مضر نہیں ہے بلکہ جس طرح مردوں کے لئے ضروری و
مفید ہے عورتوں کے لئے بھی سودمند ہے کوئی فعل قبیح کسی لکھی پڑھی
عورت سے اگر سرزد ہو تو وہ اوسکے نفس یا صحبت کا قصور ہے تعلیم سے
کو تعلق اور لگاؤ نہیں ہے بلکہ ایسی عورت کو اگر تعلیم نہوتی تو اس سے بڑھکر

افعال قبیحہ کی مرتکب ہوتی۔ ہندکا پردہ مرد جب کہ تم شرعی فعل سمجھتے ہو
ہو اسکی حقیقت سنو۔ عورتوں کے لئے پردہ کے متعلق جو حکم نص قرآنی
سے ثابت ہے اس سے زیادہ نہیں ہے "وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ
مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ" جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان عورتوں کو
کہ اپنی آنکھیں بند کریں اور اپنی حفاظت کریں جس کا اصل منشا زیبائش کی
چیزیں چھپانا۔ مردوں کے لئے بھی اسی طرح کا حکم ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ
يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا یعنے کہ مسلمان مردوں سے
اپنی آنکھیں بند کریں اور اپنی محافظت کریں آنکھیں بند رکھنے سے غرض صرف
اسیقدر ہے کہ بدنیتی سے نظر غیر محرم پر نہ ڈالے خواہ مرد ہو یا عورت اس سے
ظاہر ہوا کہ مرد و عورت دونوں کے لئے یکساں حکم ہے پھر کیونکر کہا جاتا ہے کہ اسلام
ہر بات میں مساوات ملحوظ رکھتا ہے۔ رسالت مآب صلعم کے زمانہ میں اور انکے
بعد بھی ایک عرصہ دراز تک مطلق پردہ نہ تھا عورتیں مستقل مزاج جری عالی حوصلہ
بلند خیال عالمہ فاضلہ تندرست ہوا کرتی تھیں جن کے برعکس مغربی عورتیں
یعنے یورپین مستورات ظلمت و جہالت و ذلت میں پڑی ہیں مگر اب گنگا
الٹی بہ رہی ہے۔ ہارون رشید کے زمانہ تک عورتوں کے چہرے
اور ہاتھ پاؤں کھلے رہتے تھے کیونکہ حکم خدا ان چیزوں کے چھپانے کے
متعلق نہیں ہے قرون وسطے میں عورتوں کے ساتھ سختی شروع ہوئی تو
انکے اخلاق بھی روبانحطاط ہوگئے سختی بدگمانی پیدا کرتی ہے اور یہ قاعدہ
ہے کہ جس سے بدگمانی کی جائے اسمیں نفسانیت پیدا ہو جاتی ہے

بعض طبیعتیں ضدی بھی ہوتی ہیں مثل مشہور ہے راج ہٹ بالک ہٹ اور تریا ہٹ۔ ضد یا ہٹ فقط آپ ایسے کام کرواتی ہے کہ اگر بدگمانی نہ ہوتی تو ایسے کام سرزد نہ ہوتے۔

بوجہ بدگمانی کے نقاب و برقع کا رواج ہوا جو ممالک اسلامیہ میں جاری ہے اگر عورتوں کے ساتھ پردہ کی یہی سختی رہتی جو ہند میں رایج الوقت ہے تو ایران و عرب و اندلس میں لاتعد ہنرمند و نامور عورتیں نہ ہوتیں عرب کی تاریخ سے ظاہر ہے کہ فضلا و علما و وعظین کی مجالس میں عورتیں بھی حاضر رہتی تھیں مردوں سے درس لیتی تھیں اور مردوں کو درس دیتی تھیں میدان کارزار میں مجروحوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں بسا اوقات شریک پیکار بھی ہوتی تھیں اگر پردہ موجود ہوتا تو یہ باتیں کیونکر ممکن تھیں پردہ خلاف عصمت کوئی کام کرنے اور خیانت کرنے سے روک نہیں سکتا۔ اس تقریر سے میرا مقصد یہ نہ سمجھنا کہ جس طرح یورپ نے آجکل آزادی عورتوں کو دے رکھی ہے اسی طرح مسلمان عورتوں کو بھی دیجائے یا کھلے بند انہیں چھوڑ دیا جائے تنہا جس صحبت میں یا جہاں چاہیں جائیں۔ میرا مقصد صرف اسقدر ہے کہ ممالک اسلامیہ میں جس طریق اور جن قیود کے ساتھ عورتوں کی پردہ داری کی جاتی ہے اسی حد تک یہاں بھی ہو تاکہ اشاعت تعلیم نسواں میں اور صحت جسمانی کے قایم رکھنے میں سہولتیں پیدا ہوں اور ہماری قوم کا شمار بھی زندہ اقوام میں ہو

احمد۔ میں سچ کہتا ہوں تمنے تو میری معلومات کی آنکھوں کے پردے

کھولدے بیشک تمہاری رائے بہت صحیح ہے تمنے ناحق ڈاکٹری کی
وکری لی تمکو تو بیرسٹر بننا تھا تم میں اللہ نے وہ جامعیت دی ہے
جو ایک لائق بیرسٹر میں لازمی ہے۔ تمہاری معلومات تمہارا طریقہ استدلال
تمہاری حاضر جوابی انتقال ذہنی رسائی طبیعت کس کس بات کی تعریف کروں
اللہ میاں تمکو بیوی بھی ایسی عنایت کریں جو نہ صرف وجاہت ظاہری میں تمہارے
مذاق کے موافق ہو بلکہ حسن سیرت میں بھی ایسی ہو کہ تمہارے خاندان
اور سوسائٹی کے لئے آیۂ رحمت ہو۔"

فرخ "اب ایسی دعا نہ دو میں تو عزم بالجزم کر لیا ہے کہ خدا
زندگی تنہائی کے ساتھ کسی گوشۂ عافیت میں گزار دوں گا۔"

اب میں کہاں اور خیال ترقی قومی کہاں یہ خیال بہت دور از
اصل یہ ہے کہ خدا کو منظور نہیں ہے کہ مجھے اپنے
فخر حاصل ہو اب میرا وجود معطل ہے ؎

عشق نے غالب نکما کر دیا + ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

محیط عشق میں انسان مشت خاک تو کیا + پھاڑ ہوئے تو کہل کہل کے کنکری ہو جائے

ہاں یہ تو کہو انتخاب صورت اپنے پھوپا سے قطع نسبت کی خبر سنے گی تو کیا
ضرور دریافت حقیقت و سبب کریگی اسکا جواب کیا دوں گی۔"

احمد "ایک خاموشی ہزار بلائیں ٹالتی ہے سکوت اختیار کرو خود ہی
لکھتے لکھتے خاموش ہو جائے گی۔"

فرخ "اچھا تو ایسا ہی کرتا ہوں اسوقت مجھسے بیٹھا نہیں جاتا اب

اب گھر جاتا ہوں۔ آج کسی وقت جب طبیعت ذرا ٹھہر گئی تو حفیظ الدین خاں کو خط لکھوں گا۔ خدا حافظ۔

فرخ دوگھر آنگر پلنگ کے کمرے میں جا کر لیٹ گیا۔ دن کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ تیسرے پہر کو حسب مشورۂ احمد حفیظ الدین خاں کو انقطاع نسبت کی نسبت اسنے خط لکھکر بھیجدیا۔

(۱۸)
اٹھارھواں باب

نگار خانۂ عالم کی ہر شئے و ہر حالت کے نقش و نگار میں تبدل و تغیر کا پیدا ہونا قدرت کا ایک اٹل قانون ہے۔ یہ اشعار اسکے شاہد حال ہیں ؎

پہلا زمانہ کا کب ایک حال رہتا ہے ✤ کب آفتاب کا یکساں جمال رہتا ہے
جو دیکھو ماہ کو ایک شب کمال رہتا ہے ✤ نہ انس و جن کو برسوں جمال رہتا ہے

کسی کو پر نہیں اسکا خیال رہتا ہے
کمال رہتا ہے گاہی زوال رہتا ہے

زمین چین گل کہلاتی ہے کیا کیا ✤ بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے

زمین و آسمان ہی ان تغیرات کے مناظر نہیں ہیں بلکہ دنیا کی ہر شئے میں ہر وقت انقلاب ہی انقلاب ہے بعض انقلابات جلد محسوس ہوتے ہیں بعض دیر میں

محسوس ہوتے ہیں طبایع اور حالتیں بھی اس سے خالی نہیں ہیں۔ انسان کے
مزاجوں اور حالتوں میں بھی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں اور ان تبدیلیوں کے
ساتھ اسکے خیالات وعادات وخصائل میں فرق آجاتا ہے۔ جسکے کہ خصائل
وعادات بدل جاتے ہیں۔ فرخ گو خلقاً دانشمند یگانہ۔ اور بلحاظ اکتساب
کمالات عالم فرزانہ ہے مگر وہ بھی انسان ہے۔ حفیظ الدین خاں کو
انقطاع نسبت کے متعلق خط لکھنے کے بعد فرخ کی دماغی وجسمانی
صحت کچھ دنوں متاثر رہی۔ وہ بالکل تنہائی پسند ہوگیا تھا انسان کی صحبت
اُسے کاٹے کھاتی تھی اسکی یہ حالت دیکھکر اسکے چند حیدرآبادی جنا
جنکو فرخ سے ربط خاص ہوگیا تھا بہت خایف ومتردد ہوگئے تھے
ان لوگوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ فرخ کی دلبستگی وتفریح کے
اسباب ضرور پیدا کرنا چاہئیں ورنہ ایک بیشبہا جاں کے تلف
ہونیکا قوی اندیشہ ہے اس شورہ میں غازی الدین نے بھی حصہ لیا تھا
اسلئے یہ حضرات کبھی کسی باغ میں بتقریب پکنک کبھی پرندوں کے شکار کی
غرض سے حیدرآباد کے اطراف واکناف کے دیہاتوں میں فرخ کو
زبردستی لیجانے لگے کبھی اپنے گھر پر نیں رقص سرود کے جلسے
اور محفلیں کرکے فرخ کو شریک ہونے میں مجبور کرنے لگے چونکہ
یہ حضرات میخواری کو داخل فیشن سمجھے ہوئے تھے اسلئے ان
جلسوں میں دختر زکی چسک اور اسکا گزک اجزائے لاینفک تھے
مثل مشہور ہے انسان کا شیطان انسان ہوتا ہے ان نادان

دوستوں نے نسخ کو آخر بادہ خوار بنا کر چھوڑا ابتدا گر کسی صحبتوں میں
نسخ کا اجتناب و انکار کر ہوا مگر رفتہ رفتہ اسکی بھڑک اور چمک
اقسام کی ترغیبوں اور مختلف پہلوؤں سے مٹائی گئی غم غلط کرنیکے لئے
اور محبت جسمانی برقرار رکھنے کے حیلہ سے شراب شروع کروائی گئی
پہلے تو دوا استعمال کرنا نسخ نے منظور کیا پھر تو چسکا لگا بقول غالب
چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی۔ چند دنوں میں عادی ہو گیا۔ اس
میں شک نہیں جبتک اسکا پینے والا اسپر غالب رہتا ہے اور ایک
معمولی مقدار میں دوا استعمال کرتا ہے تو یہ اچھے نتائج پیدا کرتی ہے
مگر جہاں طبیعی کمزوریوں کی یا اور کسی وجہ سے پینے والا اسکے قابو میں
آگیا تو بہت برے نتائج ظہور میں آتے ہیں یہ امر یورپ کے ملکوں
میں اچھی طرح متحقق ہوا ہے کہ جن لوگوں نے شراب کا استعمال
بطریق دوا کیا اور مضبوطی سے عہد کیا کہ مقدار معینہ سے ہرگز تجاوز
نکرینگے مگر فیصدی ایک آدمی اسپر قادر رہا کہ مقدار معینہ سے متجاوز
نہ ہونے دیا ورنہ فیصدی ننانوے اشخاص اس ظالم کے چنگل
میں ایسے پھنسے کہ آخر انکا طائر روح اسی موذی کا شکار ہوا لطف
یہ ہے کہ نسخ بھی اسکی برائیوں سے ناواقف نہ تھا ایکدن وہ تھا
یہ دوسروں کو نصیحت کرتا تھا ایک دن یہ ہے کہ اپنی فضیحت کا آپ
باعث ہو رہا ہے خدا کرے کہ کوئی بری صحبت کے پالے پڑے
الصحبت تاثیرا صحبت کی تاثیر اور تخم کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ نسخ کی

صحبت والوں نے فرخ کی ساری تحقیقات و معتقدات کو خاک میں ملا دیا شراب کی نسبت
ام الخبائث ہے شراب کے ساتھ اسکے اور لوازمے بھی مہیا ہونے لگے بازاری حسن فروشوں کے
بھی جمگھٹے رہنے لگے فرخ کے ہم جلیسوں کے ہاں تو جلسے اب کبھی کبھار
ہوتے ہیں خود فرخ کے ہاں شام ہوتے ہی یاران طریقت جمع
ہو جاتے ہیں صبوآر و خمخانہ آر کی اوازوں اور طبلہ کی تھاپوں سے
مکان گونجنے لگتا ہے۔ شام ہوتے ہی کشتیان شراب کے کنڑوں اور
گلاسوں اور سوڈا واٹر کی بوتلوں کی اور مختلف اقسام کے گزک کی
سامنے لا رکھدی جاتی ہیں کبھی کسی کسبن کا طائفہ بھی کے لئے
بلا لیا جاتا ہے ورنہ ہم نشینوں میں سے کوئی گاتا کوئی ہارمونیم کوئی
طبلہ کوئی ستار بجاتا چونکہ فرخ کو موسیقی میں اچھا خاصہ دخل ہے
خود بھی کبھی گاتا بجاتا ہے۔ چونکہ فرخ کو ہمیشہ سے خیال تحفظ نفس
وذی و عائلخاندانی ملحوظ رہتا ہے اسلئے اس رنگ میں بھی معمولی درجے
اشخاص اسکی صحبت کے گرد پھٹکنے نہیں پاتے فرخ اس رنگ و حالت
میں مبتلا ہوئے پانچ ہی چھ مہینے ہوئے تھے کہ ماگھ کا مہینا آگیا بسنت کے
جلسہ کی تیاریاں ہفتہ عشرہ قبل ہی سے شروع کیگئیں۔ ایک بڑا کمرہ
بسنتی رنگوایا گیا فرش کے لئے چاندنی بھی بسنتی رنگوائی گئی شیشہ و آلات
بھی بسنتی خریدے گئے اپنا جوڑا بھی بسنتی تیار کروایا پھولدار خوشنما
اطلس کی شیروانی سلوائی بسنتی رنگ کے جینا پوت کا بانا سر پر بسنتی پگڑی
سر کے لئے خریدا دستمال بھی ریشمی بسنتی رنگ کا لیا [illegible]

ایرن سیف سے نکال کر اپنے کیش بوکس میں رکھ لیں شاگرد پیشون کی
وردیاں بھی بسنتی رنگ کے بانات کی بنوائیں - ایک نئے طایفہ کے
ورود و نزول کی خبر جب اسکو معلوم ہوئی تو قبل از قبل بیڑا بھیجا تاکہ
کہیں اور نہ اسٹدن کے لئے مقرر کر لیا جائے اتنے میں بسنت پنچمی آگئی
ہفتہ بھر قبل سے جن باتوں کی تیاریاں ہو رہی تھیں وہ سب آج ظہور میں
آئیں - حسب قرارداد احباب بھی بسنتی پوشاکیں زیب تن کئے ہوئے
یکے بعد دیگرے تیرے پھرسے آنا شروع ہوئے فرخ مرزا بھی نکھر سنور کر
بڑے ٹھسّے سے سرگرم خاطر و مدارات احباب سے ہے جب شام ہوئی
تمام روشنی کر دی گئی سارا مکان اندر سے باہر تک جگمگا گیا خصوصاً اس
بڑے ہال کا جسکو بسنتی رنگوایا ہے جس میں فرش و فروش شیشہ و آلات
جھاڑ دیوار گیریاں سب بسنتی ہیں کچھ عجیب سماں ہے جس میں اہل جلسہ اور انکے
خدمتگار بھی بسنتی پوش ہیں - بسنت کا قدرتی منظر و اثر تو اس شعر سے
ظاہر ہوتا ہے ؎

گیندا کہلا ہے باغیں میدان میں سرسوں + صحرا وہ بسنتی ہے یہ گلزار بسنتی

اور اسکے صنعتی اثر سے فرخ کا سارا گھر اور در و دیوار بسنتی - نو وارد
طایفہ جو پہلے سے متقرر کر لیا گیا تھا اسکو بھی فرخ نے کہلا بھیجا تھا کہ بسنتی
لباس میں آئے اسکی صورت اور گانیکا بہت کچھ چرچا ارباب نشاط اور
اور شہر کے اوباش صفت نوجوانوں میں ہو رہا ہے فرخ کو بھی اس کا
اشتیاق دامنگیر ہے - شام ہوتے ہی حسب معمول شراب کی کشتیاں

لاکر رکھدی گئیں اور دور چلنا شروع ہو گئے۔ شریک جلسہ علاوہ فرخ کے اور پانچ نوجوان ہیں۔ مسٹر غازی الدین احمد بیرسٹرایٹ لا۔ بابو دوارکا پرشاد ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ نواب دلدار علیخاں۔ راجہ بھگوان داس ڈاکٹر سیف الدین۔ ایم۔ بی۔ سی ایم۔ آپس میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔

ڈاکٹر سیف الدین (فرخ سے) یہ تو کہو شامپین کپ بھی تمنے تیار کروایا ہے؟

فرخ "ابھی دریافت کرتا ہوں"۔ (ہڈ بٹلر کو بلاکر) "اینتھونی شامپین کپ تیار کیا گیا ہے"؟

اینتھونی۔ (دست بستہ ہوکر) "نہیں خداوند۔ کلیرٹ کپ کے لئے حکم ہوا تھا وہ تیار ہے"۔

فرخ۔ (ہڈ بٹلر یعنے خانساماں سے) "بہت جلد شامپین کپ بھی تیار کرو اور دو بوتلیں شامپین کی سلر سے نکال لو"۔

دوارکا پرشاد۔ (ایک بڑا سا گھونٹ پیکر۔ گلاس ہاتھ میں لیکر) "فرخ تم اب تک کانگرس میں کیوں نہ شریک ہوئے حالانکہ بارہ سال گویا ایک جگ کانگرس کو قایم ہوکر ہوا تمہارا جیسا روشن خیال آدمی اور ہمدرد ملک و قوم اور جہانتک مجھے معلوم ہے مذہبی تعصب بھی جسے چھو نہیں گیا ہے تعجب ہے کہ کانگرس کی تحریک کے ساتھ دلچسپی نہ لے"۔

فرخ "کانگرس کا پہلا جلسہ بصدارت مسٹر دادا بھائی نوروزجی بمبئی میں ۱۸۸۵ء میں ہوا تھا اسوقت میں زیر تعلیم تھا۔ طالب العلم کو تحصیل علم کی مشغولیت سے اس قدر فرصت کہاں ملتی ہے کہ دوسری جانب متوجہ

ہوسکے اور وہ حیثیت میری ۱۸۹۴ء تک قایم رہی۔ دسمبر ۱۸۹۴ء انگلستان سے بمبئی واپس آیا۔ آتے ہی عجیب مصیبت میں گرفتار ہوا بقول شخصے سر مُنڈاتے ہی اولے پڑے۔ جب سے پبلک لائف شروع کی ہے جس کو تین سال ہوئے اسی اوڈیٹر بن میں ہوں ؎

دل کہ در مدرسہ سے اوٹھ عشق کے میکدہ میں چلا + جام شراب بیخودی اتبو پیا جو ہو سو ہو

اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ میری عدم شرکت خیال تفریق مذہب نہیں ہے پولیٹکس میں ہندوؤں کے دوش بدوش مسلمانوں کو بھی کام کرنا چاہیے میرا ہمیشہ سے یہ خیال ہے کہ ہندو و مسلمان مادر ہند کے دو فرزند ہیں جبتک وہ تندرست رہینگے اور آپس میں ملے جلے رہینگے تو ماں کا دل بھی خوش رہیگا مانکی صحت و سلامتی کا مدار عموماً بچونکی صحت و سلامتی پر ہوتا ہے خدا وہ دن لائے کہ آپس کا نفاق دور ہو۔ ملک کی بہبودی اتفاق باہمی پر منحصر ہے۔ پولیٹکس میں دخل نہ دینے کا سبب مینے بھی بیان کر دیا علاوہ اسکے برٹش انڈیا کی حالت اور ہے دیسی ریاستوں کی حالت اور ہے میں جس ریاست میں ہوں بہت آرام سے چپکا پڑا ہوں۔ اب میں تم سے پوچھتا ہوں تم تو کانگرس کے بڑے ہوا خواہ ہو اس بارہ سال سے کانگرس نے کیا کیا۔ اون کے بہائی کو کمر کی نیند سال بھر تک کانگرس بھی لیتا ہے سال بھر کے بعد تین روز کے لئے بیدار ہوتا ہے پھر سو جاتا ہے۔

نواب دلدار علیخاں۔ ذکر کچھ اور کرو پھول سبک ہوتے ہیں

خدا کے لئے۔ اور باتیں کرو یہی کیا ہے تم لوگوں نے یہی کہا نکا جھگڑا نکالا ہے یہ وقت ہنسی و مذاق کا ہے یا پولیٹکس بگھارنے کا۔

فرخ ۔ (ہنسکر دلدار علیخاں سے) خطا ہوئی معاف کرو جاسنے دو غصہ ناک کی راہ تھوک دو۔ تمہاری معشوقہ ابتک نہیں آئی سات بھی بج گئے۔"

دلدار علیخاں ۔ (گیلاس ہاتھ میں لیکر) اب آتی ہی ہوگی۔ یہ کونسی منزل ہے کیا گنجگ شہر ہے۔ آنکھوں کے سامنے سرسوں پھولی نظر آتی ہے حالانکہ یہ صرف چوتہا دو ہے۔"

راجہ بھگوانداس ۔ (دلدار علیخاں سے) معلوم ہوتا ہے تمہیں بسنت کی خبر ہی نہیں۔ سرسوں تو بسنت ہی میں پھولتی ہے یہ جلسہ بھی تو اسیکا طفیل ہے۔"

اتنے میں آدمی نے آکر خبر دی کہ طایفہ آگیا۔ اس خبر نے ایک برقی اثر پیدا کیا سارے جلسہ میں ہل چل مچگئی کوئی کہلکہلا کر ہنس پڑا کسی نے پوچھا کہاں ہے کسی نے کہا جلد بلاؤ۔ فرخ نے اُسی آدمی سے کہا کہ دفتر کے کمرہ کے برابر جو حجرہ ہے اُس میں ان لوگوں کو بٹھاؤ۔ طایفہ دار سے اور سازندوں سے کہو کہ جلد تیار ہو کر آئیں۔"

ڈاکٹر سیف الدین ۔ (باواز بلند) انتہونی! انتہونی!!

انتہونی ۔ "صاحب حاضر ہوا۔"

سیف الدین ۔ "شامپین کپ تیار ہو چکا ہو تو جلدی لاؤ۔"

انتہونی ۔ ایک بڑے سے الیکٹرپلیٹڈ جگ میں شامپین کپ

اور چھ شامپین گلاس ایک کشتی میں لگا کر لایا۔"

فرخ ۔ (مہتونی سے مخاطب ہو کر) "گڈ بوائے۔ ولڈن۔ یہ کہکر سب گلاس شامپین کپ سے لبریز کر کے آپس میں تقسیم کئے جب سب اہل جلسہ نے اپنا اپنا گلاس پینے کے لئے اوٹھایا تو ڈاکٹر سیف الدین یوں گویا ہوا۔

فرخ ۔ "گڈ اولڈ فرخ! اوئیر اولڈ فرخ۔ تمہاری صحت و سلامتی کا یہ جام ہے ہم سب امید کرتے ہیں اور باریتعالی کی بارگاہ میں دست بدعا ہیں ایسے بہت سے بسنت کے جلسے سال بسال ایک عرصہ دراز تک خوشی و خرمی کے ساتھ تمکو کرنا نصیب ہو۔ تمہارے دشمن پائمال ہوں تمہارے دوست شاد رہیں اور ہم لوگوں کا آپس کا اتحاد و اخلاص روز بروز بڑھتا جائے اور وہ دن بہت جلد آئے کہ تمہارے جام صحت کی تحریک کرنیکے وقت تمہارے نام کے ساتھ مسز فرخ مزاکا نام بمسرت دل ضم کیا جائے۔"

بیک زبان سب اہل جلسہ نے گڈ لک ٹو فرخ کہکر ایک ایک گھونٹ پیا۔ فرخ نے گردن جھکا کر دوستوں کا شکریہ ادا کیا۔

اس اثنا میں گانے والا طایفہ آیا فرشی آداب بجالانیکے بعد ناچنا شروع کیا۔

فرخ ۔ "(ناچنے والی کو اشارہ سے قریب بلا کر) "سارنگی بجانیوالوں سے کہو کہ حمیر کا لہرا بجائیں" چنانچہ بن میں جو لہرا بج رہا تھا متبدل بہ حمیر کیا گیا۔

فرخ ۔ (دوستوں کو مخاطب کرکے) "یہ کیا اچھے تھوڑے لے رہی ہے کنہیاجی کی بانسری ٹیر کرنیکا سروپ دھارن کرنیکے بعد کمٹھ کا سروپ کس خوبصورتی اور صفائی سے بدلا اور بتلایا ہے"

پھر ختم کرنیکے بعد یہ دہرید شروع کیا۔

آستائی "بنسی دھن سون بجائی بنسی الخ **انترہ** ۔ باجت سری بندرابن امرت گھنڈ رہو ۔ سوگھن گرجت بادر پربان بنسی الخ ۔ رہس رہس برکھت گوپی گھن دامن وسکے نینارت نار بھوئیں سوہین دھنکھان بنسی الخ ۔

فرخ ۔ (دوستوں سے) "دہرید ایک چار تالی چیز کا گانا بھی مشکل ہے نکنا پتے بھی جانا ساتھ ہی خوبصورت ارتھ بھی نکالنا آسان کام نہیں ہے ۔ واہ وا وا"

یہ خیال شروع کیا۔ **آستائی** ۔ ایری مان جانے نا دونگی + ایری مان جانے نہ دونگی ۔ اپنے بلم کو انکھی ان میں پل پل موند موندرا کھون اری ماں جانے نہ دونگی ۔

کاری گھٹا بجری چمکے سدا رنگیلے محمد شاہ پیارے بادر برست کہین بوند بوند ۔

راجہ بھگوان داس ۔ (دوستوں سے) "کیا پیارے ارتھ نکالے ہیں خیال کو اسنے ٹھہری کر دیا ۔ غضب کیا ۔ گوئے بھی خیال گاتے ہیں کسقدر بہائیں بہائیں اس رنڈی نے کیا پیارے سر لگائے ۔ ساتھ ہی بتلایا کیا خوب مگر خالص ایک راگ کے سر نہیں لگ رہے تھے"

فرخ "نہیں ایک راگ نہیں تھا ۔ نٹ اور جہایا دو راگنیاں ملی ہوئی تھیں"

یہ پٹہ شروع کیا۔ چمپا بوئی مانڈے انگن۔ ہوں میں تھاری واسی واری
تو ماراشا بان۔ تاسو ٹو جی ہا کاج۔ چمپا بوئی۔ الخ"

فرخ "راہ واہ! کیا لپٹی ہوئی تانیں لی ہیں۔ کہاں کی راگنی کالہرا
کیا خوب رکھا ہے۔ ٹھمری لگائی۔ دیکھی ایسی چیز سرگ سندر نار۔ نینو نینو میں کدر
من لیت ہار۔ سب سکھین مل آئیں بکیں میں۔ توڑ پھول گوندھن کو ہار۔
پھر ٹھمری لگائی۔ جاد جادو کا ہے ٹھارے ڈارے گلے باہیں۔ گھیری رہت
نت نیرے جیسے چاہیں رہے۔ جو تم ہمکا اتنا چاہت ہو۔ کدر کہت
موسے بولو نا ہیں رہے۔ ساری تفصل وجد کرنے لگی۔
راجہ بھگوان داس "گانا ایسا بتلانا ایسا سونے پر سوا گت ہے"
ولدار علیخان۔ "راجہ بھگوان داس سے صورت کی تعریف نکروگے"
راجہ۔ "ہاں وہ تو نک برجراحت پاشیدن ہے" یا یہ کہوں **فرخ علی** تو
کیونکہ جمالی و جلالی۔ دلغرخ ہیں یہ ٹھمری شروع کی "پیا سے سندیا
مورا کہہ جا کاگا رے جا رے جا۔
انتظار۔ جب سے گیو موری سدھ نہ لینو رت آئی برکھا کی پیا گھر نا۔ یاد
آوت ہیں انکی بتیاں بن دیکھے کل ناپڑت جیا جائے رے پیا سے سندیسا الخ
فرخ۔ "کس قدر قابو سروں پر ہے کافی کی ٹھمری کے بعد ملار کی ٹھمری
نے اسقدر رنگ دیا حالانکہ بے موسم کی چیز تھی واقعی اسنے منوا دیا"
انہو میاں فرخ بالکل ریشہ خطمی ہو گئے انکا دل ایسا پسیجا کہ اسکی محنت
شاقہ یعنے اسکا کھڑے رہکر گانا اور بتلانا انکو گوارا ہوا اور انہوں

نے حکم دیا کہ بیٹھ کر گائے۔ چنانچہ اداب بجا لا کر بیٹھ گئی۔ فرخ نے بسنت گانیکی فرمایش کی۔ نیہ بسنت شروع کیا۔

تیرو نیو رنگ جوبن نی رے بہار ✤ ایک کیاری بسنت کی رے

دوجے بورے آم ڈار ✤ تیجے پپیا بیچ پیو کرت ہزار

حاضرین سنے بیک زبان واہ واسبحان اللہ کی دھوم مچادی۔ فرخ نے گانے والی سے کہا اور آگے آجاؤ۔ وہ سلام کرکے آگے جا بیٹھی۔ سازندے بھی آداب بجا لاکر قریب جا بیٹھے۔ دوسرا بسنت شروع کیا۔

نیا نیارے بسنت نی رے بہار ✤ نئی موری پریت نیارے سنگار

امواں بورے ٹیسو پھولے ✤ سرسوں گیندوا پھولی چھائی بہار

مدن جو امنگے بہین متواری ✤ مدہ مین بھنبری ہیں سبھی نار

ہمایوں پیا آو ہمری سیجریا ✤ جوبن رس کی لوٹو بہار

راجہ۔ (جہ دم جھوم کر آپ ہی آپ) جیسا سنا تھا اس سے زیادہ پایا واللہ اوس سے زیادہ پایا۔ کیا پیارا گلا پایا ہے کوکلا جیسے کو کتی ہوا ہے واقعی ایسی بسنت بہار کے کیا سچے سر لگائے ہیں واہ واوا!"

فرخ (راجہ سے) "میں تم سے صرف بحرف متفق ہوں" (رنڈی سے مخاطب ہوکر) تم ضرور تھک گئی ہو ذرا دم لیلو تو پھر گانا"

رنڈی "بہت خوب۔ میں تھکی تو نہیں ہوں مگر ارشاد کی تعمیل لازم ہے"

غازی الدین "واقعی بہت دیر سے گا رہی ہیں انہیں ذرا سستانا چاہئے

(رنڈی سے) ذرا چھڑی سے دم تو لیلو"

رنڈی "میں تو کسی طرح دم لوں گی مگر آپکو دم دینا ہوگا"

غازی الدین "میں تو تمہیں دم دیتا ہوں اور دونگا"

رنڈی "یہ کسی اور کو دم دیجیے بندی ایسے بڑہاوے میں نہیں آتی"

راجہ (غازی الدین سے) "یہ تو بڑی حاضر جواب نکلیں کہو کیسا تمہارا دم بند کیا ہے"

رنڈی "ابھی کیا گیا ہے میں تو انکا ناک میں دم کردونگی اور یہہ منہ دیکھتے ہی رہینگے"

راجہ (رنڈی سے) "تمہارا نام کیا ہے"

رنڈی "جی بندی کو حیدر جان کہتے ہیں"

غازی الدین "کیا کہا کسکی جان سبحان اللہ کیا اچھوتا نام ہے یہ نہیں معلوم ہوا کس بندہ کی جان ہو خدا اسپر رحم کرے"

حیدر جان "بیشک خدا نے رحم بلکہ فضل اس بندہ خاص پر کیا جس کی میں جان ہوں" یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ حیدر جان نے اپنا چاندی کا پاندان منگا کر گلوریاں لگائیں خود بھی کہائیں اور ایک خوبصورت سی نقرئی تھالی میں چند گلوریاں رکھکر اہل جلسہ کے سامنے خود لیجاکر رکھدیں اہل جلسہ نے مہنکر حیدر جان کا شکریہ ادا کیا۔

راجہ بھگوانداس "تمہارے نام نامی بلکہ گرامی سے واقف ہونیکی توہم سب کو خوشی ہوئی اپنا وطن مالوف بھی بتلادو"

حیدر جان ۔ "بتہ خانہ بدوشوں سے نہ پوچھو آشیانہ کا ✤ کبھی گلشن میں مسکن ہے کبھی صحرا میں بستر ہے" غریب الوطنی میرا وطن ہے ۔ جناب راجہ صاحب ہم مصیبت ماریوں کا وطن ہی کیا وطن ماشاء اللہ آپ جیسے رئیسوں کا ہوتا ہے ۔ ہمیں جہاں پاؤں سیر آٹا ملگیا وہی وطن ہے اور ہر جا کہ شب آمد سرائے من ۔ مگر بخیال **اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبْ** ارشاد والا کی تعمیل واجب ہے اسلئے عرض کئے دیتی ہوں ایسی اُجڑے دیار کی ہوں جسے لکھنو عرف اختر نگر کہتے ہیں زمانۂ قدیم میں اسکو لکھنا پور بھی کہتے تھے وہ بھی ایکدن لکھنو کا تھا ✤ سنا رضواں بھی جسکا خوشہ چیں ہے وہ بیشک لکھنوی کی سرزمیں ہے مگر اب تو کھنڈر ہے جبھی تو وہاں کے ذرّے یوں دربدر اوڑے پھرتے ہیں"

غازی الدین ۔ "یہ تو بڑی موزخ و محقق بھی ہیں ۔ جب ہی اسقدر منکسر واقع ہوئی ہیں کہ انکسار کے دم میں نمدا باندہ دیا اور اپنے تئیں ذرہ سمجھنے لگیں ۔ میں انہیں خورشید رو سمجھتا ہوں انکی بانکی ادا کی شعاعوں نے مجھے جلاڈالا"

حیدر جان (غازی الدین سے) "آپ کو تو آتش شوق نے جلایا ہے ۔ پروانے اگر شمع پر جل مریں تو بیچاری شمع کا کیا قصور"

راجہ (آہستہ سے غازی الدین سے) "میں سچ کہتا ہوں میرے سر میں بھی عجیب حالت ہے ✤

اچھی صورت سنگ مقناطیس ہے ✤ یار کی جانب کھینچے جاتے ہیں ہم

اس کا فراد نے مجھے بھی لبھا لیا۔
حیدر جان باتیں بھی کئے جاتی ہے اور رہ رہ کر ترچھی چتون کا حسرت آلودہ تیر فرخ پر لگا دیتی ہے۔ آنکھوں کی زبان ایک زبان خاص ہوتی ہے۔ فرخ جو بساط عشق بازی میں شاطر کامل ہے اور کئی بار بازیاں لے چکا ہے اس زبان سے خوب آشنا ہے وہ بھی ان تیروں کا جواب گہائل کن نظروں کی گولیوں سے دیتا ہے۔ حیدر جان کبھی فرخ کی آنکھ سے آنکھ ملا کر سہ مکہ دیکھتی ہے کبھی رسیلی نشیلی آنکھوں کے گوشوں سے دیکھتی ہے کبھی مسکرا کر بجلی گراتی ہے جسکا جواب فرخ بھی متین چیں مسکراہٹ سے دیتا ہے یہ دلکش ادائیں حیدر جان کی فرخ کے لئے محبت کا پیغام بنگئیں۔ ڈاکٹر سیف الدین جو ساقی بنا ہوا گلاس بھر بھر کر اہل جلسہ کو تقسیم کر رہا تھا تھوڑے وقفہ کے بعد دے رہا تھا حیدر جان کو مخاطب کر کے بولا "اگر بار خاطر نہ ہو تو اس آب حیات کا ایک جام پیش کروں اگرچہ تم خود خضر راہ آب بقا یافتہ ہو"۔

حیدر جان "آپکی ذرہ مطلب تعریف کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ بندی اس لائق ہے۔ آپ حضرات کی ذرہ نوازی ہے جو اس سے مجھے معاف فرمائیے۔ مجھے عادت نہیں ہے۔ اتنا قصور عرض کر دوں گی آپکو بہت جلد میرا خیال آیا۔

راجہ۔ (سیف الدین سے) "اصرار نکرو شاید انکو عادت نہیں"۔

فرخ (راجہ سے) تم بھی عجب گو کھے ہو۔ یہ نہ سمجھے کہ کس خوبصورتی سے

و اظہار رضامندی کیا ہے اور سیف الدین کو جو ساقی کی دم بنے ہیں کنایتہً طعن کا کیا وار لگایا ہے (سیف الدین سے) ضرور انکو دو بلکہ انکی شرکت کے نشہ کر کرا ہو رہا ہے" حیدر جان نسرخ کی ذہانت پر دلمیں پھڑک گئی

غازی الدین - (حیدر جان سے) ضرور اسکو منہ سے لگاؤ اور اوشس سمجھے دیدو" حیدر جان گیلاس ہاتھ میں لینے کے بعد کھڑے ہو کر اہل جلسہ کو آداب بجالائی - پھر بیٹھکر ایک گھونٹ پیا گلاس رکھکر (غازی الدین سے مخاطب ہو کر بولی) "آپکے ایک حکم کی تعمیل کی اسے منہ تو لگایا مگر یہ بھی آپکو معلوم ہے منہ لگائی ڈومنی ناچے کمال میتال - منہ لگانا سر چڑھانا برابر ہے اب میں اپنی گستاخیوں کی ذمہ دار نہیں - میرا اوشس بھی اسیکو نصیب ہوتا ہے جسپر خدا رحم کرتا ہے - آپ اپنا منہ دھو رکھئے وہ بھی بجول کے کانٹوں سے - حلوا خورون را روئے باید - آپ اپنی صورت پہلے بنوائیے"

دوارکا پرشاد - "یہ گلچیں کبتک کچھ گانا بجانا بھی ہو گا رات بھیگ رہی ہے دو چار چیزیں اور گوا کر جلسہ برخاست کرنا چاہیئے -

حیدر جان نے گانا شروع کیا پہلے درپے دو غزلیں عاشقانہ مذاق کی گائیں جنکے مضامین پر از اشتیاق ہے اور روئے سخن فرخ کیجانب تھا اور جب فرخ کو دیکھتی تھی تو فرخ کی حالت بمصداق اس شعر کے ہو جاتی تھی ؎

جب نظر سے نظر دوچار ہوئی ✦ ایک برچھی جگر کے پار ہوئی

غازی الدین (نسخ سے) ؎

یہ تو نظروں میں پھرے جاتی ہے تمکو فرخ + رنگ بیڈھب نظر آتے ہیں خدا خیر کرے

فرخ "تم اپنی خبر لو۔ مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو"

دوارکا پرشاد (اہل جلسہ سے مخاطب ہوکر) بدھ ماگھ کا مہینا چند روز کا مہمان ہے پھر تو پھاگن صاحب تشریف لانیوالے ہیں کیوں نہیں ابھی سے انکا استقبال کیا جائے۔ ہوریاں انسے سنی چاہیں"۔

اہل جلسہ نے یہ تحریک منظور کی اور حیدر جان کو فرمایش ہوری گانیکی کیگئی حیدر جان نے ہوری شروع کی ؎

ہوری آج جرے چاہے کال جرے + مورے کنور کنہائی سوے آن ملے

کنور کنہائی بڑے ہرجائی + عبیر گلال کو آگ لگے

ہوری آج جرے الخ۔

فرخ (حیدر جان سے) "کوئی پرانی وضع کی ہوری گاؤ"۔

حیدر جان "دھمار کی کہوں یا سادی"۔

فرخ "سادی کہو"۔ حیدر جان نے یہ ہوری شروع کی۔

آستائی۔ مورے سانورے نگاری سی + اے وی سینے کچھونا کہی

انترہ سات گو کہلات منہرانگری + بیچ بیچ جمنا بہی۔ آپ کرشن ہر پار اتر گئے میں تو تکتی کی تکتی رہی + میرو سانورے الخ اکیلے اور ہوری شروع کی۔

آستائی۔ بیدری سے پیت لگائی۔ میکا جوگن بنائی۔

انترہ - پی نہیں اے پھاگن ماس ✤ کچھو نہیں دیت سوجھائی
اُن بن جیرا دہک بیاکل ✤ ہمری سدھ بسرائی -
دھیرج دھرو نہیں جائی - بیدردی سے الخ -

انترہ - گگ ہیر ہیر نینا تہکت ہیں ✤ نہیں آوت ہر جائی -
کاسو کہوں اپنی تہسا میں ✤ ہمری توست بورائی -
چلت نہیں کو اُپائی ✤ بیدردی سے الخ -

انترہ - پرتم پریم لگا من لینا ✤ انت کرت جیتر ائی -
میں برہن مورکھ انناری ✤ پیت لگا پچھتائی -
کو اُن جا سمجھائی ✤ بیدردی سے الخ -

انترہ - آس میں پی کے ات دن بیتے ✤ پی نہیں دیت دیکھائی -
ہا یون پیا کرپا کرو مو پر ✤ میگی دو درشن آئی -
نہیں تو دوں گی دہائی ✤ بیدردی سے الخ

(گانے کے دوران میں)

راجہ بھگوان داس - (دوستوں سے) "یہ ہوریاں اگرچہ پرانی طرز کی ہیں مگر پُر اثر ہیں"

فرخ - گانے کی ترکیب نے اور بھی رنگ دیدیا ہے - سازندے بھی اپنے فن کے اوستاد معلوم ہوتے ہیں - طبلیہ کا کیا پیارا ہاتھ ہے - بیطرح لئے دار ہے بول کیا خوب کاٹتا ہے - مضراب بھی ہے - تروٹ کے بول کس صفائی سے نکالتا ہے"

راجہ بھگوان داس۔ "ماشاءاللہ تمہارا ہاتھ اور تمہاری دانست بھی کچھ کم نہیں ہے۔"

فرخ۔ "(حیدرجان کو اشارہ سے قریب بلاکر)۔ اگرچہ بیوقت کی شہنائی ہے مگر تجھے پسند ہے تو بیچ میں کوئی ہوری کہو" حیدرجان نے یہہ ہوری شروع کی۔

استھائی۔ کون جات برج میں دودھ بیچن رنگ ڈاری چوندر ساری۔

انترہ۔ ایک ہاتھ میں مورا انچرا پکرا دوسرا ہاتھ پچکاری۔ چھوڑ دے للا مورا انچرا پھٹت ہے تم جیتے ہم ہاری"

چونکہ فرخ کی فرمایش خاص کی تعمیل کرنی تھی۔ خوب جی کھول کے اور بہت ہی خوش فکری کے ساتھ گائی جو تانیں اور پلٹے لئے ایک دوسرے سے بالکل الگ انچینں بھی بہت دلکش لیں اسپر سے ارتھ نکالنے میں وہ باریکیاں اور نزاکتیں پیدا کیں کہ اہل جلسہ بے بیتابانہ طریقے سے واہ وا کی دھوم مچادی تعریفوں کی بوچھار کردی

فرخ۔ (حیدرجان سے) "دو چار دورے گاکر ختم کرو" یہہ واورا شروع کیا۔

موریاں نے بہیاں مروڑ ڈاریں + لپٹ چمٹ چوریاں توڑ ڈالیں۔ مورے سیاں الخ۔

کدر پیا تم ہمسے نہ بولے تم ہو ناری موہے دیت گاری۔ مورے سیاں الخ

راجہ۔ "غارہ میں کوئی دادرا کہو" غارہ میں دادرا شروع کیا۔
سنوریا نینا لگائے کہیں اور ؛ دیکھی پیں ایسی لاکھوں ہیں گھاتیں
چھیتے نہیں یہہ طور۔
رات کدر پیا کہاں رہے تھے ؛ ڈھونڈھ پھری ٹھور ٹھور۔
بطور خود یہ دادرا شروع کیا۔
میرا دل تو دیوانا جان تیرے لئے ؛ جان تیرے لئے جان تیرے لئے
جب سے کہ میں نے نینا لگایا ؛ مورا بابا ساجن تیرے لئے میرا دل تو الخ
نواب دلدار علیخان۔ (جس کو سرور زیادہ ہوگیا تھا فرخ کو مخاطب کرکے)
لو مبارک ہو ساری ساری چیزیں تمہارے لئے (حیدر جان سے)
ارے کچھ میرے لئے بھی ظالم۔
گل پھینکے ہے غیر ونکی طرف بلکہ ثمر بھی ؛ اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی
(دوستوں کو مخاطب کرکے) بھی میں تو میں میں بے موت مرا۔ دن ڈھارے لوٹا گیا۔ ؎
دل پھر و دزدستم صاحبدلان خدارا ؛ دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا
غازی الدین۔ (فرخ سے) تم تو قسمت کے سانڈہ ہو فرخ ؛
پھانستے تک نہ شکار ہو تم۔ (حیدر جان کی طرف اشارہ کرکے)
اس کی نظریں تو تمہیں پہ گڑی ہیں"
فرخ۔ (غازی الدین سے) تم تو خدائی فوجدار نکلے کوئی کسی کو
دیکھے نہیں جس کو جو دیکھے وہ اوس کا شکار ہے۔

غازی الدین - دیکھنے دیکھنے میں فرق ہے۔
لاکھ پردے میں ہوں پر چھپتی ہیں کب + چشم نمین الفت کی تیور پیار کے
(فرخ سے) ہم لوگوں سے اوڑ کر کہا کہاں جاؤ گے۔ اوس استاد کو
واللہ اوستاد ہو۔ خوب پہچانتے ہیں جو چور کو تھانے والے ہا ہا ہا۔
ہی ہی ہی۔ (حیدر جان سے) ایک نظر سے خوش گذرے اودھر بھی
ہاں اوادھر سے دیکھ لو جاتا رہے گلا دل کا۔ بس ایک نگاہ ایلو
بھول گیا۔

راجہ - بس ایک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا۔

نواب - ہاں ٹھیک کہا یہی مصرعہ ہے۔
یار و مجھے معاف کرو میں نشہ میں ہوں + یہ نہیں شیشہ میں مے ہے میں نشہ میں ہوں
کہو کیا کہی ہے۔

فرخ نے دیکھا کہ اب رنگ بیڈھب ہے اہل جلسہ پر نشہ غالب ہوا
جاتا ہے۔ جھٹ جلسہ برخاست کر دیا۔ حیدر جان سے کہا گانا ختم کرو رات
زیادہ آگئی۔ یہ بھی کہا کہ یار زندہ صحبت باقی انشاء اللہ پھر بلائیں گے
ہڈ بٹلر سے کہا کہ دو روپے سواری کا کرایہ اور دو روپے خوراکی کے
پچاس روپے ناچکے دیگر طایفہ کو رخصت کرو۔

انیسوان باب

حُسن فروشان بازاری عموماً روپیہ کی بھوکی ہوتی ہیں شاذ ایسی بھی ہیں جو ان کے اعلیٰ صفات کی خواہشمند ہوں حیدر جان کا شمار آخر الذکر طبقہ میں کرنا چاہیئے۔ اوس کا شیوہ زر پرستی و زر کشی نہ تھا بوجہ صورت دار و نفاست پسند و طبیعتدار و اعلیٰ صحبت یافتہ ہونیکے اپنا پیشہ گانا بجانا اوس نے قرار دے رکھا تھا اور عصمت فروشی عموماً معیوب سمجھتی تھی جس طرح مخصوص حالتیں ہر انسان کو بعض اوقات اوس کے اصول موضوعہ کے خلاف کسی کام کے کرنے پر اوکو مجبور کرتی ہیں اوسی طرح حیدر جان بھی فرخ کی مفتوح و مفتون ہوگئی تھی۔ فرخ میں وہ سب باتیں موجود تھیں جن کی حیدر جان دل سے گاہک تھی۔ مرغ دل کیوں نہ پھنسے دانہ بھی ہے دام بھی ہے گو طبیعتداروں کی طبیعت کا عموماً یہہ خاصہ ہے ؎

خوبرو دیکھے تو دم دینے لگے ۔ خوطبیعتدار کی اچھی نہیں۔

مگر فرخ ہر خوبرو کو دیکھکر پھسل نہیں پڑتا تھا۔ تاوقتیکہ خوبروئی کے ساتھ اور بھی صفتیں فرخ کے خیال و مذاق کے موافق نہ ہوں وہ اودھر رخ بھی نہیں کرتا۔ اوس کی طبیعت نقاد اور بال کی کھال نکالنے والی

واقع ہوئی ہے اس لئے اس کا عمل اس شعر کے مضمون کے مصداق رہا
اُسپہ آتی ہے جو ہولا کہو نہیں اچھا ایدل ؛ نازہے مجھکو کہ ہے میری طبیعت کیسی
اس سے ظاہر ہے کہ حیدر جان پر جو فرخ کی طبیعت آئی تو علاوہ صورت
واری کے حیدر جان میں کچھہ اور بھی بابت ہوگی جس نے فرخ کو اپنی جانب
کھینچا بسنت کے جلسہ والی شب سے فرخ کی طبیعت حیدر جان پر آگئی تھی
جلسہ کی رات کو کھانے پینے میں کچھہ بد احتیاطیاں جو فرخ سے ہوئیں
تو بھیلے پہر سے اوس کا مزاج جادۂ اعتدال کے باہر ہوگیا اور تین چار روز
ناسازیٔ طبیعت تین چار روز فرخت کے فرخ کو بہت گران گزرے مصرعہ
ع نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال ۔ غرض جلسہ کے پانچوین
روز حیدر جان کو بلوا بھیجا ع
قاصد کو اوسطرف تو نبیت کیا رواں ؛ سامان عیش جملہ مہیا کیا یہاں
حیدر جان کو جب فرخ کا پیغام پہونچا تو منھ مانگی مراد اوس کو مل گئی
اونگتے کو ٹھیلتے کا بہانہ کافی ہوتا ہے تا بمقدور خوب بناؤ سنگار کر کے
پھولوں اور عطروں میں بس کر بعد مغرب کڑوں کو چھڑوں سے بجاتی چھم
چھم کرتی عجب ناز و انداز کے ساتھہ گاڑی سے اُتری ۔ میاں فرخ جو پہلے
ہی سے بن سنور کر مجسم انتظار و اشتیاق کی صورت بنے ہوئے آہٹ پہ
کان دھرے اور در پہ نظر کئے بیٹھے تھے جلدی سے پیشوائی کو اوٹھہ کھڑے
ہوئے اور چند قدم آگے بڑہکر ہاتھہ میں ہاتھہ دیکر حیدر جان کو اپنے برابر
مسند پر لاکر بٹھایا حسب معمول صحبت سے پہلے سے گرم تھی دور پر دور

چل رہے تھے۔ ہارمونیم اور طبلہ نوازی بھی ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر سیف الدین غازی الدین احمد و راجہ بھگوان داس شریک صحبت تھے۔ حیدر جان کی شرکت نے جلسہ کی گرما گرمی و مزیداری میں اضافہ کر دیا۔ تھوڑی دیر گانا بجانا ہوا۔ پھر ہنسی مذاق چہلیں ہوتی رہیں کھانا سب نے مل کر کھایا۔ شب کے گیارہ بجے کے بعد خلل اندازوں سے نجات ملی یعنے سیف الدین وغیرہ رخصت ہو کر اپنے اپنے گھر گئے ؎

اور ہی اب تو بزم کا ہوا رنگ ٭ اور ہی اب تو بزم کا ہوا ڈھنگ

بس اوسی وقت سے بقول شخصے یہ بلا قدموں لگی۔ حیدر جان فرخ کے گلے کا ڈھولنا بن گئی۔ دونوں میں تعلقات دن بدن بڑھنے لگے ؎

وصال یار سے دونا ہوا عشق ٭ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

جانور کی قربت بھی اس کی چاہت بڑھاتی ہے۔ بقول شخصے سگ حضور بہ از برادر دور۔ نہ کہ یہ تو انسان صنف نازک اسپر سے مستزاد اوس کی اطاعت گزاری و تابعداری نے فرخ کو موہ لیا۔ کچھ عرصہ سے نظام الاوقات و طریقہ زندگی فرخ کا اس طرح پر تھا۔ چاء و ناشتہ سے فارغ ہو کر صبح کے آٹھ بجے فرخ اپنی ڈسپنسری کہ جو محلہ افضل گنج میں قایم کی گئی تھی چلا جاتا تھا اسی مکان کے ایک حصہ میں بڑے پیمانہ پر میڈیکل ہال بھی تھا موسوم بہ فرخ میڈیکل ہال، جہاں دوائیں فروخت ہوتی تھیں۔ چونکہ تازہ اور مستند دواؤں کا ایک بڑا ذخیرہ ہر وقت موجود رہتا تھا اور دو لایق کمپونڈر فرخ کی زیر نگرانی نسخہ سازی کرتے تھے اس لیے اکثر ڈاکٹر اپنے

نسخے نہیں بنواتے تھے۔ اوسط آمدنی بعد وضع اخراجات چار سو روپے
ماہانہ میڈیکل ہال سے ہوتی تھی لیس کے بھی چار یا سو روپے ماہانہ فرخ کو
وصول ہوتے تھے۔ صبح کے آٹھ بجے سے بارہ بجے تک فرخ ڈسپنسری
میں رہا کرتا تھا۔ بارہ بجے اپنے مکان مسکونہ کمنٹ گوشہ محل میں آنا کھانا کھا کر
تھوڑی دیر استراحت کرتا دو بجے پھر ڈسپنسری کو جاتا اور چھ بجے کے قریب
مکان واپس آکر شریک جلسہ ہوتا دس گیارہ بجے تک گانے بجانے پینے
کھانے کی صحبت گرم رہتی تھی۔ حیدر جان نے چار مینار کے متصل والا
مکان چھوڑ کر بازار سدی عنبر میں لب سڑک کمرہ لے لیا تاکہ فرخ کے مکان
مسکونہ سے قریب ہو۔ فرخ شام کو ڈسپنسری سے واپس آنیکے بعد اپنی اوپس
جان گاڑی حیدر جان کے لانے کے لئے بھیج دیتا تھا حیدر جان بھی آتے
ہی شریک صحبت و جلسہ ہو جاتی تھی۔ شب کا کھانا فرخ کے ساتھ کھاتی
صبح کے سات بجے اپنے گھر چلی جایا کرتی۔ یوں تو ہر شب شب برات
سے زیادہ چہل پہل اور رنگ رلیوں میں گزرتی تھی جب سے حیدر جان کا
قدم آیا تھا جلسہ بازیاں بڑھ گئی تھیں ہفتہ میں دو تین دفعہ ڈسپنسری
بھی ناغہ ہونے لگی تھی ڈنر اور پارٹیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی ایسے
اللے تللے کے بے سرو پا اخراجات کے لئے قارون کا خزانہ بھی کافی
نہیں ہو سکتا تھا خوش قسمتی سے فرخ کی معاش کا ذریعہ ملازمت نہ تھی
ورنہ ملازمت کی محدود آمدنی جس میں گنی بوٹی ناپاشور بالتا ہے فرخ کا
پلیتھن نکال دیتی اور ضرور وہ مقروض ہو جاتا پھر تو ڈگریوں کی تعمیل میں قرقیاں

آتین اور اوس کو ہر طرح کی ذلت کا سامنا ہوتا۔ پریکٹس کی آمدنی
تو بالکل کم ہوگئی تھی مگر ٹیبل ہال کی آمدنی نے زیادہ قرض سے محفوظ
رکھا اور پس انداز ایک کوڑی بھی نہ ہوسکی جو کماتا وہ لٹاتا تھا اس
افسوسناک حالت میں کامل چار سال گزرے۔ حافظ عنایت اللہ خاں
نے کئی دفعہ فرخ سے کہا کہ شادی کرلو تجرد کی زندگی میں بے شمار
زحمتیں اوٹھانی پڑتی ہیں مگر فرخ نے ہر دفعہ حیلے حوالے کرکے ٹالدیا
حیدر جان کے تعلق کی کیفیت اور فرخ کے طرز معاشرت و اخراجات
کی حالت جب سے حافظ عنایت اللہ خاں کو معلوم ہوئی تھی وہ
بہت مشوش و پریشان ہوگئے تھے چونکہ فرخ سے انھیں بیحد
اُنس ہوگیا تھا اوس کی صلاح و فلاح کو عین اپنی اصلاح و فلاح
سمجھتے تھے اس لئے اون کو ہر وقت یہہ فکر لگی رہتی کہ کسی طرح
فرخ کی حالت درست ہو۔ آخر یہہ تدبیر اونھوں نے سوچی
کہ فرخ کی شادی جس قدر جلد ہوسکے کسی لایق و حسین اور
معجھدار لڑکی سے کردی جائے جو فرخ کی اصلاح کرے مگر یہہ امر
آسان نہ تھا ایک تو اس وجہہ سے کہ فرخ کی اوباشانہ روش
کوئی راز سربستہ و مخفی نہ تھی ایسی حالت میں کوئی شریف دیدہ و
دانستہ اپنی لڑکی کنوئیں میں ڈھکیل دینے سے رہا دوسرے یہہ کہ
فرخ کو شادی کے نام سے بیزاری اور چڑ ہوگئی تھی درحالیکہ وہ
رضامند ہو بھی جاتا تو ایسی لڑکی کا ملنا جو شریف الخاندان نجیب الطرفین

ہو سینکڑوں سوا حسین و تعلیم یافتہ بھی ہوں اور فہمیدہ و خوش تدبیر بھی ایسی ہو کہ فرخ جیسے الجھے ہوئے کو سلجھائے از حد دقت طلب امر تھا مگر باین خیال ؎

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد ٭ اگر خارے بود گلدستہ گردد

حافظ عنایت اللہ خاں نے نہایت ہمت و استقلال سے کام لینا شروع کیا ایک طرف تو مشورہ دادا و نازی الدین احمد وغیرہ فرخ کو شادی کرنے پر رضامند کرنے کی کوشش شروع کی دوسری جانب لڑکیوں کا تلاش کرنا شروع کیں۔

فرخ کی قابلیت و صورت و ظاہری ثروت و دولتمندی کے خیال سے دولتمندوں کے ہاں سے بہت سے پیغام آئے مگر حافظ صاحب جو فرخ کے خیال و مذاق سے بخوبی واقف تھے دولت کی جانب متوجہ و ملتفت نہیں ہوئے حافظ صاحب اپنی فکر و تدبیر ہی میں تھے کہ اسی اثنا میں ایک دن تقریباً صبح کے دس بجے نواب دلدار علی خاں بہادر فرخ کے ہاں آئے اور ان دونوں میں باتیں ہونے لگیں۔

فرخ۔ "کہو جی آج اس وقت خلاف معمول کیوں آئے"

دلدار علی خاں۔ "ہاں خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ میں کچھ پیر خرید نے سکندر آباد گیا تھا وہاں سے لوٹا راستہ میں خیال آیا کہ آج جمعہ ہے تم گھر ہی میں ہوگے تم سے ملتا چلوں اور یہ بھی کہتا جاؤں کہ انشاء اللہ

آج شام کی ٹرین میں ہفتہ عشرہ کے لئے مع زنانہ جاگیر کو جاؤں گا تم شام کو میرا انتظار نہ کرنا۔"

فرخ۔ "تو کیا تمہاری بیوی بھی جائیں گی؟"

دلدار علیخان۔ (ہنسکر) "بیشک وہ بھی جائینگی مال عرب میں عرب۔ قصد تو ہفتہ عشرہ سے زیادہ وہاں قیام کرنے کا نہیں ہے مگر یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ زیادہ عرصہ تک رہنا پڑے ایسی حالت میں بغیر بیوی کے کھانے پینے کا معقول انتظام و آرام ہو نہیں سکتا تم کو معلوم ہے ارے توبہ تم کو کیا معلوم مگر تم نے سنا تو ہے بقول شخصے شادی نہیں کی براتیں تو دیکھی ہیں۔ ہر کہ زن ندارد آرام تن ندارد۔"

افسوس تم اس لذت سے واقف نہیں ہو۔ زبان تک آئی بات مشکل سے رکتی ہے برا نہ مانو تو کہدوں۔ تم کب تک ایسی بے لطف زندگی بسر کرو گے۔ پردیس میں تمہارا نہ کوئی ہمجولی ہمدرد نہ مونس و غمگسار ہے۔ رنڈی کسیلی بھی ہوئی ہے جو تمہاری ہوگی۔ خدا کے لئے صدر جہاں سے نہ کہدینا کہ میں اس طرح کہتا تھا پھر تو وہ میرے خون کی پیاسی ہو جائے گی اور میرے وہ لتے لیگی اور تکے تڑوا دے گی کہ توبہ ہی بھلی نہ ہوگی۔ کہیں یہ نہ خیال کرنا کہ میرا دل اوس پر آیا ہوا ہے اس لئے تم چھوڑنا اور توڑانا چاہتا ہوں۔ اصل وجہ یہ ہے کہ میرا دل تمہاری حالت دیکھکر دکھتا ہے میں چاہتا ہوں کہ کسی طرح تمہارا گھر آباد ہو علاوہ آرام و آسائش کے مناسب شخص کی وقعت بھی نسوانی اسٹیٹ میں بیکار اور بے

ہوتی ہے نہ معلوم تم اس کو محسوس کرتے ہو یا نہیں۔ تمہاری پریکٹس پر بھی بہت بُرا اثر پڑ رہا ہے مستورات کے معالجہ کے لئے اب تمہیں کوئی پوچھتا تک نہیں حالانکہ اس شعبہ میں تم بدطولیٰ رکھتے ہو۔ خیر و برکت بھی بیوی سے ہوتی ہے۔ تمہارے نوکر الگ تمہیں لوٹے کھاتے ہیں للہ میرا کہنا مانو اور شادی کرو۔ بیوی عجب نعمت ہے اگر مزاج کے موافق ملگئی تو دنیا میں جنت ہے۔"

فرخ ۔ "چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں۔

تم لوگوں نے تو میرا ناک میں دم کر دیا ہے۔ خصوصاً جناب حافظ صاحب قبلہ نے اور غازی نے اس معاملہ میں مصرعہ اپنی قسمت کو زیادہ دیکھا۔ اب تو شادی کے نام سے مجھے بخار آتا ہے۔ مجھے اپنی حالت پر تم سب چھوڑ دو۔ میں تمہاری ہمدردی کا دل سے مشکور ہوں مگر فرمائش کی تعمیل میں مجبور ہوں۔ میں اپنی دلی حالت کا اظہار کسی پر کرتا نہیں ؎

دل کی دل ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی ۔ جب دل کو ہی کھو بیٹھے پھر آرزو کہاں ہے

بقول حضرت امیر مینائی ؎

دل ہی نہ رہا اسد کیسی ۔ جب ٹکٹ گئی بخل آرزو کی

جب آرزوؤں کا خون ہوا تو دل بھی اوس کے ساتھ ہی نکلا۔ میں اس وقت تم سے کہکر اپنی حالت کہہ رہا ہوں۔ تم سب یہ سمجھتے ہوگے کہ جو صدمہ میں نے اوٹھایا اُسے میں بھول گیا۔ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ یہ

گانا بجانا پینا کھانا ہنسی مذاق سب ظاہری باتیں ہیں اگر یہہ اشغال نہ ہوتے تو کبھی کا میں راہی ملک بقا ہو جاتا حیدر جان کا لقمہ بھی یونہی سمجھو حالت سرور میں میری طبیعت اوس پر آگئی تھی اوس کے بعد سے تو پھر نباہنا رہگیا ہے تھوڑی دیر کے لئے میری دلبستگی بھی اوس سے ہو جاتی ہے غم غلط کرنے کے لئے اور تھوڑی دیر افکار سے محفوظ رہنے کے لئے یہہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے ورنہ جو کچھ میرے دل پر گذرتی ہے اوس کا علم صرف عالم الغیب حقیقی کو ہے۔ حیدر جان کا وجود بھی کوئی سال بھر سے لیخے جب سے اوس کی ماں لکھنؤ سے آگئی ہے تکلیف دینے لگا ہے اس میں شک نہیں کہ وہ اپنی ذات سے بے طمع اور نیک خصلت ہے مگر اس کی ماں ہزار نائیکاؤں کی ایک نائیکہ ہے اور وہ کمبخت اپنی ماں سے اس درجہ ڈرتی ہے کہ شیطان سے بھی کوئی اتنا نہ ڈرتا ہوگا اوس کی ماں سکھاتی رہتی ہے یہہ لو وہ لو نہ لڑو۔ قطع نظر ان سب باتوں کے بقول تمہارے کہ مزاج کے موافق ہو ملے تو دنیا میں جنت ہے۔ اس کو تو میں بھی جانتا ہوں مگر ملنا امر بسیار مشکل و کار بست دشوار اسی لیے شادی کا خیال بھی دل میں نہیں آتا اور جو کبھی بھولے چوکے آجاتا ہے تو بدحواس کر دیتا ہے۔"

دلدار علیخاں۔ (دل میں اس خیال سے خوش ہو کر کہ فرخ کی طبیعت معلوم ہوتا ہے حیدر جان سے پھر گئی ہے یہی موقع فرخ کو ترغیب دینے کا ہے) اس وقت تمہاری دلی حالت مجھ پر ظاہر ہوئی جس نے مجھے بہت

افسردہ و متاثر کیا۔ اب تو میں تمہیں ضرور شادی کرنے پر مجبور کروں گا
تاکہ ایک سچا ہمدرد اور بے لوث رفیق تمہارے پہلو میں بیٹھکر تمہارا
دل بہلائے۔ خدا سے پسند نہیں ہے کہ تم کو ایسا جوڑا عطا کرے
کہ تمہارا دلی مدعا حاصل ہو۔ یہ میں نے مانا کہ خیال و مزاج کے موافق
بیوی کا ملنا بہت دشوار ہے اور کسی کو ملجانا اس کی خوش قسمتی کی دلیل
ہے۔ اسی واسطے شادی بیاہ کے معاملہ کو لوٹری لینے جیسے سے
تشبیہ دیتے ہیں۔ فرضاً تمہارے خیال کے موافق بیوی کا ملنا تو
اور بھی مشکل ہے۔ تم جانتے ہو لڑکی عالیخاندان نجیب الطرفین بھی ایسی
ہو کہ اوس کی ساتھ بیٹھی میں کہیں داغ بدنامی کا نہ ہو۔ دادی نانی تو
ایک طرف (متبسم ہوکر) پردادی لکڑدادی چھکڑدادی سکڑدادی
پرنانی لکڑنانی چھکڑنانی سکڑنانی تک شریف خون رکھنے والیاں
پاک دامن بھی ایسی کہ سہنکیں کھانے والیاں گذری ہوں اسپر
لڑکی شکل و شمایل میں پری چہرہ رشک قمر مہنکمہ نفاست پسند طبیعت
خدا ترس عفت مآب باذاق عالی خیال بلند حوصلہ سلیقہ شعار کریم النفس
ذکی الطبع اور اعلے درجہ کی تعلیم یافتہ ہو غرض دنیا بھر کی خوبیوں کا مجموعہ
ہو۔ لاکلام یہ شرطیں بیحد سہی اور ایک ہی نفس میں ان تمام صفتوں کا
اجماع بظاہر ناممکن معلوم ہوتا ہے مگر صانع حقیقی کی صنعت کاملہ سے بعید
نہیں ہے دنیا خالی نہیں ہے مصیبت کے بعد خدا راحت دیتا ہے
ممکن ہے کہ باری تعالی کو تم پر رحم آیا ہو اور ایک ایسا جوڑا روزازل میں

تمہارے لئے مقرر کر رکھا ہو جس سے تمہاری سب کلفتیں دُور
ہو جائیں اور تلافی مافات ہو میری بیوی کا قبیلہ بہت بڑا ہے اور علاوہ
عزیزوں کے اون کی ملنے جلنے والی بیبیوں کی بھی کثیر تعداد ہے
اس لئے بہت سے گھرانوں میں اون کی آمد و رفت ہے تمہارے
ماں باپ نے ان پر ظاہر کر کے اون سے کہا کہ کوئی لڑکی تمہارے لئے
تجویز کریں۔ اونھوں نے بڑی تلاش و غور و خوض کے بعد مجھے ایک
گھر کا پتہ دیا میں تو سنتے ہی پھڑک گیا۔ اوس لڑکی کو میں نے بچپنے میں
بارہا دیکھا تھا۔ اور میری بیوی تو اب بھی اکثر ملا کرتی ہیں جو کچھ تمہارا
خیال ہے تقریباً وہ سب باتیں اس میں تھوڑی بہت ضرور موجود
ہیں مگر ڈر یہ ہے کہ لڑکی کے والدین راضی ہوتے بھی ہیں یا نہیں
میری بیوی مجھ سے کہتی تھیں کہ بڑے بڑے دولتمندوں اور اعلےٰ
عہدہ داروں کے ہاں سے نسبتیں آئیں مگر اب تک کہیں کا پیغام
پسند و منظور نہیں کیا۔ تمہاری طرح اون کے دماغ بھی اُڑے ہوئے
ہیں وہ صرف دولت کے خواستگار نہیں ہیں بلکہ شرافت نسبی
نیک رویہ اعلیٰ درجہ کی قابلیت علمی اور تھوڑی بہت صورت
لڑکے میں ڈھونڈتے ہیں اور لڑکا والی روٹی سے خوش ہو
عنایت الٰہی سے ان میں سے کسی بات کی بھی تم میں کمی نہیں ہے
مگر..... یعنے یہ کہ تمہاری پینے تمہاری شراب خواری وغیرہ کی
جو بُری شہرت ہو گئی ہے اس سے میرا جی ڈرتا ہے کہ وہ کہیں ہچکچائیں

نہیں کیونکہ لڑکی کا معاملہ ہے ہر شخص کی نظری خواہش ہے کہ لڑکی کا ہاتھ کسی اچھے کے ہاتھ میں دیا جائے یوں تو ہر طرح سے تم اہل و شایان اوس لڑکی کے ہو لیکن وہی..... (کچھ سوچکر) خیر اس کا بھی اس قدر مضایقہ نہیں ہے، اس زمانہ میں شراب سے کون امیر زادہ اور اعلیٰ عہدہ دار بچا ہوا ہے مگر تم نے جو اپنے پیچھے دم چھلا لگا لیا ہے ان کو طرہ رکھنے کا سوت کا نام ہی بُرا ہے"

فرخ (کچھ متحیر ہوکر) "درحقیقت کوئی لڑکی حیدرآباد میں ان اوصاف سے متصف نہیں ہے جن کا میں خواہاں ہوں۔ میرا دل قبول نہیں کرتا (کچھ وقفہ کے بعد) شرافت، نجابت و عالی خاندانی کی حالت تو شجرہ سے اور اون کے جاننے والوں سے معلوم ہوسکتی ہے مگر خوبصورتی وغیرہ کی کیفیت کا کیونکر یقین ہو"

دلدار علیخان۔ "اُن کا خاندان اچھا ہوا ہے۔ لڑکی کے والد کا نسب جدی و مادری دونوں میں ایک قطرہ بھی ہندی خون کا نہیں ہے۔ واہیات خلط ملط زیادہ ہندی میں ہے۔ دولت و نام و نمود کے خیال سے بدنسلوں سے بھی رشتہ پیوند کرلیتے ہیں۔ وہ لوگ اہل عجم ہیں خصوصاً لڑکی کے نانہیال میں تو بڑے بڑے اکابرین زمانہ گزرے ہیں جن کے تذکروں سے تاریخ ایران مالا مال ہے لڑکی کے والد کو تو تم بھی جانتے ہو گو اون کے خاندانی حالات سے تم کو واقفیت نہیں ہے صورت داری وغیرہ کا میں ذمہ دار ہوں۔

میں نے جب بچپنے میں دیکھا تھا تو بلا مبالغہ چودھویں کا چاند اگر
گرد تھا اب تو جوانی میں خدا جانے کیا قیامت برپا کرنے والی نکلی ہوگی
ع۔ اُسے بچپن میں جب دیکھا تو وہ ماہِ دو ہفتہ تھا
جوانی میں تو یوں سب پر ملاحت آہی جاتی ہے۔
میری بیوی بارہا اوس کے حُسن خداداد کی تعریفیں کیا کرتی ہیں
میں نے مذاقیہ اون سے کہا بھی کہ کیوں نہیں تم شادی کر لیتی ہو جھکا
جواب اونہوں نے یہہ دیا کہ اگر مجھے خدا مرد بناتا تو ضرور اوسی سے
کرتی اچھا تمہیں ایک اور تحقیق کا ذریعہ بتلاتا ہوں تمہارے دوست
مولانا محمد مرتضیٰ صاحب کی بیوی سے اور اوس لڑکی کی والدہ سے
بہت دوستانہ ہے تم مولانا سے کہو کہ اپنی بیوی سے دریافت
کر کے تم سے کہیں"
فرخ۔ (جس کے چہرہ پر بشاشت کے کچھہ آثار نمایاں ہونے لگے)
تم تو معمہ بجھاتے ہو جلدی کہہ بھی ڈالو آخر وہ کون سا خاندان ایسا
ڈال کا پٹکا ہے جس کی تم اتنی تعریفیں کرتے ہو اور نام نہیں لیتے"
دلدار علیخاں۔ "میرے خیال میں تو بس وہی ایک لڑکی تمہارے
خیال و مذاق کے موافق ہے یوں تو فضلنا بعضھم علی بعض
مگر میری نظر جہاں تک جاتی ہے ان صفات کی جن کے تم متلاشی
ہو اور کوئی لڑکی نظر نہیں آتی۔ کہیں صورت ہے تو شرافت نسبی نہیں
شرافت ہے تو تعلیم یافتگی نہیں۔ تعلیم یافتگی و شرافت بھی ہے تو صورت

ندار دو"

فرخ - "خدا کے لئے زیادہ اشتیاق نہ دلواؤ جلدی سے نام بتلا دو"

دلدار علی - (ہنسکر) "کہیں جلدی سے بتلایا نہ ہو جاندسی دلہن ملنا منھ کا نوالہ نہیں ہے یہہ تو بتلاؤ مجھے کیا دلواتے ہو خدا کرے تمہاری نسبت وہاں مقرر ہو جاوے۔ ایک بڑا جلسہ لوں گا لڑکی کے والد بہت مشہور و معروف آدمی ہیں نہایت نیک طبیعت خلیق ہر دلعزیز اون کے ہاں کی بیبیاں بھی بہت ہی خوش اوضاع و با اخلاق اگر ہم سے لطف یہہ کہ تمہارے ہم پیشہ ہیں"

فرخ - "پھر نام کیوں نہیں لیتے نام لینا کوئی گناہ ہے"

دلدار علیخاں - "تم اگر شادی کرنے پر راضی ہو تو نام لوں بلکہ یہہ مناسب ہوگا کہ اون سے استمزاج کر لینے کے بعد اون کا نام بتلاؤں۔

فرخ - "یہہ تمہاری غلطی ہے میں راضی تو جب ہی ہوں گا جب اس کا یقین ہو جائے گا کہ لڑکی میرے خیال کے موافق ہے مگر یقین جب ہی ہوگا جب کہ میں دریافت و تحقیق کروں گا اور بغیر نام و نشان کے میں دریافت نہیں سکتا اور کسی طریقہ سے دریافت کیونکر کر سکوں گا"

دلدار علیخاں - "یہہ تو تم ٹھیک کہتے ہو تم بھی کیا یاد کرو گے۔ بسم اللہ کہکر نام لیتا ہوں۔ جناب ڈاکٹر عباس علی مرزا صاحب کی بیٹی کی"

فرخ ۔ "بیشک وہ شریف الخاندان معلوم ہوتے ہیں اون کی وضع و ترکیب گواہی دیتی ہے اون کے بچے بھی بہت ہی گورے گورے پیارے پیارے ہیں مثل مشہور ہے جس نے نہ دیکھا ہو باگ وہ دیکھے بلائی اور جس نے نہ دیکھی ہو تریا وہ دیکھے تریا کا بھائی۔ لطف تو یہ ہے ؎

آب و کوزہ دمن تشنہ وہاں میگردم ہا یار در خانہ دمن گرد بہاں میگردم

اون کا مکاں یہاں سے سو سوا سو قدم پر ہے مگر مجھے کبھی ادھر خیال بھی نہیں گیا اور جاتا کیونکر شادی کا خیال ہی ترک کر ڈالا تھا آنے کو تو بہت سے پیغام آئے مگر ایک دفعہ جُل کھانے اور دُکھ سہنے کے بعد پھر شادی کا نام لینے سے دل کانپ جاتا ہے مگر یہ بات اور ہے اس میں تمہارا اقدم بیچ میں ہے۔ اچھا تو اللہ کا نام لیکر کوشش کرو"

دلدار علیخان ۔ "میری جانب سے تو خاطر جمع رکھو کوئی دقیقہ کوشش کا اوٹھا نہیں رکھوں گا انشاء اللہ گانوں سے واپس آنیکے بعد اپنی بیوی کو بھیجوں گا۔ حافظ صاحب سے بھی کوشش کرواؤ وہ ایک اعلیٰ عہدہ دار ہیں اون کی بات کی وقعت اور ہے اور جہاں شناسا کا کہنا اور ہے علاوہ اس کے ڈاکٹر صاحب سے اون سے دوستانہ بھی ہے یوں تو مجھ سے بھی ہے یہ اور اچھا ہوگا دوہرا زور پڑے گا"

فرخ ۔ "حافظ صاحب سے تو میں نہیں کہوں گا مجھے حجاب آتا ہے وہ میرے والد مرحوم کے دوست ہیں تمھیں اون سے بھی کہو۔ تم تو جاگیر جا رہے ہو میں غازی سے کہلوا دوں گا۔"

دلدار علیخاں ۔ "پہلے تم اپنی جگہہ پر مضبوطی سے آمادہ تو ہو جاؤ ایسا نہ ہو کہ حافظ صاحب ڈاکٹر صاحب سے تذکرہ کر دیں اور تم پس و پیش کرنے لگو تو حافظ صاحب کو خجالت اوٹھانی پڑے گی۔"

فرخ ۔ "میں ضرور کہلواؤں گا جب بعد تحقیقات کامل شادی کرنے کا عزم بالجزم کر لوں گا۔"

دلدار علیخاں ۔ "پیاس معلوم ہوتی ہے برف اور لیمنیڈ منگواؤ۔"

فرخ نے بٹلر کو پکارا اور اوس سے برف اور لیمنیڈ منگوا کر نواب دلدار علی خاں کو پلایا۔ ادہر ادہر کی باتیں کر کے وہ رخصت ہوئے۔

بیسوان باب

خدائے ارحم الراحمین اپنا تفضل و کرم جب کسی انسان کے شامل حال کرتا ہے تو اوس کو نیک توفیق عطا کرتا ہے اور سمجھ بھی اچھی دیتا ہے تاکہ اوس سے نیک کام سرزد ہوں ؎

این سعادت بزور بازو نیست ✦ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

معلوم ہوتا ہے فرخ عمر طویل لیکر دنیا میں آیا ہے اور خدائے پاک کو منظور ہے کہ اوس کے ہاتھ سے بندگان خدا کو کچھ فایدہ پہونچے جو اصل غایت تخلیق بنی نوع انسان کی ہے ۵

در دول کیواسطے پیدا کیا انسان کو ہا ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

اور ہر کام کے لئے وقت خاص مقرر کیا جاتا ہے بنظران تمام وجوہ نواب دلدار علیخاں کی نصیحت کارگر ہوگئی حالانکہ اس کے پیشتر حافظ عنایت اللہ خاں اور نوازی الدین احمد نے اسی خصوص میں مختلف پیرایہ میں متعدد بار فرخ کو سمجھایا تھا لیکن اس کے کان تک جوں بھی نہیں رینگی اس کان سے سنا اوس کان سے اوڑا دیا (دلدار علیخاں کی تقریر جو نتیجہ خیز و موثر ہوئی اوس کا ظاہری سبب یہہ معلوم ہوتا ہے کہ اول الذکر اشخاص نے صرف شادی کرنیکے متعلق فہمایش کی تھی جس بات سے فرخ کو نفرت ہوگئی تھی اور یہہ نہیں کہا تھا کہ کس لڑکی سے کرے اور وہ لڑکی کیسی ہے برعکس اس کے نواب دلدار علیخاں کی تقریر پُر تاثیر اس وجہ سے ہوئی کہ اوس نے علاوہ اور نشیب و فراز کے اظہار کے ایک لڑکی کا پتہ بھی بتلایا اور اس کا یقین دلایا کہ وہ لڑکی بالکل فرخ کے خیال و مذاق کے موافق ہے خالق نے فرخ کے آب و گل میں بلکہ رگ و ریشہ میں حسن پرستی کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہے اس لئے بھی دلدار علیخاں کی تقریر نے فرخ کے جذبات متحرک کر دئے اب فرخ کو ایک گونہ اشتیاق پیدا ہوگیا اور

بہ حیثیت حسن کے جوہری کے اس لعل شب تاب و گوہر نایاب کے
حاصل کرنے کی اوس کو فکر ہوئی اوس نے اپنے ایک دوست
مولانا محمد مرتضیٰ سے اس معاملہ میں مشورہ کیا جنہوں نے ڈاکٹر
عباس علی مرزا کا نام زبان پر آتے ہی اون کی تعریفیں شروع کر دیں
پھر فوراً ہی زنانہ میں گئے اپنی بیوی سے لڑکی کی صورت وغیرہ کی کیفیت
پوچھکر فرخ سے آکر کہا۔ دلدار علیخاں نے جو کچھ بیان کیا تھا
تقریباً وہی باتیں اونہوں نے بھی کہیں اب تو فرخ کو مس عباس علی مرزا
کی خوبصورتی و قابلیت و خوش سلیقگی وغیرہ کا یقین ہوتا چلا مگر دودھ کا
جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا ہے یقین کامل ہونے کی غرض سے
اور ایک دوست مولوی میر لطف علی وکیل ہائیکورٹ کے ہاں
گیا جن کی بیوی مسز عباس علی مرزا کی منھ بولی بہن تھیں الغرض دریافت
حقیقت بے گنتی جرحی سوالات کی بھرمار کر دی حتیٰ کہ میر صاحب
جو وزرعالتوں میں اوچھل اوچھل کر گواہوں پر جرح کیا کرتے تھے
زچ ہوگئے اور اون کو معلوم ہوگیا کہ جرح کرنا آسان ہے مگر جواب دینا
مشکل ہے بہرحال فرخ نے اپنا مقصد نکال لیا جس حد تک جس جس
بات کی تحقیق مقصود تھی میر صاحب کے جوابات سے وہ باتیں جب
دلخواہ متحقق ہوگئیں۔ فرخ نے یہیں پر اپنی تحقیقات ختم نہیں کی بلکہ
اور طریقوں سے بھی جاری رکھی بیوہ فروش عورتیں سود اسلف
بیچنے والیاں جو اکثر ڈاکٹر صاحب کے زنانہ میں جایا کرتی تھیں سود اخریدنے

بہانہ فرخ اون کو بلواتا اور مختلف پیرایہ میں کھود کھود کر مس عباس علی مرزا
کے مختلف حالات دریافت کرتا۔ جب اون گنواریوں نے بھی اپنی
اپنی جگہہ پر باوجود مختلف حسن وغیرہ کی تعریف کرتے ہوئے الفاظ
کو مختلف استعمال کئے مگر جو بات کہی ایک ہی سی کہی تو فرخ کو نواب
والدار علیخاں کے بیان کی ہر طرح سے تصدیق و تحقیق ہوگئی۔ اب اس نے
غازی الدین سے کہا کہ تم اپنی جانب سے حافظ صاحب سے کہو کہ ڈاکٹر
عباس علی مرزا سے تحریک کریں اور یہ بھی کہو کہ تم نے مجھکو شادی کرنے
پر آمادہ کر لیا ہے مگر شرط یہہ ہے کہ مس عباس علی مرزا سے شادی ہو
کیونکہ اون کی صورت و سیرت کے حالات کی تحقیق کر لی گئی ہے۔
حافظ عنایت اللہ خان کو غازی الدین نے جس وقت یہ مژدہ جانفزا
سنایا تو حافظ صاحب کے لئے عید ہوگئی از حد خوش ہوئے اور غازی الدین
کی پیٹھ ٹھونک کر بولے۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔
میاں غازی الدین بھی پھول گئے جیسے انکھوں ہی میں یہہ میدان مار
لیا تھا۔ حافظ صاحب اوسی شام کو اپنی مشین لینڈو اور بہتر دیا گھوڑوں
کی جوڑی پر ڈاکٹر عباس علی مرزا کے ہاں گئے اور تحریک کی۔ ڈاکٹر
عباس علی مرزا گو فرخ کو بہت پسند کرتے تھے لیکن لڑکی دینے کے نام
سے ناک بھوں چڑھانی بخیال اخلاق صاف لفظوں میں انکار تو
نہیں کیا مگر یہہ کہکر ٹال دیا کہ لڑکی کی والدہ اور اراکین خاندان سے
مشورہ کر لینے کے بعد جواب ادا کیا جائے گا۔ حافظ صاحب ڈاکٹر صاحب کے

تیور سے سمجھ گئے کہ لڑکی دینے کی نیت نہیں ہے۔ حافظ صاحب ذرا افسردہ واپس آئے مگر دل نہیں ہارے کوشش کا سلسلہ مختلف ذریعوں سے جاری رکھا۔ دلدار علی خاں بھی جاگیر سے واپس آنے کے بعد اپنی بیوی اور ہمشیرہ کو مسز عباس علی مرزا کے ہاں بھیجتے رہے مولانا مرتضیٰ نے بھی اپنی بیوی کے ذریعہ سے فرخ کے لئے کوشش شروع کی اب سوال یہ پیدا ہوا کہ شادی کے بعد جب بیوی گھر میں آئے گی تو حیدر جان کی آمد و رفت اسی گھر میں نامناسب ہوگی اور فرخ کا بھی حیدر جان کے لب سڑک والے کمرہ پر جانا نازیبا ہوگا اس لئے فرخ کے احباب نے آپس میں مشورہ کر کے حیدر جان کو اس امر پر راضی کیا کہ سدی عنبر کے بازار والا مکان اور گانے بجانے کا پیشہ جو برائے نام رہ گیا تھا چھوڑ کر محلہ کٹلمنڈی میں فرخ کے مکان مسکونہ کے قریب ایک مکان میں جس کو ان لوگوں نے ٹھہرا رکھا تھا وہ اتر جائے حیدر جان سے یہ کہا گیا کہ اوس کا لب سڑک رہنا اور فرخ کی گاڑی پر آنا جانا فرخ کے پیشہ کے لئے مضر ہے بدنامی کا گھر ہے اسکو حیدر جان تسلیم کر کے کٹلمنڈی والے مکان میں چلی آئی۔ جب وہ کٹلمنڈی والے مکان میں منتقل ہوگئی تو فرخ اپنے مکان میں بلانے کے عیوض حیدر جان کے مکان میں بعد مغرب خود جانے لگا۔ ڈاکٹر عباس علی مرزا کو جب یہ معلوم ہوگیا کہ حیدر جان فرخ کے ہاں آتی جاتی نہیں ہے اور اون کو باور کرایا گیا کہ اس سے قطع تعلق بھی ہوگیا ہے تو وہ اپنی لڑکی دینے کے لئے آمادہ ہوگئے غرض تحریک کے تقریباً ایک سال کے بعد

فرخ کی شادی مسمی عباس علی مرزا سے ہوگئی ڈاکٹر عباس علی مرزا گو بہت
دولتمند آدمی نہ تھے ہزار بارہ سو کی ماہانہ آمدنی تنخواہ و پریکٹس سے انکو
تھی مگر بلحاظ اپنی لیاقت و حذاقت و متانت و خوش اخلاقی و ہمدردی
انسانی بہت معزز اور ہر دلعزیز تھے اس لئے جب اونھوں نے اپنی
لڑکی کی شادی جس کو وہ اپنی جان کے برابر عزیز رکھتے تھے بڑے
حوصلہ سے رچائی تو بلدہ کے تقریباً کل عمایدین اور اعلیٰ عہدہ دار شریک
تقریب ہوئے اور زنانہ میں اون کی بیویاں شریک ہوئیں۔
ہزاروں روپے نوشاہ کو صرف سلامی میں ڈاکٹر صاحب کی بیوی کے
عزیزوں اور دوستوں نے دئے علاوہ اس کے گو فرخ کی مطلق
خواہش و خواستگاری نہ تھی مگر ڈاکٹر صاحب نے اپنی بلند حوصلگی سے
اور اوس محبت کی وجہ سے جو اون کو اپنی لڑکی کے ساتھ تھی ہزاروں
روپے کا جہیز دیا بعض احباب نے سہرے نظم کرکے فرخ کو دئے تھے
منجملہ جن کے ایک سہرے کے چند اشعار جو راقم کو یاد رہ گئے ہدیۂ ناظرین
کئے جاتے ہیں۔

واہ واہ سہرا

اے نئے تجھکو مبارک ہو سہانا سہرا ٭ زیب دیتا ہے ترے سہرے پہ یہ کیسا سہرا
پھول پھولے جو نئے آج ترے سہرے کے ٭ حور جنت نے خوشی سے ترا گوندھا سہرا
کھل گئے غنچہ و گل فرط مسرت سے تمام ٭ نیک مالن نے جو لیکر تیرا گوندھا سہرا
نوبتیں بجتی ہوئیں ساتھ بڑی شوکت کے ٭ مجمع حور و پریزاد میں آیا سہرا

دوستوں نے بڑے ارمانسے پڑھ پڑھکے دروُد موتیونکا ترے دستار پر باندھا سہرا
حوریں فرخ پہ سے صدقہ ہوئیں باری باری ؛ میرے البیلے نے پھولونکا جو باندھا سہرا
ماہ کے گرد ہو جیطرحسے تاروں کا ہجوم ؛ رخ نوشاہ پہ اوس طرحسے چھایا سہرا
سہرہ کو باندھکے بیٹھا جو بنا مسند پر ؛ مشتری زہرہ جبینوں نے بھی گایا سہرا
کشتیاں سینکڑوں بھر بھرکے جواہر سے ملیں ؛ جسنے اس محفل شاہانہ میں گایا سہرا
اے نبے چتر نبے سر پہ ترے ظل خدا ؛ اور ہو پنجتن پاک کا سایہ سہرا
اے حقیر آپنے کیا خوب کہا ہے سہرا ؛ اس سے بہتر کوئی ہمنے نہیں دیکھا سہرا

اکیسوان باب

اس عالم فانی کے اسٹیج پر انسانی زندگی کا ڈراما (ناٹک) عجیب وغریب رنگارنگ کے کھیل اور تماشے کا ہے دلکش گاہے ہیبتناک کبھی عبرت خیز کبھی حیرت انگیز جن کو کرشمہ ہائے تقدیر سے تاویل کرتے ہیں اپنے تماشہ بینوں کو دیکھا کر اور ان کھیلوں کے ایکٹروں (النساق) سے اون کے مقررشدہ پارٹ کرواکر محو حیرت کر دیتا ہے جن کو چشم بصیرت عطا کی گئی ہے خواہ وہ تماشائی ہوں یا خود ایکٹرس ان ایکٹوں یعنے کرشموں کا نظارہ عمیق نظروں سے کرتے ہیں اور معمولی نگاہ والے سطحی طور سے دیکھتے ہیں اس لئے ڈرامے کی ظاہری دلچسپیاں

اون کو اپنا ایسا فریفتہ کر لیتی ہیں کہ وہ اونھیں کے ہو رہتے ہیں مگر
چشم بصیرت رکھنے والوں کی حقیقت بین نگاہیں ڈرامے کی دلفریبیوں
اور نیرنگیوں سے جن کا وجود نقش برآب سے زیادہ پایدار نہیں
ہوتا اور جو بمصداق اس مصرعہ کے ہیں خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا
افسانہ تھا بے ثباتی عالم کا سبق لیتی ہیں اور کبھی ضرورت سے زیادہ
اوس طرف متوجہ و ملتفت نہیں ہوتی ہیں بلکہ ڈرامائٹ یعنے صانع
حقیقی کے جلوہ کی متمنی ہو کر اسی تجسس میں سرتاپا محو و مستغرق ہو کر
حقیقت بین و اسرار جو نگاہ والوں کو فنا فی اللہ کر دیتی ہیں۔ اہل
بصیرت ان ڈراموں کی جانب ملتفت ہوں یا نہوں ہر انسان کی
زندگی کا ڈراما جتنے ایکٹوں پر بروز ازل منقسم کیا گیا ہے وہ ضرور ظہور
میں آکے رہیں گے اور ہر ایکٹ میں جس قدر گوناگوں سین مقرر
کئے گئے ہیں وہ بھی اپنے اوقات مقررہ پر بدلتے رہیں گے اور اس
میں بندہ عاجز ہے۔ ناظرین ناول ہذا جو فرخ کی زندگی کے ڈرامے
کے تماشائی ہیں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ فرخ بھی اپنی زندگی کے ڈرامے
کے ایکٹر کی حیثیت سے بہت سے پارٹ لے چکا ہے اور بہت
سے سین ان کو دیکھا چکا ہے اب ایک نیا سین دیکھانا شروع کرتا
ہے دوسرے لفظوں میں فرخ اپنی کتاب زندگی کا نیا ورق الٹتا ہے
اب وہ مناہل ہو گیا ہے اور اپنی نئی حیثیت سے اسٹیج پر آتا ہے اسکی
ذمہ داریاں پیش خدا و رسول اور سوسائٹی میں بہت بڑھ گئی ہیں

مثل مشہور ہے گھر میں آئے جو ٹیڑھی پگڑی سیدھی ہو، مثل تو اپنی جگہہ پر بہت صحیح ہے مگر اس پر عمل عموماً بہت مشکل ہے خصوصاً ایک اوباش صفت آدمی کے لئے۔ حق و باطل میں امتیاز کرنا حقوق و فرایض زوجین سے صرف واقف ہونا ہی نہیں بلکہ اون کو ملحوظ رکھکر عمل پیرا ہونا کوئی آسان کام نہیں ہے اس کے لئے عقل صائب و جبر نفسی طبعی نیکی و شرافت نسبی درکار ہے اب یہہ دیکھنا ہے کہ فرخ اس نئے پارٹ کو کیونکر ادا کرتا ہے یعنے اس پارٹ کے فرایض کو کیونکر انجام دیتا ہے۔ بروز جلوہ بوقت آرسی مصحف فرخ نے جب پہلی دفعہ اپنی دولہن پر نظر ڈالی تو دیکھتے ہی باغ باغ ہوگیا اور رعب حسن سے اس قدر مرعوب ہوا کہ نظر نیچی کرلی اور اوس کی ساری کاوشیں چشم زدن میں کافور ہوگئیں اپنے دل میں اپنے معبود حقیقی کا اور نیز نواب دلدار علی خاں کا بے انتہا مشکور ہوا۔ بعد انفراغ جلوہ و آرسی مصحف وغیرہ جب دولہن کو گھر پر لیکر آیا گو خوشی کے مارے پھولوں نہیں سمارہا تھا اور اپنے جامہ سے باہر ہوا جاتا تھا مگر ساتھی اس کے حسرت و افسوس کے بادل بھی اُمنڈ اُمنڈ کر اوس کے دل و دماغ پر چھائے جاتے تھے وہ اس لئے کہ بعض خیالات و خدبات مثلاً دلہن کی دوری عزیز و اقربا کی مجبوری اوس کے والدین کا جنہیں اُس کا سہرا دیکھنے کی بیحد آرزو تھی ایسے موقع پر زندہ نہ رہنا نشتر کا کام کرنے لگے یہ ایک عارضی مگر فطری کیفیت تھی جو تھوڑی دیر کے بعد

زایل ہوگئی اور اوس کی طبیعت سنبھلی تو وہ اپنے مکان کے اس
قطعہ میں جس کو اوس نے زنانہ کے لئے مخصوص کر رکھا تھا اور جس میں
دولہن اُتاری گئی تھی داخل ہوا۔ جو عورتیں دولہن کے ساتھ آئی تھیں
اونہوں نے دولہا دولہن کے پانون دودھ سے دُھلائے اور قبلہ
رخ بٹھا کے سجدہ کروایا اُس کے بعد فرخ نے دولہن کے دوپٹہ کا
آنچل بچھا کر درگاہ باری تعالیٰ میں دوگانہ ادا کیا۔ ایک نعمت غیر مترقبہ
کی حصولی پر جناب باری کا شکریہ تہ دل سے ادا کیا اور نہایت
خضوع وخشوع سے اپنے پھلنے پھولنے بیوی کے ساتھ خوش وخرم
وشاد وآباد رہنے کی دعائیں مانگیں شادی کے بعد سے فرخ نے
حیدر جان کے ہاں کی شب باشی وشب خوابی قطعاً موقوف کردی
اور صحبت خورد ونوش جو روزانہ شام سے اوس کے مکان پر
ہوا کرتی تہی وہ بھی یکقلم ترک کردی مگر بقول شخصے چور چوری سے گیا
تو کیا ہیرا پھیرا سے بھی گیا برسوں کی عادت یکدفعہ چھوٹنے سے
رہی اس لئے بعیوض اپنے مکان کے حیدر جان کے مکان کو
دارالتفریح اوس نے بنایا سر شام یاران طریقت وہان
جمع ہوجاتے تھے فرخ بھی شام کے پانچ بجے ڈسپنسری سے
واپس آنے کے بعد بیوی کے ساتھ جائے پیکر چہل قدمی کرتا ہوا
کارخانہ حیدر جان میں جا دھمکتا شب کے گیارہ بارہ بجے تک صحبت
مے گرم رہتی اوس کے بعد اپنے گھر واپس آتا عموماً شب کا کھانا گھر

ہی پر اپنی بیوی کے ساتھ کھاتا تھا اس لئے بیوی میاں کے انتظار
میں جاگا کرتی۔ آدھی رات تک جاگنا اور بھوکے رہنا بہت تکلیف دہ
امر ہے خصوصًا ایک بیچاری نئی نویلی دولہن کے لئے جس کو ایسی
عادت بھی کبھی کی نہ ہو مگر مسز فرخ مرزا نے اپنے تیور پر بل تک نہ
آنے دیا یا کہا اوس کے والدین جب کبھی اوس سے دریافت کرتے
کہ کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہے تو وہ اس کا جواب خندہ پیشانی
و بشاشت سے نفی میں دیتی شادی کے بعد تین چار مہینے تک یہ سلسلہ
جاری رہا پھر فرخ اپنے دل میں خود بخود منفعل ہونے لگا اور جلسے
گھنٹے دار کر دئے کبھی تیسرے روز کبھی چوتھے روز۔ مسز فرخ بیزار
نہ ہوئی بیاہی وہ دولہن تھی کچھ تو بلحاظ شرم و حجاب اور کچھ بخیال
دانائی فرخ کے کسی کام و انتظام میں چھ مہینے تک مطلق دخل نہیں دیا
جس طرح پر جو کام ہوتا تھا اوس کو اوسی طرح پر ہونے اور چلنے
دیا اس عرصہ مدت میں وہ فرخ کا رنگ ڈھنگ دیکھتی اور اسکی
طبیعت و ترکیب مزاج وغیرہ کا مطالعہ و اندازہ کرتی رہی۔ نئی اور
نئی ٹہلر کی بن آئی تھی۔ سارے اخراجات انھیں دونوں کے ہاتھوں
پر تھے اور یہ دائیں بائیں ہر طرف فرخ کو لوٹتے اور اوس کی محبت
بناتے تھے شادی کے بعد سے اخراجات اور بڑھ گئے تھے
اور یہ بھی انہیں تک حراموں کے زیر اہتمام تھے اس لئے ان کی
دسوں انگلیاں گھی میں تھیں۔ مسز فرخ میرزا اندھا دہن لوٹ مار

دیکھہ دیکھہ کر دل ہی دل میں کڑھتی اور کھولتی آخر اوس سے نرہا
گیا اور اب شادی کو چھہ مہینے بھی ہو چکے تھے گھر میں کوئی عورت
مثل ساس نند کے نہ تھی جن کی وجہہ سے عموماً دولہنیں برسوں
گھونگٹ نہیں اوٹھاتیں اور شرماتی رہتی ہیں اور انتظام خانہ داری
ساس یا نند پر چھوڑ دیتی ہیں۔ یہاں وہ کس پر انتظام خانہ داری چھوڑتی
اس لئے بھی خانہ داری کی جانب اس کو متوجہہ ہونا پڑا اور اس نے
باجازت فرخ پچھلے چھہ مہینے کا حساب منشی سے طلب کر کے جانچا تو
بے حساب غبن پایا۔ مسز فرخ میرزا کو قادر مطلق و صانع حقیقی نے
جیسی پیاری صورت دی تھی ویسے ہی اعلے صفات بھی عطا فرمائے
تھے مادہ تدبیر منزل بھی کافی مقدار میں اوس کے خمیر میں ملایا تھا
اب اوس نے باجازت فرخ روزمرہ کا حساب روزانہ دیکھنا شروع
کیا رفتہ رفتہ انتظامات و اخراجات میں ترمیم و اصلاح شروع کی۔
اس جگہہ پر چند امور تمثیلاً درج کئے جاتے ہیں۔ روزمرہ جو اناج
بازار سے خردہ فروش دوکانداروں کے ہاں سے گران قیمت پر
اودھار آیا کرتا تھا وہ طریقہ بالکل ترک کر دیا اور مہینے بھر کا غلہ نمک
و مصالحہ وغیرہ یک مشت نقد قیمت دیکر گنجوں سے منگوانا شروع کیا
دو چار مختلف گنجوں سے پہلے نمونے منگوا کر مختلف مقامات کی
فہرست دریافت کرنے کے بعد جہاں چیز اچھی اور ارزان ملتی ہو وہاں سے
اس کا
فرخ کے اصطبل میں تین گھوڑے تھے ایک عربی تھا جو

اوس جوں گاڑی میں لگایا جاتا تھا اور ایک جوڑی ویلر گھوڑوں کی تھی جو کلکتہ کے ڈاکس اینڈ کمپنی کے کارخانہ کی لینڈولٹ میں جوتی جاتی تھی۔ یہ ٹرن اوٹ ہوا خوری کے لئے اور پارٹیوں (تقاریب) میں جانے کے لئے مخصوص تھا مگر فرخ مہینوں میں بھی کبھی ایکبار ہوا خوری کو نہیں نکلتا اس لئے یہ دونوں گھوڑے منصبدار رہتے تھے کام نہ کاج من بھر اناج تو ضرور کھاتے تھے مسز فرخ میرزا نے یہ تینوں جانور اچھے داموں نکال کر کم کو سب گھوڑوں کی ایک جوڑی خریدی دونوں گھوڑے مضبوط و کم خور و خوبصورت ہونے کے علاوہ فرداً فرداً ایکے میں بھی چلتے تھے اور دونوں ملکر جوڑی میں بھی جاتے تھے ایک گھوڑا ڈسپنسری جانے کے وقت اور دوسرا فرخ کو دربار لانے کے وقت اوس جوں میں لگایا جانے لگا بعوض تین سائیس اور ایک کوچبان کے ایک سائیس رکھا اور کوچبان ایسا رکھا جو دوسرے گھوڑے کی خدمت بھی کر لینے پر رضامند ہوا۔ فرخ معمولاً اپنے کوچمین کو ۱۵ پندرہ ماہانہ اور سائیسوں کو فی اسم (نفر) تیس روپیہ ماہوار دیا کرتا تھا۔ مسز میرزا نے کوچبان کی تنخواہ میں عصاں رکھا اور سائیس کی ماہوار میں عصر روپیہ کا اضافہ کر دیا اس انتظام سے بہت بڑی بچت اخراجات اصطبل و گاڑی خانہ میں ہوگی۔ پھاٹک پر دو دربان فی اسم لمعہ خشک مواجب کے بیٹھے ان دونوں کو برطرف کر کے ایک عرب دس روپیہ ماہانہ مقرر کر کے رکھا اور اوس سے شرط یہہ کر لی کہ ہر وقت حاضر رہے۔ فرخ کو کتوں

بہت مشوق تھا جن پر ماہانہ کا ایک خاص ملازم تھا اس ملازم کو
برطرف کر کے مالی کی تنخواہ میں عصہ اضافہ کر دیا اور رات پکانے اور
کتوں کو نہلانے دہلانے کا کام مالی کے سپرد کیا باورچی کا ایک میٹ
عصہ ماہانہ کا تھا اوس کو علیحدہ کر کے جہیز میں جو دو چھوکریاں آئی تھیں
اون میں سے ایک کو حکم دیا کہ مصالحہ وغیرہ پیسنے میں باورچی کا ہاتھ بٹائے
سابق کے باورچی کو جو صرف ہندوستانی کھانا پکانا جانتا تھا اور عصہ زر
تنخواہ اور دونوں وقت کھانا پاتا تھا اوس پر سے بُرا دالگ مارتا تھا
نکال باہر کیا اور ایک ایسا باورچی عصہ ماہانہ پر رکھا جو علاوہ ہندوستانی
کھانوں کے اٹیلیس اور فرنچ ڈشیں بھی عوام عموماً جن کو انگریزی
کھانا سمجھتے ہیں پکانے میں اچھا خاصہ دخل رکھتا تھا اس طرح پر بٹلر
بٹلر کی ضرورت جس حد تک انگریزی کھانا پکانے کے متعلق تھی باقی
نہ رہی۔ انتونی ہڈ بٹلر کو جو نام کو عصہ پندرہ روپیہ ماہوار پاتا تھا لیکن
بوجہ خائن ہونے کے بالائی یافت بے شمار حاصل کرتا تھا برطرف
کر دیا اس انتظام سے علاوہ مالی نفع کے ایک خائن سے چھٹکارا
بھی ہوا۔ دو شاگرد پیشہ صرف اوپر کے کام پر تھے جو کمروں میں ستھرائی
دیتے فرنیچر یعنے میز کرسیاں الماریاں وغیرہ جھاڑتے پونچھتے اور
فرخ کے ہمراہ باہر جاتے آتے۔ ان دونوں کو برخاست کر دیا اور
ان کے عیوض ایک آدمی زنانے کا سودا سلف لانے علی الصباح کمروں
میں ستھرائی دینے کے لئے مقرر کیا اور فرنیچر جھاڑنے پونچھنے کا کام اُس

بٹلر کے سپرد کیا جو فرخ کو کھانا کھلاتا اور ڈرسنگ بوائے کا کام کرتا تھا
یعنے کپڑے پہناتا تھا۔ اور ڈلی چپراسی کو جو اوفس کے کمرہ کے
دروازہ پر حاضر رہا کرتا تھا حکم دیا کہ فرخ کے ساتھ جایا آیا ہی کرے
اور جس وقت فرخ باہر جائے اوفس روم کا دروازہ بند کر دیا کرے
سلیٹ پنسل جو اور ڈلی چپراسی کے پاس رہتی تھی دربان کے حوالہ
کر دی تاکہ فرخ کے غیاب میں جو لوگ آئیں اور وزیٹنگ کارڈ
اپنے ناموں کے نہ بھیج سکیں اُن کے نام سلیٹ پر لکھوا لیا کرے
فرخ کو جن اقسام کے سالن کباب شیرین غذائیں دل سے بھاتی
تھیں اون کی ایک فہرست بنائی۔ اُن کو ہفتہ بھر کے دونوں
وقتہ کے کھانوں پر تقسیم کر کے ہفتہ واری بل اوف فیر بنا کر باورچی
کے حوالہ کیا باورچی حرف آشنا تھا دونوں وقت کے کھانے اوسکے
موافق پکانے لگا۔ ڈرسنگ بوائے کے تدین کی شہرت تھی اوسکی
تنخواہ میں ۴۰ کا اضافہ کر دیا۔ جن جن ملازموں کی چوریاں پکڑی
گئیں اون کو برطرف کر دیا۔ اس طرز عمل سے جملہ ملازمین ہوشیار ہو گئے
اور یہ سمجھ گئے کہ سزا و جزا میں کیا فرق ہے اور اوس کے استعمال کا
محل و موقع کیا ہوتا ہے۔ مسٹر فرخ میرزا کا ارادہ تھا کہ منشی کو بھی علیحدہ
کر دے چونکہ وہ ایک ہوشیار و خواہش آدمی تھا اجرائی کار کا خاص
مادہ رکھتا تھا فرائض منصوبہ کو بحسن و خوبی اور بروقت انجام دینے کا
خاص سلیقہ رکھتا تھا گو متدین نہ تھا مگر اس قدر بد دیانت بھی نہیں تھا

جیسا کہ بڈ بٹلر تھا ان دونوں میں فرق یہ تھا کہ انتونی کی چوری نمک
میں آٹا اور منشی کی چوری آٹے میں نمک اس لئے فرخ نے
اپنی بیوی سے منشی کی سفارش کی چونکہ مسز مرزا نے جو اپنے خاوند کے
ارشادات واحکام کی تعمیل کو صرف فرض منصبی ہی نہیں بلکہ خراج ایمان
تصور کرتی تھی فرخ کی سفارش بدل وجان قبول کرلی اور منشی کو
رہنے دیا مگر اس پر کامل نگرانی خود رکھنے لگی۔ مختصر سا ایک دستور العمل
لکھکر منشی کے حوالہ کیا جس میں اس امر کی صراحت کردی تھی کہ صبح کے
پانچ بجے سے شب کے نو بجے تک کس کس ملازم سے کیا کیا کام کس
طرح پر لیا جائے زبانی یہہ بھی کہلا بھیجا کہ ایک کتابچہ بنا کر ہر ہر کمرہ کے
فرنیچر کی فہرستیں نام بنام علیحدہ علیحدہ اس میں لکھے اور اس پر بٹلر کی
دستخط لیکر ایک نقل اس کی بٹلر کے حوالہ کرے اسی طرح پر گاڑی خانہ
کے سامان کی فہرست جو کتابچہ میں درج کی جائے اس پر کوچبان کی
دستخط لیکر ایک نقل اوس کو دے دی جائے باورچی خانہ کے ظروف
وغیرہ کی فہرست جو کتابچہ میں درج کی جائے اس پر باورچی کی دستخط
لیکر ایک نقل اس کو دے دی جائے باغبانی کے اوزار وغیرہ کی
فہرست کی نقل مالی کے سپرد کی جائے۔ فرخ کے کپڑوں کی فہرست کی
نقل ڈرسنگ برائے کے حوالے کرکے کتابچہ پر اوس کی دستخط لے لیجائے
کتب خانہ اور آفس کے رجسٹر وغیرہ کی فہرست ایک علیحدہ کتابچہ میں
درج کی جائے اور اس پر منشی خود دستخط کرکے فرخ کو دے دے اور

اس کی نقل اپنے پاس رکھہ لے منشی کو اس کا بھی اقتدار دیا کہ بلحاظ
نوعیت قصور و خطا خاطی ملازم پر جرمانہ کرے اگر کوئی سنگین خطا ہو تو
اس کی نسبت گزارش پیش کرے ورنہ خفیف غلطیوں کی اصلاح اپنی
جگہہ پر خود کر لیا کرے۔ ان ہدایت و طریق عمل سے یہہ ہوا کہ ملازمین
اپنے اپنے کاموں کے اور اسباب متعلقہ کے ذمہ دار ہو گئے۔ ہر
کام عمدگی سے اوقات مقررہ پر ہونے لگا لوٹ مار کا بازار یک قلم سرد
ہو گیا۔ منشی سے یہہ بھی کہلا بھیجا کہ کل ملازمین کے کاموں کی پوری
نگرانی رکھے اور ان کی غلطیوں اور خطاؤں کا اپنے تئیں ذمہ دار
سمجھے۔ ایک کتاب الاحکام بھی منشی کے سپرد کی اور یہہ کہلا بھیجا کہ
وقتاً فوقتاً جو کچھہ حکم دینا ہو گا اوس پر درج کر کے دستخط اطلاعیابی منشی
کی لے لی جائے گی اوس کو یہہ بھی حکم دیا کہ فرخ کے جیب خاص کے
اور متفرق اخراجات جس دن جو کچھہ ہوں اوسی دن لکھکر فرد حساب
اندر بھیجدیا کرے اور سوا گوشت اور پان اور پھولوں کے گجروں کے
جو روزانہ آتے ہیں کوئی چیز قرض نہ لی جائے۔ گوشت اور پان اور
گجروں کے لئے خاص قصائی تنبولی اور پھولا را راتب دینے کیلئے
مقرر کیا جائے تاکہ چیز اچھی آیا کرے اور دینے والا ذمہ دار رہے۔
سال بھر کے اخراجات کے لئے اندازاً ایک بجٹ یعنے موازنہ تیار کیا
ان انتظامات اور خوش تدبیری سے جہاں بے سر و پا اخراجات
ہونے کی وجہہ سے اوسط سات سو روپیہ ماہانہ کا خرچ تھا وہاں

صرف چار سو روپے ماہانہ صرف ہونے لگے مختلف شاپوں اور ہر انجانوں کا
جو قرضہ تھا جہاں سے بلوں اور تقاضوں کی بھرمار ہوا کرتی تھی رفتہ
رفتہ اوسے بھی ادا کرنے لگی اور چند مہینوں میں بالکل ادا کر کے
پس انداز کرنا شروع کیا۔ فرخ جس پر مسز میرزا کے حسن ظاہری کا
جادو بروز اول ہی اپنا کام کر چکا تھا اور جس کی حالت اس مصرعہ کے
مصداق ہو چکی تھی از یک گرشمۂ رخ دلبر اسیر شد مسز میرزا کا مادہ
انتظامی و حسن تدبیر دیکھ دیکھ کر بے انتہا متحیر و مسرور ہونے لگا اسپر سے
مسز و مسز میرزا کی اطاعت گزاری و فرمانبرداری فرخ کی گرویدگی
کی اور بھی باعث ہوئی۔

حیدر جان کے تعلق کا حال مسز میرزا کو معلوم ہو گیا تھا خود فرخ
نے بھی بحالت سرور ایکدفعہ اپنی غلطی کا اعتراف کر دیا تھا مگر مسز میرزا
از راہ دانائی اشارۃً یا کنایۃً بھی باین خیال کہ حالت کہیں بد سے
بدتر نہ ہو جائے ایک حرف بھی شکوہ شکایت کا زبان پر نہیں لاتی ایک
خاموشی ہزار بلا ٹالتی ہے اس لئے اس خصوص میں اوس نے سکوت
اختیار کیا تھا اتنا تو البتہ ایک دفعہ اس کی زبان سے نکل گیا تھا
کہ ایکدل کے دو ٹکڑے نہیں ہو سکتے وہ بھی دبی زبان سے اور فرخ
کے اظہار دعوئے تعشق پر۔ گو مسز میرزا اپنے منہ سے کچھ نہ کہتی ہو مگر
اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ حیدر جان کا وجود اس کے دلی راحت
و چین کے لئے رخنہ انداز نہ تھا دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی اور

بدرگاہ قاضی الحاجات ومقلب القلوب نمازوں میں فرخ کے سدھرنے
لئے الحاوزاری کے ساتھ دعائیں مانگتی ایک توحید رجان کی وجہ سے
ہر وقت رنج وتعب کا سامنا رہتا ہی تھا اس پر سے کوہ مصیبت یہ
ٹوٹا کہ شادی ہوکر ایک سال بھی گزرنے نہیں پایا تھا کہ مسز میرزا
کے ماں باپ دونوں نے اس دار فانی سے عالم جاودانی کا سفر
کیا وہ بھی اس طرح سے کہ مسز عباس علی مرزا کے انتقال کے بعد
بیالیسویں روز چند گھنٹوں میں ڈاکٹر عباس علی مرزا نے جو اپنی
بیوی کے عاشق صادق تھے جان بحق تسلیم ہوئے اور چھ سات ننھے
ننھے بچے چھوڑ گئے بعض جن میں شیر خوار بھی تھے یہ وقت سخت امتحان
مسز میرزا کے لئے تھا۔ گو ڈاکٹر عباس علی میرزا اس قدر آمدنی کی
جایداد چھوڑ گئے تھے کہ ان بچوں کی پرورش کے لئے مکتفی تھی
مگر صرف روپیوں سے کیا ہوتا ہے بڑی ضرورت نگہداشت وتعلیم
وتربیت کی تھی غرض مسز میرزا نے اس صدمہ عظیم کو نہایت استقلال
وصبر وثابت قدمی سے برداشت کیا اور ان ننھے ننھے معصوموں کی
ہر طرح سے خبرگیری کی اور اپنی نگرانی میں قابل قدر تربیت وتعلیم
دی مسز میرزا کی اس قیامت خیز مصیبت کی وجہ سے فرخ کا بیدرد
دل اور بھی مسز مرزا کی جانب کھنچا۔ فرخ کو جب خوش ولباش یا قی
موقع ومحل دیکھکر قصوں کے پیرایہ میں حادثہ سے نوشی کی مضرتوں کا
اظہار اور اس کی مذمت کیا کرتی۔ فرخ جس کے دل میں بیوی کی

روز افزون محبت گھر کرتی جاتی تھی جب یہ کھل گیا کہ اوس کی ہمجولی
اس کی چہیتی بیوی کو ناپسند و ناگوار ہے اوس نے مے نوشی کم کرنا
شروع کی اور حیدر جان کے ہاں کی آمد و رفت و جلسہ بازی بہت
گھٹا دی تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری بیوی کے اصرار پر نماز جو
بہت دنوں سے چھوٹی ہوئی تھی پڑھنا شروع کی اب فرخ کی یہ حالت ہے

مے بھی پیتے ہیں توبہ کرتے ہیں ؛ یہ بھی جاری ہے وہ بھی جاری ہے

یا یوں کہوں

رات کو خوب سی پی صبح کو توبہ کر لی ؛ رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

اس میں شک نہیں کہ یہ مصرعہ توبہ بڑی سپر ہے گنہگاروں کی بہت صحیح ہے
فرخ نے حیدر جان کے ہاں کو آمد و رفت کم کر دی تھی مگر جس قدر
تنخواہ اوس کی مقرر تھی شادی کے بعد بھی اوس میں کسی قسم کی
کمی نہیں کی تھی اور ماہ بماہ برابر بھیجتا تھا مسز میرزا کی نیک نفسی
کی یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ بعض وقت فرخ کو یاد دلا کر
حیدر جان کی ماہوار بھجوا دیتی مگر برعکس اس کے حیدر جان کو
آتش رشک نے بالکل بےحواس کر دیا تھا جہاں فرخ گھڑی دو
گھڑی کے لئے آتا تو وہ لڑنا اور مسز میرزا کو کوسنا شروع کر دیتی
یہ طرز عمل خود حیدر جان کے حق میں مضر ہوا جہاں تیسرے چوتھے
روز فرخ جاتا تھا اب دس دس بارہ بارہ دن پر جانے لگا کیونکہ

مسز میرزا بالکل بے تصور و ناکردہ گناہ تھی اس کی بُرائیاں فرخ سے
سُنی نہیں جاتیں ہنسی مذاق گانے بجانے کے عیوض کوسنا پیٹنا
حیدر جان کا دستور العمل ہوگیا اس لئے فرخ اب حیدر جان کی صحبت
سے گھبرانے لگا مسز میرزا کے لئے بعینہ یہ ہوا عدد شود سبب خیر گردد خدا
خواہد۔ شادی کے بعد سے ایک سال اور کئی مہینے ان جھگڑوں
میں گزرے آخر حیدر جان اپنے کٹلنڈی والے مکان سے ایک دن
بے پتہ غائب ہوگئی کسی کام کے لئے کسی آدمی کو فرخ نے حیدر جان
کے ہاں بھیجا تو اُس نے دیکھا مکان خالی پڑا ہے خدا کی قدرت
حیدر جان کا لگا لگایا گھر اجڑ گیا اور عنایت الٰہی سے مسز میرزا کا گھر
آباد ہوا۔

کعبہ و بت خانہ کا بننا بگڑنا دیکھئے ۔ خانہ برباد ی کسی کی ہو کسی کا گھر بنے
نظام عالم کا مدار اسی پر ہے کسی چیز کو بقا نہیں ہے۔ مصرعہ۔
عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا۔ غرض جب اس آدمی نے چڑیا
اُڑ جانے اور پنجرا خالی ہونے کی اطلاع فرخ کو دی فرخ نے سجدہ
شکر ادا کیا اس کی طبیعت کو اطمینان حاصل ہوا اور دل کو
یکسوئی ہوگئی۔ مسز میرزا کو بھی اس کی اطلاع فرخ نے خود آن کر
دی گو مسز میرزا نے اپنے دلی انبساط کا اظہار زبان سے نہیں
کیا مگر حقیقتاً دل میں بیحد خوش ہوئی جس کے مختلف اسباب تھے
ایک تو یہ کہ اب وہ تنہا فرخ کے دل و جان کی ملکہ ہوگئی دوسرے

یہ کہ مخرب عادات صحبت سے فرخ کو نجات ملی حقیقت تو یہ ہے کہ
مسز میرزا کی دعائیں مستجاب الدعوات نے قبول کیں ؎
بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن بہ اجابت از درحق بہر استقبال می آید
رفتہ رفتہ فرخ نے شراب خواری بھی بالکل ترک کردی اور پابند صوم و
صلوٰۃ بھی ہوگیا بقول شاعر ؎ صحبت صالح ترا صالح کند۔ فرخ
میں ہر طرح کا مادہ تو تھا ہی اُس نے پریکٹس کی جانب پھر توجہ کی
جب لوگوں کو یہ معلوم ہوگیا کہ فرخ پریکٹس کی جانب پھر دل دینے
لگا ہے اور بُری صحبتوں اور عادتوں سے بھی تائب ہوگیا ہے تو
پبلک کا پھر رجحان اس کی جانب ہوا اسی اثنا میں ایک اولاد بھی
اللہ نے اوس کو دی جو ایک سال کی ہوکر جاتی رہی۔ فرخ کی پریکٹس
اس قدر چلی کہ ہزاروں روپیہ ماہانہ کی آمدنی ہوگئی مسز میرزا کی خوش انتظامی
وسلیقہ شعاری سے سولہ آنے میں چار آنہ خرچ اور بارہ آنہ پس انداز
ہونے لگا چار پانچ سال کے عرصہ میں لاکھوں کی جایدادیں بھی
فرخ نے خرید لیں مسز میرزا نے فطرۃً خداترس اور مذہبی خیال
کی ہونے کی وجہ سے منت مانی کہ پہلے خدا کی راہ میں ایک مکان
تعمیر کراؤں گی اس کے بعد مکان سکونتی خریدوں گی اللہ نے
وعدہ قبول کرلی اور ایک کاروانسرائے اُسنے تعمیر کروائی اس کے
بعد پھر دوسری جایدادیں لیں فرخ بھی درحقیقت مذہبی خیال کا آدمی
ہے کچھ دنوں کیلئے دماغ اوس کا زنگ آلود ہوگیا تھا اچھی صحبت نے اسپر

صیقل کردی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کی راہ میں بہت سے خیراتی کاموں میں حصہ لینے لگا اور دونوں میاں بیوی زیارات عتبات عالیات سے بھی مشرف ہو آئے۔ مسز میرزا نے گو کسی مدرسہ میں تعلیم نہیں پائی تھی بلکہ ڈاکٹر عباس علی مرزا اور اون کی بیوی نے جو عربی میں عالمہ اور فارسی میں فاضلہ تھیں مسز میرزا کی تعلیم بہت اعلیٰ پیمانہ پر گھر ہی پر دی تھی اس پر سے فرخ جیسے ہر فن مولیٰ کی صحبت نے اور چار چاند لگا دیئے اب حالت یہ ہے کہ اپنے اوقات مقررہ پر فرخ ڈسپنسری جاتا ہے وہاں سے آنے کے بعد تھوڑا وقت خانہ باغ کی آراستگی میں دونوں میاں بیوی صرف کرتے ہیں اس شغل سے دونوں کو بالطبع خاص دلچسپی ہے جو کچھ وقت بچتا ہے مفید تالیف و تصنیف و مضمون نگاری اور خدمات قومی کی انجام دہی میں صرف کرتے ہیں خصوصاً تعلیم نسواں کی اشاعت کی دونوں کو بہت بڑی فکر رہتی ہے تاکہ قوم سدھرے چنانچہ مسز میرزا نے چھوٹے پیمانہ پر دو زنانہ مدرسے بھی قایم کر رکھے ہیں۔ مسز میرزا کی ہمقوم مستورات نے بعض انجمن خواتین کی معتمدی کی خدمت بھی اُس کے تفویض کر دی ہے۔ فرخ کو بھی قومی کاموں سے خاص دلچسپی ہے ؎

ولا فرخ کی حالت دیکھ قدرت یاد آتی ہے۔ جو اول بوں شرابی ہو وہ آخر پارسا نکلے یا یوں کہوں۔ ان آنکھوں کا یہی بسیکہ ہے وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ۔ سب سے بڑی چیز فضل باری کا شامل حال ہونا اور توفیق نیک منجانب اللہ ہونا چاہیئے

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

این سعادت بزور بازو نیست ۔ تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ماسوا اسکے عورت میں بھی عجیب تاثیر خالق اکرم نے عطا فرمائی ہے وہ ہر قسم کے جذبات کو متحرک کر سکتی ہے نرم گاہوں میں رجز خوانیاں کر کے بزدلوں کو شیر دل بنا دیتی ہے۔ لارڈ بیکنسفیلڈ کا جو کئی بار دولت برطانیہ کے وزیر اعظم رہے تھے ابتدائی زمانہ بہت آزادی کا تھا شادی کرنیکے بعد جو اصلاحیں اون کی بیوی نے کیں اون کی ایک داستان کا قصہ مختصر اون کی بیوی نے اون کو اعلے درجہ کا مقرر پارلیمنٹ کا ممبر پھر کیبنٹ کا رکن حتے کہ وزیر اعظم اپنے نیک مشوروں اور ترغیبات سے بنا کر چھوڑا جو کچھ نام و شہرت لارڈ ڈنڈکورنے پیدا کی پہلے تو افضال خدا کا طفیل اوس کے بعد ایک چاہنیوالی لایق بیوی کی خوش تدبیری کا کرشمہ تھا۔ ایسی مثالیں یورپ کے ملکوں میں پائی جاتی ہیں مگر بدقسمتی سے ہماری قوم میں ڈھونڈھنے سے بھی شاید ہی کوئی ملے جسکا سبب یہ ہے کہ لایق عورتوں کا خاصہ کال ہماری قوم میں ہے اور یہ نتیجہ مردوں کی غفلت یا جہالت کا ہے جو عورتوں کو قابل بنانا پسند نہیں کرتے۔

خدا ہماری قوم کو توفیق نیک دے۔ این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

ناظرین کی واقفیت کیلئے آخر میں یہ بھی لکھدینا ضرور ہے کہ افتخار کا کیا حشر ہوا سننے میں آیا ہے کہ جب تک فرخ کی شادی نہیں ہوئی تھی اور وہ آوارگی میں

مبتلا تھا تو افتخار کو ایک گونہ امید تھی کہ جوانی دیوانی ڈہل جانیکے بعد
ممکن ہے کہ فرخ سنبھلے اور افتخار کی یاد اوس کو آئے اور وہ آکر
شادی کرلے مگر جبکہ فرخ نے مس عباس علی مرزا سے شادی کرلی
اور اوس کی خبر افتخار کو پہونچی اوس نے اپنی چوڑیاں توڑ ڈالیں
اور سفید پوشاک پہن لی گویا ماتم سالہ پہنا ایک عرصہ دراز تک
نہایت مضطر و پریشان رہی دوستوں اور غمخواروں کے سمجھانے
اور کہنے سے کسی گرلس اسکول میں معقول مواہب پر ملازمت قبول
کرلی ہم خرما و ہم ثواب جس سے آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ بھی پیدا ہوگیا
اور مشغولیت بھی رہنے لگی۔ فرخ کے دوست غازی الدین احمد
جن کی بیرسٹری حیدرآباد میں چل نکلی تھی اپنے والدین کے مجبور
کرنے پر چند سال حیدرآباد میں رہکر اپنے وطن واپس چلے گئے اور
لاہور میں پریکٹس کرتے ہیں۔

احقر العباد
سید ہمایون میرزا

ہمایون منزل
حیدرآباد دکن
۴ر جون ۱۹۱۶ء

صحت نامہ کتاب کرشمۂ تقدیر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
مقدمہ کتاب ا	۱	ایک	اک
۱	۳	تبارک تعالےٰ	تبارک و تعالےٰ
۱	۱۰	جبرئیل بہ تہنیت زود آمد و گفت	جبرئیل بہ تہنیت زود آمد و گفت اے ختم رسل
۳	۱	تمدتی	تمدنی
اصل کتاب ۱	۹	پچھہ	کچھہ
۲	۷	انکٹتا	اکٹتا
۴	۱۲	ایک شخص	اُس شخص
۴	۳	اُس طرح	اسی طرح
۵	۱۳	کہیانی	کہانی
۶	۱	اوٹہایا	اوٹہاکر
۷	۱	غذر	غار
۱۰	۱۰	عشمش	عشعش
۱۵	۱۴	تو	لو
۱۸	۱۳	تہوری	تہوڑی
۲۱	۲	فوج	نوج
۲۳	۱	ملا دینا	ملا دیتا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۵	۹	پس	بس
۲۷	۷	خیر	خیرے
۲۶	۱۵	سی	ہنسی
۲۹	۳	نو	تو
۲۹	۳	چاہیئے	چاہے
۲۹	۸	گائون	گانون
۲۹	۱۸	پڑتا	پڑنا
۳۱	۹	سنا دے گی	سنا دو گی
۳۱	۱۵	مخاطب ہو	مخاطب ہوکر
۳۲	۱	بلیگوٹن	بلیکوٹن
۳۲	۶	چڑا کر	چڑکر
۳۳	۷	ایک نوجوان	ایک تو جوان
۴۳	۱	بیٹی	بیٹھی
۴۳	۸	بیکا ہی	بیا ہی
۴۴	۱۱	دل نخواستہ	دل ناخواستہ
۵۷	۱۴	بظاہر اس	بظاہر ایک
۵۷	۱۶	ڈہڑے	ڈہرے
۶۸	۳	ہی	سی
۷۱	۱۰	جنبان	جنبانی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۲	۱۴	دوستون	دوستان
۷۳	۱	دور روپیہ	دو روپئے
۷۴	۲	لگائے گورے	لگائے ہوئے
۷۹	۱۸	کیگیا	گیا
۸۰	۱۰	خطوہ	خطوط
۸۳	۱۳	یہ رستران	یارستران
۸۴	۱۳	یکے باد دیگرے	یکے بعد دیگرے
۸۵	۵	ہاتھہ خط میرا دینا	ہاتھہ میں دینا ہمارا خط
۹۵	۱۵	پہر کترن	پہر کرن
۹۸	۵	جہوٹی	جہوٹی
۹۸	۵	بن	جن
۹۸	۱۷	نظیر لو	نظیر لو
۱۰۲	۱	بوت	جوت
۱۰۲	۱۷	بون	بوس
۱۰۳	۱	پر چہنے	ریجھنے
۱۰۳	۱۹	اپس	آپس
۱۰۹	۱	گہ ے	گڈے
۱۱۰	۲	پرواہ	پروا
۱۱۴	۱۶	منو	منو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱۷	۳	سولہا	سولہہ
۱۱۷	۱۲	اللہ رے گرمی	اللہ ری گرمی
۱۱۸	۲	تصور	قصور
۱۲۱	۱۲	پہر کتی	پہڑ کتی
۱۲۱	۱۵	قبہ	قحبہ
۱۲۳	۱۸	دیکہنہ	دیکھہ
۱۳۱	۵	اس وقت لگی	اسوقت دل لگی
۱۳۸	۷	مشرقی	مشرق
۱۴۱	۱۴	منجیث	منحیث
۱۴۸	۱۵	ہم تعداد مین	ہم کانی تعداد مین
۱۴۹	۱۴	یعنی ز	یعنی زیور
۱۵۱	۶	چاہے	چاہئے
۱۵۱	۱۳	سنر جوہری	سنر چوہری
۱۶۴	۵	ہماری	میری
۱۷۰	۸	ملنے	لئے
۱۷۱	۷	اسنے لیا ہے	مینے لیا ہے
۱۷۴	۱۸	گہتی	گہتی
۱۷۵	۱۸	رکہیا	احتیاط
۱۹۰	۶	بڑی	بڑی

۱۹۳	۱۰	فردوس	فردوس
۲۰۵	۱۳	پچیس	پانچوین
۲۰۷	۱۷	سال	حال
۲۰۹	۱۲	علیہافن	علیہافان
۲۱۰	۵	میرے سینہ	مرے سینہ
۲۱۰	۵	ہجر کے پھوڑے	دل کے پھوڑے
۲۲۱	۱۹	گلتی	گلنی
۲۲۱	۱۸	شادی پر جانے	شادی رچانے
۲۲۲	۲	حراسان	ہراسان
۲۲۴	۳	رفیق	رقیق
۲۲۶	۹	دل جان را	دل وجان را
۲۳۱	۱۱	ہمارا ہاتہ	ہمارا ہاتھ
۲۳۱	۱۵	فریدہ تم	چشم پرنم
۲۳۱	۱۶	بھرتی	شہرتی
۲۳۳	۱	کہٹا	گھٹتا
۲۳۴	۵	بٹنا	بٹھنا
۲۳۴	۱۰	دیکھیے	دیکھے
۲۳۷	۱۰	ٹیشن	ٹیشن
۲۳۸	۲	ڈھوڑی	ڈھوڑی
۲۳۹	۱۵	وغیرہ کی حالات	وغیرہ کے حالات
۲۳۹	۱۸	سے	سے
۲۴۲	۱۴	سے	سے
۲۴۸	۴	تظرہ	تظرہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۵۰	۹	کہیں اتنک	کسکے اتنک
۲۵۷	۵	بڑی	بڑھی
۲۵۹	۱۹	علم ہی کی	علم ہی کی بدولت
۲۶۰	۲	عالم	عالمہ
۲۶۰	۱۹	کو تعلق	کوئی تعلق
۲۶۴	۹	نہ انس وجن کو	نہ جن وانس کا
۲۶۵	۷	صحت	صحبت
۲۶۵	۹	متردد	متردد
۲۶۶	۴	محبت جسمانی	صحت جسمانی
۲۶۶	۶	چٹھی	چٹھی
۲۶۷	۱۸	بسنی	بسنتی
۲۷۱	۱۹	ایلکٹرو پلیٹڈ	ایلکٹرو پلیٹڈ
۲۷۶	۱۲	خدا سپر	خدا اُسپر
۲۷۷	۹	لکھنوی	لکھنؤ
۲۷۸	۵	گہائل کن	مجروح کن
۲۸۴	۴	جو	چو
۲۸۸	۸	لب سڑک	سر راہ
۲۹۰	۱۳	تقرسا	تقریباً
۲۹۳	۱۱	بزنائی	پزنائی
۳۰۰	۱۴	کردس	تاکہ اُس سے
۳۰۱	۸	کان تلے	کان پہ
۳۲۳	۹	ترغیبات	ترغیبات

ل ان مطبع سیدی با عتبار قدامت حیدرآباد کے اکثر مطابع سے قدیم ترین مطبع ہے اور صرف اسی سے برابر تعلق
ں ملک کی خدمت اور رعایا کے فرمانبردار ہونے کا ثبوت کافی طور پر مل رہا ہے۔
ع سیدی با عتبار اعلیٰ درجہ کی چھپائی اور صفائی و محنت کے اپنا آپ ہی نظیر ہے۔
سیدی اپنے عہدہ پر یعنی کام کی سچی اور عمدہ پابندی کا مقروض ہے اور اسکے کام کو لوگ اپنا کام خراب کرکے پھر نہیں
مطبع سیدی کے کام کو ترجیح دیتے ہیں۔ مطبع سیدی کی مطبوعہ کتابیں ہندوستان کے تمام بڑے بڑے
چھاپہ خانوں سے بہتر چھپی ہوئی ہیں۔ مطبع سیدی کی مطبوعہ کتابیں ہندوستان کے تمام بڑے بڑے
ہمیشہ گزرانے والا ہے۔ مطبع سیدی کا عام طور پر یہ طریقہ ہے اور خاص طور پر اپنے اختیار کیا ہے کہ
کہ وہ اپنی فرمائشات کو بھیجکر اسکے بہترین عمدہ نمونے منگالیں۔ مطبع سیدی امید کرتا ہے کہ ایک مرتبہ کی کامیاب خدمت گار
ل فرمائیں۔ عام طور پر ہمیشہ ساری کتابیں جس قیمت پر اب ہمارے مطبع میں موجود ہیں امید ہے کہ
ہ ہمنوا وہ حاصل کیا جائیگا۔ مجموعہ نوحہ جات فارسی حصہ اول و حصہ دوم قابل دید مرثیہ جات ہیں اسکی قیمت
فارسی نوحہ جات ہیں ہر ایک امام حسین علیہ السلام کے فرزند کے پاس ایک جلد ہونا ضروری ہے ہر جلد کی
قیمت ہر دو حصہ کا نذر ہوا۔ حکایات اہل بیت علیہ السلام نہایت مستند اہل کا نذر چھاپا
فقہ پر ایک مختصر مگر نہایت مفید کتاب ہے جس کو ہر مسلمان کو ضرور پڑھنا چاہیئے۔ ہر کتاب
ہر ایک کتاب کے مشہور راویوں کے حالات اور تاریخ
ی معلومات سے مرتب ہے جلد ہی شائع ہوگی۔ ناظرین ہم پر یہ بھروسہ ہے اور بھروسہ کے علاوہ ایک کل کتاب
۴۳ صفحہ قیمت ۲ ہر ہجری ہر سال ۱۵ ذیحجہ کو تیار ہو جاتا ہے اگر کوئی صاحب اس تقویم کے اعلا
نا چاہیں تو اخیر فروری تک مجھ سے مطبوعہ فرمالیں۔ تحفہ سیدی ہجری ۱۳۳۳ھ کا نذر کرنا ہے
کتاب خانہ سے مرتب کی کتابیں ایران و بمبئی و ہندوستان و ملک افغانستان ازبان مکتی ہیں بکی ہر
کے مرجع نمونہ کسی کا اگر کسی صاحب کو کوئی کتاب کی ضرورت ہو تو مطبع بذات سے استفسار کریں بلقید
حضرت عباس بلقید مطبع حضرت امام رضا و منیجر مگر بلقید مقابلہ فی تشنہ ہم
مجموعہ بلقید مرثیہ جن میں ۱۰ مرثیہ ہیں و خطاط ہر یہ و آسیب و بھبہ تبت و زبان ہند وغیرہ
و آخر میں دعا اس میں ۲۰ کاپی ہیں ہر ایک سلمان کو چاہیئے کہ ہر روز ایک پڑھ لیا کرے
صحت تعالیٰ و العافیہ و عواقب الامور کے لئے ہر جمعہ کو پڑھ لیا کرے اور حاجات دنیا و آخرت کے لئے
ہر جمعہ کو پڑھ لیا کرے
بہ ہمنا نے الفقیر خواجہ فرزند الفقیر علم میں ایک

دعائے جوشن کبیر دام الصبیان وغیرہ یہ تعویذ قابل قدر اور ہر ایک [illegible] دفع کے لئے اور دفع آسیبہ و شیاطین وغیرہ نہایت مفید ہے ہدیہ فی عدد ۲ سرخی صدی [illegible] دعائے کنز العرش۔ نہایت مجرب تعویذ ہر ایک بیماری وغیرہ کے لئے و دفع آسیبہ و شیاطین و زبان بند کے لئے نہایت مفید ہے ہدیہ فی عدد ۲ سرخی صدی کاغذ سفید ۲ صد رنگین ۱ صد۔ کتاب ناور شاہ زبان فارسی میں یہ پہلا تاریخی ناول ہے جو انگریزی سے میں ماخوذ ہے قاسید محمد علی صاحب داعی الاسلام پروفیسر نظام کالج حیدرآباد نے ترجمہ فرمایا ناول نادر شاہی تاریخ نہایت سلیس و بامحاورہ فارسی میں بیان فرمایا ہے اور الہ آباد یونیورسٹی نصاب تعلیم میں بھی داخل کیا گیا ہے دو حصہ کے کاغذ پر چھپی ہے مجموعہ صفحات (۴۵۰) قیمت مجلد للعہ بلا جلد للعہ کاغذ کھرا مجلد ہے بلا جلد ہے ۱۲ نزہۃ المعروف بہ شبستان حسن عالیجناب کمل سید بابو بن میرزا صاحب بیرسٹر لا امور ات خانہ داری و اخلاق و تعلیم میں ایک لاجواب کتاب بطرز تامل مشاہیر عصر کے ریویو شدہ قابل دید کتاب ہے مجموعہ (۲۳۶) قیمت ۱۲ر۔

تحریر النساء مصنفہ جناب مولوی محمد انشا نگاری میں خاص عورتوں کے لئے ایک بے نظیر کتاب حجم (۱۴۴) صفحہ قیمت ۱۲ر

تحفۃ الملوک و صد پند حکیم لقمان فارسی۔ نصایح و پند یات میں ایک قابل دید کتاب ضرور پڑھنا چاہیے تاکہ لڑکپن سے انکے اخلاق درست ہو جائیں حجم ۱۰۰ صفحہ کاغذ چکنا قیمت ۱ر کھرا قیمت ۰

جہانگشائے نادری۔ حجم صفحات (۲۰۰) سے زاید قیمت ۱۲ر۔

افتخار و فرخ۔ یہ نئے کتاب بنا۔ یہ کتاب پہلی دفعہ (۵۰۰) جلدیں طبع ہوئی ہیں خریدی میں جلدی کیجئے کہ ختم نہ ہو جائیں اور پھر بہت عرصہ تک نہ جائے قیمت قاعدہ بغدادی ۲ر۔

دو ورق میں پورا قرآن شریف جس صنعت سے لایا گیا ہے دیکھنے کے بعد ہو گا قابل قدر بطور تعویذ کے اپنے پاس اور بچوں کے پاس رکھنے کے لئے مناسب ہے ہدیہ عہ

اور نیز ہمارے کتب خانہ میں ہر قسم کے عربی۔ فارسی۔ اردو۔ انگریزی اور نیز مذہبی کتابیں بغرض فروخت موجود ہیں۔

المشتہر

شیخ ابوالقاسم مہتمم مطبع حیدری و کتب خانہ تجارتی حیدرآباد مقابل بارہ دری عالیجناب نواب سالار جنگ بہادر دام اقبالہ حیدرآباد دکن